توحید

اور محبوبانِ خدا کے کمالات

جلد سوم

حضور مفکرِ اسلام پروفیسر محمد حسین آسی نقشبندی قادری

سرپرست اعلیٰ مجلہ الحقیقہ و شیرانِ اسلام پاکستان

مکتبہ نقش لاثانی

کتاب کا نام	:	توحیداور محبوبان خدا کے کمالات
مصنف کا نام	:	مفکر اسلام پروفیسر محمد حسین آسی رحمۃ اللہ علیہ
کمپوزر	:	محمد اکرام مجددی، محمد ناظم
کمپوزنگ	:	لاثانی بک اینڈ کمپوزنگ سنٹر شکر گڑھ
تعداد	:	گیارہ سو
صفحات	:	416
ناشر	:	ادارہ تعلیمات حضور مفکر اسلام رحمۃ اللہ علیہ
قیمت		200 روپے

ایڈریس

لاثانی بک اینڈ کمپوزنگ سنٹر

ریلوے روڈ شکر گڑھ

فون: 0542-451997

فہرست

خندق

خیبر

قسط 51

آصف بن برخیا

علم والے کون

نبوت کی طاقت

قسط 51

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آصف بن برخیا: گذشتہ قسط میں آپ حضرت آصف بن برخیا رضی اللہ عنہ جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے صحابی اور وزیر تھے کا قرآنی واقعہ اور اس ضمن میں مولانا مودودی کی تفسیری ایمان افروز تصریحات کا مطالعہ کر چکے ہیں۔اب آیئے علماء دیو بند کے شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب کی تحقیقات ملاحظہ فرمایئے۔پہلے ترجمہ اور پھر حاشیہ

ترجمہ: بولا وہ شخص جس کے پاس تھا ایک علم کتاب کا، میں لائے دیتا ہوں تیرے پاس اس کو پہلے اس سے پھر آئے تیری طرف تیری آنکھ پھر جب دیکھا اس کو دھرا ہوا اپنے پاس، کہا یہ میرے رب کا فضل ہے۔(ص۸ ترجمہ آیت سورہ نمل، ص۴۰)

حاشیہ: ص۷ واضح یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص حضرت سلیمان علیہ السلام کا صحابی اور وزیر آصف بن برخیا ہے جو کتب سماویہ کا عالم اور اللہ کے اسماء اور کلام کی تاثیر سے واقف تھا۔اس نے عرض کیا کہ میں چشم زدن میں تخت کو حاضر کر سکتا ہوں۔آپ کسی طرف دیکھئے، قبل اس کے آپ ادھر سے نگاہ ہٹائیں، تخت آپ کے سامنے رکھا ہوگا۔

ص۸ یعنی یہ ظاہر کے اسباب سے نہیں آیا۔اللہ کا فضل ہے کہ میرے رفیق اس درجے

کو پہنچے، جن سے ایسی کرامات ظاہر ہونے لگیں اور چونکہ ولی کی خصوصاً صحابی کی کرامت اس کے نبی کا معجزہ اور اس کے اتباع کا ثمرہ ہوتا ہے اس لئے حضرت سلیمان پر بھی اس کی شکر گزاری عائد ہوتی ہے (تنبیہ) معلوم ہوا کہ اعجاز و کرامت فی الحقیقت خداوند قدیر کا فعل ہے جو ولی یا نبی کے ہاتھ پر خلاف معمول ظاہر کیا جاتا ہے۔ پس جس کی قدرت سے سورج اور زمین کا کرہ ایک لمحہ میں ہزاروں میل کی مسافت طے کر لیتا ہے۔ اسے کیا مشکل ہے کہ تخت بلقیس کو پلک جھپکنے میں 'مارب' سے 'شام' پہنچا دے۔ حالانکہ تخت بلقیس کو سورج اور زمین سے ذرہ اور پہاڑ کی نسبت ہے۔ اب جناب تھانوی صاحب کے ذہن و سا کی پرواز ملاحظہ ہو۔

ترجمہ: جس کے پاس کتاب ص۲۔ کا علم تھا (غرض) اس (علم والے) نے (اس جن سے) کہا کہ میں اس کو تیرے سامنے تیری آنکھ جھپکنے سے پہلے لا کر کھڑا کر سکتا ہوں۔ ص۳۔ جب سلیمان علیہ السلام نے اس کو روبرو رکھا دیکھا۔ تو (خوش ہو کر شکر کے طور پر) کہنے لگے کہ یہ بھی میرے پروردگار کا ایک فضل ہے۔

اب حاشیہ آرائی دیکھئے

ص۲۔ اقرب یہ کہ سلیمان علیہ السلام مراد ہیں۔

ص۳۔ چنانچہ آپ نے حق تعالیٰ سے دعا کی اور تخت فوراً سامنے آموجود ہوا۔

مولانا مودودی صاحب کی تفسیر: گذشتہ قسط میں مولانا مودودی صاحب کا یہ ارشاد بھی قابل غور اور لائق تحسین ہے۔ اسے دوبارہ پڑھئے اور لطف اٹھایئے

''جن اپنے وجود کی طاقت سے اس تخت کو چند گھنٹوں میں اٹھالانے کا دعویٰ کر رہا تھا، یہ شخص علم کی طاقت سے اس کو ایک لحظہ میں اٹھالایا۔''

(تفہیم القرآن ج ۳ ص ۵۷۷)

تخت اٹھالانے کے اس واقعے کی توجیہہ کرتے ہوئے مولانا فرمارہے ہیں (جیسا کہ گذشتہ قسط میں یہ بھی گزرا)

"حضرت سلیمان علیہ السلام تبلیغ کے ساتھ ساتھ ملکہ اور اس کے درباریوں کو ایک معجزہ بھی دکھانا چاہتے تھے تاکہ اسے معلوم ہو کہ اللہ رب العلمین اپنے انبیاء کو کیسی غیر معمولی قدرتیں عطا فرماتا ہے اور اسے یقین آجائے کہ حضرت سلیمان واقعی اللہ کے نبی ہیں" (ص ۵۷۵)

ان دونوں عبارتوں پر غور کر کے اپنے ایمان تازہ کیجئے۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا مودودی نے یہاں اہل علم اور پھر تاجداران نبوت کی عظمت کا ذکر جس انداز میں کیا ہے، یہ ان کے مزاج اور عمومی انداز کے خلاف ہے۔ وہ لوگ جو ان کے اسلوب تحریر سے آشنا ہیں، گواہی دیں گے کہ اس قسم کی نیاز مندی ان کی فطرت ہی کے خلاف ہے جہاں تک مجھے یاد ہے انھوں نے اس رسول اعظم وافخم ﷺ کے بارے میں بھی 'غیر معمولی قدرتوں' کا کبھی اعتراف نہیں کیا جن کا امتی ہونے کا وہ دعویٰ کرتے ہیں۔ ان کی تحریروں سے اکثر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ ادب و تعظیم کی بولی ہی سے ناواقف ہیں اور اس کوچے میں ان کا گزر تک نہیں ہوا۔ مگر یہاں وہ عام انبیاء علیہم السلام کو 'غیر معمولی قدرتوں' سے نوازا ہوا دیکھ کر بہت خوش دکھائی دیتے ہیں اور انھیں ان محبوبان خدا علیہم السلام کے نوازے جانے کا انداز گویا گوارا ہو گیا ہے۔

ع یہ مقام اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے۔

گویا ع 'کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے'

انصاف کی بات تو یہ ہے کہ اگر مولانا اتنی 'سخاوت' نہ فرماتے اور صرف پہلی

عبارت ہی ان کے نوک قلم سے ٹپکتی تو بھی بات بہت واضح تھی۔ وہ فرمارہے ہیں کہ 'جن' گویا اپنی پوری جناتی طاقت کے ساتھ جس تخت کو چند گھنٹوں میں لاسکتا تھا اسے ایک آدمی محض علم کی طاقت سے آنکھ جھپکنے سے پہلے لاسکا۔ معلوم ہوا علم میں اتنی طاقت ہے کہ انسان عام انسانی طاقت سے بلند تر ہو جاتا ہے کہ جناتی طاقت بھی اس کے آگے ہیچ ہوتی ہے۔ مولانا کے عقیدتمندوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ اولیاء اللہ کے کمالات و تصرفات اسی علم کتاب کی برکت سے رونما ہوتے ہیں۔ ہاں ہاں یہ حیرت کی بات ہے کہ دور حاضر کا اتنا بڑا لیڈر حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک درباری کے لئے جس عظیم طاقت کا راز سمجھ گیا ہے، اپنے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی امت کے اکابر کے لئے اسے اس کی سمجھ نہیں آسکی اور اسے آخر تک معلوم نہ ہوسکا کہ جمہور امت حضور سیدنا غوث اعظم، سرکار داتا گنج بخش، حضرت خواجہ غریب نواز، حضرت بابا فریدالدین گنج شکر، بہاؤالدین زکریا ملتانی اور سیدنا مجدد الف ثانی علیہم الرضوان کی جن کرامات و کمالات کی قائل ہے، ان کا سرچشمہ بھی علم کتاب ہے۔ اور یہ شرک کا نہیں بلکہ توحید ہی کا کرشمہ ہے۔ ازراہ کرم غور کیجئے۔ حضرت آصف برخیا کے جس علم کتاب کا ذکر ہوا ہے۔ وہ خدا کی سب سے افضل کتاب یعنی قرآن حکیم کا علم نہیں تھا۔ بلکہ تورات، یا زبور کا ہوگا۔ جب مفضول کے علم میں یہ طاقت ہے تو 'افضل' کے علم کا کیا عالم ہوگا۔ پھر غور کیجئے ان اکابر امت کی عموماً جن کرامات و تصرفات کا اقرار دور جدید کے 'روشن خیال' مفسرین کے لئے ناقابل برداشت ہے، ان میں کتنے کمالات ایسے ہیں جو حضرت آصف بن برخیا کے اس واقعے سے زیادہ یا اس کے برابر محیر العقول ہوں۔ لہٰذا علم تورات و زبور کے چشمہ فیض سے متعلق اتنا حیرت انگیز اور بظاہر عقل شکن واقعہ بھی آپ کو تسلیم ہے تو قرآن پاک کے علم سے مالا مال ہونے والوں کی ماورائی قوتوں کا اقرار بھی کر لیجئے اور یہ اقرار دراصل ان

بزرگوں کی طاقت کا نہیں بلکہ قرآن پاک کے علم کی طاقت کا ہے۔ہاں ہاں،اگر تورات و زبور کے فیض کا اقرار ہے تو قرآن پاک کی برکات کا انکار آخر کیوں؟

اور ہمارے 'روشن خیال' مفکرین و مفسرین آخر دوسری امتوں کے ایسے حیران کن واقعات پر ایمان لے آتے ہیں مگر 'خیر الامم' (یعنی سب امتوں کی سردار) کے بارے میں کیوں انکار پاس کا شکار ہیں۔

علم والے کون: اگر اس نکتے پر غور کرلیا جائے تو بھی حقائق واشگاف ہو جاتے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ ایسے واقعات جہاں عظمت آدم کے قرآنی تصور اور ایمان کے بے مثال ولا جواب فوائد وفضائل سے پردہ اٹھاتے ہیں، وہاں یہ فیصلہ بھی کردیتے ہیں کہ علم والے کون ہیں۔بزرگان دین جنھوں نے اپنے تصرفات سے ہزاروں لاکھوں کو ایمان کی دولت سے مالا مال کیا، یقیناً وہ قرآن پاک کا بہت زیادہ علم رکھتے تھے اور ان کی ان قرآنی وایمانی وعرفانی طاقتوں کو دیکھ کر ان کے اللہ پر'ان کے نبی علیہ السلام پر اور ان کے دین پر ایمان لاتے تھے۔جن لوگوں کو یہ حیرت انگیز قوتیں نہیں ملیں، ظاہر ہے اپنے دعویٰ علم کے باوجود علم کتاب سے محروم ہیں۔ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ یہ محروم لوگ اپنی محرومی پر روتے اور اس کا علاج کرنے کی کوشش کرتے، انھوں نے اس کی بجائے علم والوں کے علم کا اور ان کی مخصوص ومنفرد روحانی طاقتوں کے انکار کا مختصر آسان سا راستہ اختیار کیا کہ جس علم کو پا نہ سکیں، اس کا انکار کردیں، یہ ایک روش ہے جو بہت پہلے سے محرومین میں مروج ہے۔

قرآن پاک فرماتا ہے۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ (یونس۔۳۹)

ترجمہ: بلکہ اسے جھٹلایا جس کے علم پر قابو نہ پایا

نبوت کی طاقت: اب ایک اور بات کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ فرمائیے

مودودی صاحب کے بقول 'علم' کی طاقت کا یہ حال ہے تو نبوت کی طاقت کا کیا حال ہوگا۔ اگر کتاب پڑھنے اور سمجھنے سے آدمی دوسرے ملک سے تخت بلقیس لا سکتا ہے تو کتاب پڑھانے اور سمجھانے والی شخصیت کی طاقت وقدرت کا کیا عالم ہوگا۔ اگر نبی علیہ السلام کی اتباع سے انسان اتنا طاقتور ہو جاتا ہے تو خود نبی علیہ السلام جن کی اتباع کی یہ برکت ہے کی طاقت کا کیا حال ہوگا۔ اگر 'مومن' ایسا قوی ہے، تو مومن بہ (یعنی جس پر ایمان لایا جا رہا ہے) کی شان کیا ہوگی۔ حضرت اقبال کا یہ شعر زبان زد خاص وعام ہے

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

واقعی جب مرد مومن کی نگاہ میں لوگوں کی تقدیریں بدلنے کی قوت ہے تو اس کے زور بازو کی قوت یقیناً عام لوگوں کے اندازے سے باہر ہوگی۔ (اور یہ مومن صرف چودھویں صدی کا نہیں بلکہ جب سے سلسلۂ نبوت شروع ہوا اور جب سے انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لانے کی نیو پڑی)

سچ کہنے پر پابندی: ہمارے ہاں اس بات پر کوئی قدغن نہیں رہ گئی کہ عموماً جو شخص جس کے متعلق جو چاہے دعویٰ کر دے اور سچ کے ساتھ جتنا چاہے جھوٹ کی آمیزش کر دے، کوئی اسے روکنے ٹوکنے والا نہیں بلکہ یوں لگتا ہے جیسے جھوٹ پر نہیں بلکہ سچ کہنے پر پابندی لگائی جا رہی ہے۔ چنانچہ چند ماہ پہلے کی بات ہے مولانا مودودی صاحب کی برسی منائی جا رہی تھی۔ اخبارات میں ان کی شان وعظمت کے بڑے قصیدے شائع ہوئے اور معاذ اللہ جس طرح پیپلز پارٹی کے ایک 'لفنگے' نے تقریر کے دوران بھٹو کو قائد اعظم

علیہ الرحمہ پر ترجیح دی تھی، یونہی بہت سے مضمون نویسوں نے یہ تاثر دیا کہ قائداعظم علیہ الرحمہ اور مودودی صاحب میں مکمل فکری ہم آہنگی تھی اور قائداعظم بھی حسب ضرورت ان سے رہنمائی لیا کرتے تھے۔ مجھے بڑی تکلیف ہوئی کہ ایک طرف ہمارا میڈیا اسلامی تعلیمات کو مسخ کر رہا ہے اور ملک کے بے غیرت حکمرانوں کے حسب منشا اسلام کو ذبح کرنے کے درپے ہے تو دوسری طرف یہ بدنصیب ہیں جو پاکستان یا قوم کی تاریخ ہی مسخ کر رہے ہیں۔ میں نے اپنے نورِ نظر مولانا محمد سعید عامر نقشبندی سے ان غلط تاثرات کا ازالہ کرنے کے لئے مضمون لکھوایا اور ایک دوسرے عزیز کو جو ایک کثیرالاشاعت اخبار میں کام کرتے ہیں۔ دے کر اسے شائع کرانے کی تلقین کی تو چند روز بعد اس نے بتایا کہ مضمون شائع نہیں ہوسکتا۔ ان کے بقول اخبارات کے ایڈیٹر ڈرتے ہیں کہ مضمون شائع ہو گیا تو ہمارے دفتر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے گی۔

وہ تھا تخت نشین 'فاسقین' کا کردار اور یہ ہے نام نہاد 'صالحین' کا اسلوب حیات۔

تاریخ نویسی میں پسند و ناپسند کیوں؟: خیر یہ دکھ کی بات تو ایک جملہ معترضہ کے طور پر سامنے آگئی ہے۔ اور یہ اس لئے بھی سامنے آگئی ہے کہ فی الواقعہ مجھے اس سے بڑی پریشانی ہے۔ اگر ملت کی تاریخ کو اسی انداز میں تبدیل کیا جاتا رہا تو وہ 'تاریخ' تو نہ رہے گی، سیاسی لوگوں اور مختلف پارٹیوں کی قوت کا مظاہرہ ہی ہو کر رہ جائے گی۔ تاریخ میں تو اپنے پرائے کی تمیز اور اپنی پسند و ناپسند کو دخل نہیں ہونا چاہیے بلکہ جو کچھ دنیا میں ہوا اور جس نے جو کچھ کیا' اس کی نقشہ کشی ہونی چاہئے۔ اگر سیاسی لوگ اور سرمایہ دار طبقات نے سیاسی اور سرمائے کی قوت کے بل بوتے پر جو چاہا لکھوالیا تو علمی صورت حال کتنی تاریک ہو جائے گی۔ ہمیں افسوس ہے کہ ایسا ہونا شروع ہو گیا ہے۔ مودودی صاحب ہی کو لیجئے، تحریک پاکستان میں ان کا کردار کیا ہے؟ جماعت اسلامی کا کوئی فرد حقیقت

کے مطابق بات کرنا پسند نہیں کرتا اور حدیث پاک میں محبت کی تعریف میں جو بات زبان رسالت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے نکلی، اسی کا ظہور ہو رہا ہے۔ یعنی

حُبُّکَ الشَّیْئِ ءیُعْمِیْ وَ یُصِم

ترجمہ: تمھارا کسی چیز سے محبت کرنا اندھا بہرا کر دیتا ہے۔ (ابوداؤد)

چونکہ تحریک میں مولانا کا کردار منفی تھا، لہذا ان کی عظمت دلوں میں جاگزین کرنے کیلئے ان 'فرشتہ صفت' لوگوں کے لئے جھوٹ مباح نہیں بلکہ فرض ہو گیا ہے۔ اب ایک سے ایک بڑھ کر اپنی نیازمندی' اپنی عقیدت اور اپنے عشق کا ثبوت دینے کیلئے تاریخ گھڑ رہے ہیں۔ یہی حال علمائے نجد و دیوبند کا ہے۔ انھوں نے (دو چار کے سوا) کھلم کھلا قائد اعظم کو معاذ اللہ' کافر اعظم' کہا اور علانیہ گاندھی اور نہرو کے آستان' توحید' پر جبہ سائی کر کے اپنا 'فرض عشق' ادا کیا۔ مگر آج ان کی لکھی ہوئی تاریخ کی کتابیں بالخصوص وہ جو سکولوں کالجوں میں زیر تدریس ہیں، اٹھا کر دیکھ لیجئے۔ انصاف کا کیسا خون اور حقائق کو کیسا مسخ کیا ہے، ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ قوم خواب خرگوش کے مزے لے رہی ہے، حکومت کو عیاشی و فحاشی کی اشاعت سے مہلت نہیں؟ جن علماء مشائخ نے قائد اعظم کا ساتھ دیا تھا اور انھیں کامیاب کرنے کے لئے دن رات ایک کر دیئے تھے، عموماً ان کی اولاد کو بھی اپنے مورثوں کی عظمت سے زیادہ دلچسپی نہیں۔ غور کیجئے تحریک پاکستان کی تاریخ بہت زیادہ پرانی نہیں۔ اس کے عینی گواہ لاکھوں نہیں تو ہزاروں ضرور ہوں گے، یہ زیادہ سے زیادہ پون صدی کا واقعہ ہوگا اور یہ برصغیر پاک و ہند میں ایسے خوش بخت موجود ہیں جنھیں حضرت قائد اعظم اور ان کے ہمنواؤں کی زیارت سے اپنے دیدہ و دل کو سیراب کرنے کے زریں مواقع میسر آئے۔ الحمد للہ میرے ایک ماموں جان ہیں رانا محمد صدیق جو شیخوپورہ سے چار پانچ کلو میٹر کے فاصلے پر جنڈیالہ روڈ کے کنارے

سینگو والیوں کے ڈیرے میں قیام پاکستان کے بعد سے ڈیرے ڈالے ہیں۔ یہ بھی قائد اعظم علیہ الرحمہ کے ساتھ مصافحے کا شرف حاصل کرنے والوں میں سے ہیں (اور میں اس نسبت سے بھی ان کے ہاتھ چومتا ہوں۔) مختصر یہ کہ اس صورت حال میں بھی جب آنکھوں دیکھی تاریخ بدلی جا رہی ہے اور بدلنے والے اسلام کے معروف باغی نہیں بلکہ نام نہاد صالحین ہیں کس سے انصاف و دیانت کی توقع کی جائے اور ان جیسے 'انصاف پسند' اور 'حق گو' 'صالحین' سے اسلام کی گزشتہ تاریخ اگر محفوظ رہے تو کیونکر؟۔ چنانچہ آپ خود دیکھ لیجئے، عموماً موجودہ دور کی لکھی ہوئی کتب تاریخ پہلے ادوار کی لکھی ہوئی کتابوں سے آپ کو مختلف نظر آئیں گی۔ گزشتہ مورخین نے جا بجا سلاطین اسلام کے بزرگان دین سے عقیدت کے واقعات اپنی کتابوں میں درج کئے ہیں اور بزرگوں کی دعاؤں کے ثمرات اور کرامات و تصرفات کا ذکر کیا ہے۔ ماضی کی تاریخ بتاتی ہے۔ جہاں فرزندان اسلام نے جہاد اسلام کے موقع پر اپنے تن من دھن کی بازی لگائی وہاں جب بظاہر صورت حال نہایت تاریک ہو گئی تو اولیاء اللہ کی توجہات نے بھی میدان کارزار کا پانسہ پلٹ دیا۔ کبھی پریشانی بڑھی تو خود حضور رحمۃ للعلمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات ستودہ صفات نے مشکلکشائی فرمائی اور آن کی آن میں تمام خطرات و آلام و مصائب کے طوفان چھٹ گئے۔ مگر اب اس قسم کے واقعات کتابوں سے نکالے جا رہے ہیں کیونکہ نازک مزاج مورخین کے قلم کا رشتہ اس 'توحید' سے قائم ہو گیا ہے۔ جہاں اللہ کے فضل و کرم اور جود و عطا کے مظاہر بھی برداشت نہیں کئے جاتے۔ مثلاً یہ کہہ دیا جائے۔ اللہ جل جلالہ نے اپنے نبی کو کائنات کے ذرے ذرے کا علم دیا تو توحید کے ماتھے پر بل آ جاتا ہے۔ کیونکہ دور حاضر کے ان مورخین و مفسرین کے نزدیک اللہ تعالیٰ یہ کمال کسی کو نہیں دے سکتا کیونکہ یہ صریحاً شرک ہے۔ اس کی وجہ ان کے نزدیک یہ ہے کائنات کے

ذرے ذرے کا علم صرف اللہ کو ہو سکتا ہے۔ انھیں لاکھ سمجھاؤ کہ یہ علم بھی اللہ کے علم کے سامنے بہت ہی محدود ہے مگر توحید کے یہ عاشق کسی کی بات ماننے کو تیار نہیں۔ ان کے نزدیک گویا توحید کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ سب کچھ جانے اور اللہ کا نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کچھ بھی نہ جانے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ ان کا یہ رویہ زیادہ تر صرف اس ذات پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہے۔ جس کا یہ لوگ کلمہ پڑھتے ہیں۔ باقی کسی کے بارے میں اتنے سخت نہیں ہیں۔ چنانچہ 'براہین قاطعہ' جیسی بد بودار کتاب جسے مولوی خلیل احمد انبیٹھوی نے تصنیف کیا اور مولانا رشید احمد گنگوہی کی مصدقہ ہے، میں اس علم کو (یعنی کائنات کے ذرے ذرے کے علم کو حضرت عزرائیل علیہ السلام بلکہ شیطان کیلئے بھی نصوص قطعیہ کی روشنی میں تسلیم کرلیا ہے۔ مگر جان کائنات، اصل کائنات وجہ کائنات علیہ افضل التحیات والصلوٰت کے لئے اس علم کو ثابت کرنا شرک قرار دیا ہے۔ معاذ اللہ اسی موقعے پر انھوں نے تصریح کردی ہے کہ حضور ﷺ کو دیوار کے پیچھے کا علم نہیں۔ فرمائیے کیا اس سے یہ بات واضح نہیں ہو جاتی کہ یہ لوگ اللہ پاک کے پاک نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کلمہ صرف زبان سے پڑھتے ہیں اور اللہ پاک کے ناپاک دشمن شیطان کا کلمہ دل سے پڑھتے ہیں۔

فتنہ تحریف کا مقابلہ: ہاں ہاں ملت کے بہی خواہوں کو اس بات کا حل ڈھونڈنا چاہئے کہ آخر اس 'فتنہ تحریف' کا مقابلہ کس طرح کیا جائے۔ تاریخ اسلام کی وہ کتابیں جو بیروت، مصر اور بغداد وغیرہ میں طبع ہوتی ہیں، ان میں بہت کچھ مل جاتا ہے اور جو پرانی کتابیں ہیں ان موحدین کے 'وسیلے' سے ملتی ہیں، ان میں سے ایسے تمام واقعات خارج ہوتے ہیں۔ یعنی یہی نہیں اپنی تصنیفات میں درج نہ کریں بلکہ گذشتہ صدیوں کی کتابوں سے بھی انھیں نکال رہے ہیں۔ کئی سال پہلے میں نے سنا تھا کہ مکہ معظمہ میں

نجدی حکومت کا باقاعدہ ایک محکمہ ہے الدعوۃ والا رشاد۔اس کا ایک فریضہ یہ بھی ہے کہ گزشتہ اسلامی ادب میں جو بات بھی ان کی توحید سے ٹکراتی ہے، اسے نکال دیا جائے تا کہ کسی کو اس بات کا علم نہ ہو سکے کہ محمد بن عبدالوہاب اینڈ کمپنی کے عقائد و اعمال کس حد تک 'بدعت' ہیں۔

ہاں ہاں آخر تحریف وتبدیل کے اس جذبہ ملعونہ کی بنیاد بھی تو تلاش کیجئے، ایسا کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ ان کا خدا کے بھیجے ہوئے رسول ﷺ، اس کے اتارے ہوئے قرآن اور اس کے بخشے ہوئے دین پر ایمان نہیں۔جو اصل دین ہے اس پر یہ لوگ مطمئن نہیں، لہذا انھیں اپنی مرضی کا دین چاہئے تھا جس کے عقائد کا نام تو وہی ہو مگر عقائد کی تشریح ان کی من مرضی کے مطابق ہو۔چنانچہ توحید کا نام لیتے ہیں مگر توحید کی تفسیر کا انداز ان کا صدر اسلام کی توحید کے مطابق ہے۔یہ عقیدہ رسالت پر بھی بزعم خویش یقین رکھتے ہیں مگر 'رسالت' کا مفہوم ان کے ہاں باقی امت سے جدا گانہ ہے۔بظاہر یہ قرآن کو بھی مانتے ہیں مگر اس سے زیادہ اپنی مانتے ہیں، مگر قرآن کی کوئی آیت ان کی من مرضی کے خلاف ہو تو الفاظ تبدیل کئے بغیر معانی میں تحریف کر کے اپنے دل کو پرچا لیتے ہیں۔

چند اختلافات: چنانچہ بہت سے مقامات قرآن پاک میں ایسے ہیں۔جن سے ان کی نو زائیدہ توحید اور نو پید دین کا اتفاق ہو ہی نہیں سکتا۔مثلاً فرمایئے حضور پر نور ﷺ کے بارے میں یہ کہنے والے کہ " بشر کی سی تعریف کرو بلکہ اس میں بھی اختصار کرو۔" (تقویت الایمان) قرآن پاک کی ان دو آیتوں کو کیونکر مان سکتے ہیں

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيۡرًا ۝ وَدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذۡنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيۡرًا (الاحزاب۔۴۵۔۴۶)

ترجمہ: اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بیشک ہم نے تمھیں بھیجا حاضر و ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈرسنا تا اور اللہ کی طرف سے اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب۔

پھر حضور پرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضل وعطا کو توحید کے خلاف سمجھنے والے آیت قرآن کے ان الفاظ سے کیونکر راضی ہوسکتے ہیں (جو خود ان کے خلاف ہیں)

وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ (التوبہ۔۷۴)

ترجمہ: اور انھیں کیا برا لگا یہی نا کہ اللہ ورسول نے انھیں اپنے فضل سے غنی کر دیا۔

پھر حضور شافع یوم النشور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو محض اپنی طرح بشر سمجھنے والے اس سورۃ الفتح کے ان الفاظ سے صلح کریں گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ

(سورۃ الفتح۔۱۰)

ترجمہ: وہ جو تمھاری بیعت کرتے ہیں، وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

پھر انبیاء ورسل علیہم السلام کے علم غیب کے منکرین کو قرآن پاک کا یہ انداز خطاب کیونکر بھاسکتا ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ (آل عمران۔۱۷۹)

ترجمہ: اور اللہ کی شان یہ نہیں ہے کہ عام لوگو تمھیں غیب کا علم دے، ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے، تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولوں پر۔

گویا اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے کا مفہوم یہ ہوا کہ اللہ پر یوں ایمان لاؤ کہ وہ عام لوگوں کو نہیں، اپنے رسولوں کو علم غیب عطا فرماتا ہے اور اللہ کے رسولوں پر یوں ایمان لاؤ کہ وہ اپنی عظمت شان کے لائق اللہ سے علم غیب سیکھتے ہیں۔

میں نے صرف مثال کے طور پر چند اختلافات کی طرف اشارہ کیا ہے ورنہ یار لوگوں کو کتاب وسنت کے بخشے ہوئے نظریات سے بے شمار اختلافات ہیں۔ ہاں ان اختلافات پر پردہ ڈالنے کے لئے انھیں 'نفاق' کا بدنام پسند نہیں آیا تو 'توحید' کا خوبصورت نام اختیار کرلیا۔ کیا غضب ہے جنھیں کتاب وسنت کی تصریحات سے اختلافات تھے، وہ موحد ٹھہرے اور جو اس کے حرف حرف پر سچے دل سے ایمان رکھتے تھے، انھیں مشرک ٹھہرایا گیا۔ اسی صورت حال کی مقدور بھر نقشہ کشی شاعر نے یوں کی ہے

خرد کا نام جنوں رکھ دیا، جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

قرآنی علم: جملہ معترضہ ہاتھ روکتے روکتے بھی بہت طویل ہو گیا۔ اصل میں یار لوگوں کے 'کارنامے' ہی اتنے کثیر التعداد ہیں کہ بات لمبی ہو جاتی ہے۔ بات ہو رہی تھی، اگر علم زبور کی بخشی ہوئی طاقت سے کوئی صاحب تخت بلقیس کو آنکھ جھپکنے سے پہلے دوسرے ملک سے لا سکتے ہیں تو خود حضرت سلیمان علیہ السلام کی اپنی طاقت کا کیا عالم ہوگا کیونکہ حضرت آصف رضی اللہ عنہ کا علم حضرت سلیمان علیہ السلام کے علم نبوت کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ جناب آصف کی طاقت کا اندازہ ہم جیسے ناقص العلم اور ناقص الایمان لوگ نہیں کر سکتے تو یقیناً حضرت سلیمان علیہ السلام کی طاقت کا اندازہ بھی حضرت آصف کے بس سے باہر ہے۔ تاہم یہ بات ضرور ہے کہ بلقیس، اس کے درباریوں اور دوسرے لوگوں کے لئے بھی یہ واقعہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی نبوت کی بلکہ ان کے رب کی

توحید کی دلیل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اپنا تخت دیکھ کر انھیں بقول مولانا مودودی حضرت سلیمان علیہ السلام کی غیر معمولی قوت وقدرت پر اور یوں نبوت پر ایمان لانے کا ذریعہ بنا۔ جب وہ حضرت سلیمان علیہ السلام پر ایمان لائے تو ظاہر ہے اللہ کی توحید پر بھی ایمان لے آئے بلکہ رسول کو رسول ماننے میں اللہ کو واحد ولاشریک معبود وخالق ماننا بھی شامل ہے۔

دیوبندی انکشافات: اس قسط کی ابتداء میں مولانا مودودی صاحب کی تصریحات کے ساتھ ہی دیوبند کے 'شیخ الہند' اور دیوبند کے 'حکیم الامت' کی تحقیقات بھی آپ نے دیکھیں۔ جناب 'شیخ الہند' نے بہت حد تک واقعے کی اصل صورت کو برقرار رکھا ہے، ہاں یہ کہہ دیا کہ اعجاز وکرامات فی الحقیقت خداوند قدیر کا فعل ہے جو ولی یا نبی کے ہاتھ پر خلاف معمول ظاہر کیا جاتا ہے۔ انصاف کیجئے خداوند قدیر جن کے ہاتھ پر اپنا یہ فعل سر انجام دیتا ہے، کیا وہ عام لوگوں کی بہ نسبت زیادہ مظہر قدرت نہیں ہوتے اور کیا اس معجزے اور کرامت سے ان کا مخصوص ومنفرد مقام واضح نہیں ہوتا۔ کیا اللہ نے ان کے ہاتھ پر یہ اپنی قدرت کا کوئی کرشمہ دکھایا ہے تو اس سے ان کی عظمت شان کو نکھارنا قدرت کا مقصود نہیں تھا۔ کتنے تعجب کی بات ہے اللہ نے کسی نبی علیہ السلام کو کسی معجزے سے خاص کیا اور کسی ولی علیہ الرحمۃ کو کسی کرامت سے نوازا، تو یہ معجزے سے خاص کرنا اور کرامت سے نوازنا بالکل بے معنی ہو۔ عام انسان کو دیکھئے، وہ ایک پارۂ گوشت سے بولتا ہے' ایک پارۂ گوشت سے دیکھتا ہے اور ایک پارۂ گوشت سے سنتا ہے، کیا پارۂ گوشت کی یہ طاقت اللہ نے عطا نہیں فرمائی اور عام محاورے میں ہم یہی نہیں کہتے کہ انسان بولتا ہے، انسان دیکھتا ہے اور انسان سنتا ہے۔ کس کو یہ جرأت ہے کہ اسے قدرت الٰہی کا کرشمہ قرار نہ دے اور کس کو یہ تاب ہے کہ اسے انسان کی ذاتی قدرت ٹھہرائے اگر

عام انسان اللہ کی دی ہوئی طاقت سے بولتا ہے، دیکھتا ہے اور سنتا ہے اور عام محاورے میں مجازاً اسے ہم انسان کی طرف ہی منسوب کرتے ہیں تو معجزہ اور کرامت بھی اگرچہ اللہ کی طرف سے ہے مگر اس کے مقام ظہور کی بناء پر ہم انبیاء علیہم السلام اور اولیاء علیہم الرحمۃ کی طرف سے منسوب کر سکتے ہیں۔ مثلا کہہ سکتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات یا حضرت غوث اعظم اور داتا صاحب کی کرامات۔ اسی واقعہ تخت بلقیس پر ہی غور کر لیجئے۔ حضرت آصف نے سیدنا سلیمان علیہ السلام سے کیا عرض کیا

اَنَا اٰتِیْکَ بِہٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْکَ طَرْفُکَ (النمل۔۴۰)

ترجمہ: میں اسے حضور میں حاضر کردوں گا ایک پل مارنے سے پہلے

اس سے پہلے ایک 'جن' نے بھی اسے اپنی طرف سے منسوب کیا تھا۔

اَنَا اٰتِیْکَ بِہٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِکَ (النمل۔۳۹)

ترجمہ: میں اسے لائے دیتا ہوں قبل اس کے کہ حضور اجلاس برخاست کریں۔

ظاہر ہے جن کی یہ طاقت بھی اللہ کی دی ہوئی اور یونہی ہر مخلوق کا حال ہے، کسی بھی انسان، فرشتے، حور کی اپنی طاقت نہیں ہوتی۔ مگر اس خداداد طاقت کو ہم ہی نہیں قرآن پاک بھی مجازاً مخلوق کی طرف ہی منسوب کرتا ہے۔ حضرت آصف اور درباری جن کے ان فقرات کے علاوہ مثلاً دیکھئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خطبہ رسالت کا ایک جملہ

وَاُبْرِئُ الْاَکْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَ اُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ (آل عمران۔۴۹)

ترجمہ: اور میں شفا دیتا ہوں مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو اور میں مردے زندہ کرتا ہوں اللہ کے حکم سے

جب یہ طرز گفتگو عین قرآن پاک میں موجود ہے پھر اسے اپنانے سے توحید کو

کیا خطرہ ہے۔ یقیناً اللہ نے عام بندوں کو عام طاقتوں سے اور خاص بندوں کو خاص طاقتوں سے نوازا۔ طاقت کی بات چھوڑیئے، حقیقت میں اس کے بغیر زندہ ہی کون ہے

اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم ۵

ترجمہ: اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ (آپ) زندہ اور اوروں کو قائم رکھنے والا۔

جب حقیقت میں وہی زندہ ہے، اس کے باوجود ہم خودکو یا دوسروں کو زندہ کہتے ہیں اور یہ محاورہ خود قرآن پاک میں بارہا آیا ہے اور بیشمار بار حدیث پاک میں وارد ہوا بلکہ منکرین فضائل بھی 'زندہ' اور 'مردہ' کے الفاظ استعمال کرتے ہیں تو آخر محبوبان خدا کی بات کرتے ہوئے انھیں اس احتیاط کی اتنی ضرورت کیوں محسوس ہوتی ہے۔ حقیقت یہی ہے اور اسے بار بار اس مضمون میں ذہن نشین کرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ جب اللہ جل مجدہ نے اپنے فضل سے پاک بندوں کو اپنے کمالات قدرت کا مظہر بنایا ہے تو یہ حضرات اپنے رب کے اس فیصلے کو سچے دل سے قبول کیوں نہیں کرتے اور اس کی سنت پر عمل پیرا کیوں نہیں ہوتے۔ فرمایئے اللہ کے رویے کو معاذ اللہ غیر محتاط سمجھ کر اس کے خلاف ہرزہ سرائی بلکہ محاذ آرائی کرتے رہنا توحید، ایمان، ادب، وفا میں سے کس کا تقاضا ہے، سوچئے اس کے فیصلے سے انکار کیا شرک نہیں اور اس کے رویے سے اضطراب کیا بغاوت نہیں

آپ نے دیوبند کے شیخ الہند کے بعد دیوبند کے حکیم الامت کی تحقیقات دیکھ لی۔ وہ تھانوی صاحب واقعی محمود الحسن صاحب سے زیادہ ذہین بھی تھے اور دلیر بھی۔ چنانچہ اس ترجمے کو دیکھ لیں اور اس کے حاشیے کو۔ کس ذہانت و جسارت سے انھوں نے قرآن کے اس واقعے کو بالکل عام سا واقعہ بنادیا ہے۔ پہلے ترجمہ کیا تو کمال کر دیا۔ کیا کہنا اس فکری بلندی کا کہ علم والے نے سلیمان علیہ السلام کو نہیں بلکہ جن سے کہا کہ تخت تیرے آنکھ جھپکنے

[illegible] گویا تخت لانے کی بات حضرت سلیمان علیہ السلام نے نہیں کی تھی۔ [illegible] جناب تھانوی صاحب نے ترجمے میں رہی سہی کسر حاشیے میں نکال دی۔ علم والے کے بارے میں فرماتے ہیں: اقرب یہ کہ سلیمان علیہ السلام مراد ہیں۔ اب ترجمہ و حاشیہ کا [illegible] کتاب کا علم والے حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں، انھوں نے [illegible] سے پہلے تخت فوراً آ سامنے موجود ہوا۔

اس سوچ اور [illegible] پر حضرت اقبال کے الفاظ میں یہی داد دی جا سکتی ہے۔

احکام ترے حق ہیں مگر اپنے مفسر
تاویل سے قرآں کو بنا سکتے ہیں پاژند

[illegible] حیرت ہے کہ اسلام نے انسان کو حیرت انگیز کمالات سے سرفراز کر کے [illegible] جو سبق دیا ہے اور جس سے موجودہ سائنس کا آغاز ہوا [illegible] حضرت آصف بن برخیا کا واقعہ بھی ہے تو جناب تھانوی [illegible] ثابت کرنے کی کوشش کیوں کی ہے۔ کیا اسلام کا [illegible] ہرگز نہیں، یہ انھیں کا کام ہے جنھیں اسلام کا [illegible]

[illegible]

قسط 52 کی

منافقین کا طرز عمل

قسط نمبر52

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایک مرد درویش: گذشتہ دنوں جب حضرت آصف بن برخیا رضی اللہ عنہ کا واقعہ لکھ رہا تھا میرے ایک کرم فرما جناب حاجی غلام رسول صاحب مدظلہ تشریف لے آئے۔ ہمارے علاقے میں انہیں بہت کم لوگ جانتے ہیں اور جو جانتے ہیں وہ انہیں بہت بڑا [illegible] یوں لگتا ہے جیسے ہر وقت عشق رسول ﷺ کے سمندر میں غوطہ زن رہتے [illegible] کی پرواہ نہیں۔ فطرت ہی میں فنا ہے۔ زیادہ پڑھے ہوئے نہیں [illegible] ہوئے ہیں۔ ایک بار بلانے والے رحیم و کریم آقا ﷺ نے [illegible] وہیں رہے۔ ایک ایسے ہوٹل میں ملازم [illegible] ہر وقت سامنے رہتا تھا۔ عاشق ہو [illegible]

[illegible]

تیس پینتیس سال پہلے کی بات ہے، سیالکوٹ میں، مولانا ضیاء اللہ صاحب قادری اور ایک خشک سے مولانا بیٹھے ہوئے تھے۔ قادری صاحب علیہ الرحمہ نے مدینہ منورہ کے بارے میں اپنے شوق کو ظاہر کیا تو حضرت 'خشک' فرمانے لگے 'مولانا، مدینہ منورہ جاؤ گے تو جیل میں رہو گے، عشق کے رمز شناس نے جواب دیا 'پھر کیا ہے' جیل بھی تو مدینہ شریف کی ہوگی۔ سچی بات ہے عشرے بیت گئے مولانا دنیا سے سدھار گئے ان کا عاشقانہ انداز مجھے فراموش نہیں ہوتا۔ واقعی

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں، قوت پرواز مگر رکھتی ہے

وہی عالم یہاں ہے بلکہ جس 'خطرے سے انھیں ڈرایا گیا تھا وہ یہاں وارد و واقع بھی ہو چکا۔ یہ بھی عشروں پہلے کی بات ہے مگر عاشق ہے کہ اسے وہاں جیل جانے کے واقعے پر بھی کوفت ہے نہ ندامت، بلکہ ایک سرور سا محسوس کرتا ہے۔ بات نہ سمجھ پانے کی بنا پر دھر لئے گئے تھے اور بات نہ سمجھنے کی وجہ سے چھوڑ دیئے گئے۔ ہاں ہاں جو گیسوئے واللیل کا اسیر ہو، اسے 'قید مدینہ سے محبوب دنیا میں کیا ہوگا۔ عشروں پہلے جب کالج میں زیر تعلیم تھا، عرض کیا تھا

'زندانی' واللیل سر حشر بھی آتی
توصیف شہ عرب و عجم کرتے رہیں گے

ذکر مدینہ: ہمارے حاجی صاحب موصوف کا بھی یہی حال ہے۔ جس ذوق وشوق سے یہ ذکر مدینہ کرتے ہیں، کوئی علم کا پیکر کیا کرتا ہوگا اور جس ذوق وشوق سے یہ ذکر مدینہ سنتے ہیں کسی عقل کے بندے کو وہ کہاں نصیب ہوگا۔ اس سگ بارگاہ حضور نقش لاثانی کو اسی نسبت کی وجہ سے نوازتے رہتے ہیں۔ تشریف لاتے ہیں، چند لمحے جلوہ

افروز رہتے ہیں۔ نفس کے 'فریبوں' سے بڑے ہوشیار رہتے ہیں اس لئے بڑی مشکل سے چائے کا ایک کپ کبھی قبول فرمالیتے ہیں۔ ہاں یہ چند لمحات بڑے قیمتی ہوتے ہیں۔ یہ 'ذکر محبوب' (ﷺ) کرتے ہیں اور جی چاہتا ہے کرتے رہیں اور ہر کام چھوڑ کر ہم سنتے رہیں۔ ان کی زبان عاشقانہ، ان کا انداز والہانہ بلکہ یوں لگتا ہے جیسے عشق کی بارش میں نہا کر آئے ہیں یا نہا رہے ہیں۔ اس بات کو بھی کئی عشرے گزر گئے، ایک بار حضرت قاضی عبدالنبی کوکب رحمۃ اللہ علیہ یہاں شکر گڑھ تشریف لائے سیر میں نکلے تو میں نے حاجی صاحب سے (جو اس وقت دودھ دہی کی دکان کرتے تھے) قبلہ قاضی صاحب مرحوم کا تعارف کرایا۔ اگلے دن صبح سویرے قبلہ قاضی صاحب نے فرمایا 'چلیں پھر حاجی صاحب کی زیارت کر آئیں۔ میں نے سبب پوچھا تو فرمایا ان کے چہرے پر گنبد خضرا کے انوار جلوہ گر نظر آتے ہیں۔ واقعی

'دیکھنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں'

دیکھنے والے: یوں تو قاضی صاحب قبلہ سے ایک عرصے سے اس نیاز مند کے نیاز مندانہ تعلقات شروع ہو گئے تھے مگر اس واقعے سے ان کی عظمت اور بھی بڑھ گئی بلکہ بہت زیادہ بڑھ گئی۔ یہ دیکھ کر کہ یہ دیکھنے والے ہیں۔

ہاں آدمی دیکھنے سے ہی آدمی بنتا ہے اور آدمیت کا دارومدار دیکھنے پر ہی ہے۔

بقول حضرت مولانا روم رحمہ القیوم

آدمی دید است باقی پوست است

دید آں باشد کہ دید دوست است

ترجمہ: آدمی 'دیکھنے' ہی کا نام ہے، باقی نرا پوست ہے، اور دید سے مراد ہے محبوب کو دیکھنا۔

دیکھے دیکھے نہیں کچھ نظر ...

خضرا کے سامنے رہنے والے خوش نصیب ...

ایک وہ بدنصیب ہے کہ گنبد خضرا کے بظاہر زیر سایہ ...

ہی شیطان ہیں جو چند فٹ کے فاصلے پر بک رہے ہوتے ہیں کہ یہاں ...

کچھ نہیں کرسکتے اور کسی کے کام نہیں آسکتے۔ پھر جو لوگ وہاں مواجہ شریف ...

پرنور ﷺ کی طرف منہ کر کے دعائیں مانگتے ہیں، ان کو روکنے والے اندھے ان کا ادھر

سے منہ ہٹا کر خانہ کعبہ کی طرف کرانے کی کوشش کرتے ہیں اور بکتے ہیں کہ ادھر منہ کرنا

شرک ہے۔ ایک آدمی ایک لاکھ کے لگ بھگ روپے خرچ کر کے اللہ کے محبوب علیہ الصلوۃ

والسلام کی بارگاہ میں اللہ کے بلانے پر حاضر ہوا ہے، اس بنا پر کہ اس کے گناہ معاف ہو

جائیں گے مگر ایک بدبخت اس کو روک رہا ہے کہ شرک ہو جائے گا۔ فرمایئے یہ بدبخت

کس کا مقابلہ کر رہا ہے۔

عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے

یہ گھٹائیں اسے منظور بڑھانا تیرا

لو سنئے اس کی تفصیل، رب کیا فرماتا ہے

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَا

سْتَغْفَرَلَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ (النساء۔٦٤)

ترجمہ: اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے پاس

حاضر ہوں پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول انکی شفاعت فرمائے تو ضرور

اللہ کو بہت توبہ قبول کرنیوالا مہربان پائیں۔

ہاں ہاں اس دربارِ انوار کی عظمتوں کو تو وہ دیکھے جسے ایمان والی آنکھ میسر

ہو۔ورنہ جسم کی آنکھوں کے بظاہر سالم ہونے کے باوجود دیدۂ دل ایمان سے روشن نہ ہو تو آدمی اندھا ہوتا ہے۔دیکھئے قرآن گستاخان رسول ﷺ کو عمی (اندھے) ہی فرماتا ہے۔اندر ایمان کا نور ہوتا تو رسول ﷺ کا نور بھی نظر آتا اگر رسول کا نور نظر آتا تو سب کچھ نظر آتا۔ایسے بھی ہیں جو دنیا میں اندھے ہیں مگر آخرت میں انکھیارے ہوں گے۔مگر رسول ﷺ کا نور چشم ایمان سے نہ دیکھنے والے یہاں بھی اندھے، وہاں بھی اندھے

وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۝

(بنی اسرائیل۔۷۲)

ترجمہ: اور جو اس زندگی میں اندھا ہو وہ آخرت میں اندھا ہے اور اور بھی زیادہ گمراہ۔

نور ہی نور: ظاہر ہے اگلے جہان کا اندھا پن اس دنیا کے اندھا پن سے زیادہ خطرناک اور نقصان دہ ہوگا، مگر اس کا علاج تو یہ ہے کہ اس دنیا میں جیتے جی سچے دل سے ایمان لائیں اور پھر اس کی روشنی میں اللہ کے محبوب ﷺ کی جابجا تجلیاں دیکھیں۔وہ نور جس سے شمس و قمر روشن ہیں، جس سے کوکب و کہکشاں رخشندہ ہیں، جس سے صبح صادق روشنی پاتی ہے۔جس سے علم و عقل کی دنیا روشن ہے، اس نور کو دیکھیں، ہاں ہاں اسی نور کو دیکھا تھا حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ عنہا نے جس کا اظہار یوں فرمایا

لَنَا شَمْسٌ وَ لِلْاٰفَاقِ شَمْسٌ
وَ شَمْسِيْ فَوْقَ مِنْ شَمْسِ السَّمَاءِ
وَشَمْسُ النَّاسِ تطلع بَعْدَ فَجْرٍ
وَ شَمْسِي تَطْلع بَعْدَ العشاء

ترجمہ: ایک ہمارا سورج ہے اور ایک باقی دنیا کا، ہمارا سورج آسمانی (و آفاقی) سورج سے فائق ہے۔ لوگوں کا سورج فجر کے بعد طلوع ہوتا ہے (اور مغرب کو غروب ہو جاتا ہے) مگر ہمارا سورج عشاء کے بعد بھی طلوع رہتا ہے۔

اسی نور کے بارے میں شاعرِ دربارِ رسالت حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنا عقیدہ یوں پیش کیا تھا

اَلصُّبْحُ بَدَامِنْ طَلْعَتِہٖ
وَاللَّیْلُ دَجٰی مِنْ وَّ فْرَتِہٖ

ترجمہ: صبح حضور ﷺ کی طلعت سے شروع ہوئی اور رات نے زلف سے فیض پایا۔

اسی نور کا اقرار جناب کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ نے کیا اور بارگاہ نور سے (نورکی) چادر حاصل کی

اِنَّ الرَّسُوْلَ لَنُوْرٌ یُّسْتَضَاءُ بِہٖ
مُھَنَّدٌ مِنْ سُیُوْفِ اللّٰہِ مَسْلُوْلٌ

ترجمہ: بیشک رسول پاک ضرور نور ہیں جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ وہ اللہ کی تلواروں میں سے تیز کھچی ہوئی تلوار ہیں۔

ہاں ہاں اسی نور کی بارگاہ میں امام الآئمہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے یوں نیازمندی پیش کی اور دو جہان کے فیوض و برکات حاصل کئے

اَنْتَ الَّذِیْ مِنْ نُوْرِکَ الْبَدْرُ اِکْتَسٰی
وَالشَّمْسُ مُشْرِقَۃٌ بِنُوْرِ بھَاکَ

ترجمہ: آپ وہ ہیں جن کے نور سے بدر نے نور حاصل کیا اور سورج بھی

آپ ہی کے نور سے چمک رہا ہے۔

نورِ رحمت اور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ: غرض اصحاب کرام اور اہل بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے لیکر اس دور حاضر تک امت مسلمہ کی تاریخ کھنگال ڈالئے۔ کیا منافقین کے سوا کسی نے کلمہ نور پڑھ کران کے نور کا انکار کیا؟ نہیں ہرگز نہیں۔ پھر یہ نور صرف اندھیرے ہی دور نہیں کرتا، ہر رنج والم کو بھی کافور کر دیتا ہے۔ کیونکہ (یہ نور) رحمۃ للعلمین ہے (ﷺ) یہی وجہ ہے اہل بیت اطہار اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے لے کر آج تک جس کو جو مشکل پہنچی، بارگاہ نور میں حاضر ہوا اور دو جہان کی نعمتوں سے اپنا دامن مالا مال کر کے لے آیا۔ کیونکہ

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا!!

دریا بہا دیئے ہیں' در بے بہا دیئے ہیں

مانگنے والے اس وقت بھی جب اللہ کا یہ 'نور' نور علی نور دنیا میں جلوہ گر تھا، حاضر ہو کر داد پاتے رہے اور پھر وصال شریف کے بعد اسی طرح مزار پر انوار پر حاضری دیتے رہے، فریاد کرتے، داد پاتے رہے۔ یہ واقعہ کسے معلوم نہیں کہ حضور پرنور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالتمآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں جب دوسری بار حاضر ہوئے تو عرض کی

فِیْ حَالَةِ الْبُعْدِ رُوْحِیْ کُنْتُ اُرْسِلُهَا

تُقَبِّلُ الْاَرْضَ عَنِّیْ وَهِیَ نَائِبَتِیْ

وَهٰذِهٖ نَوْبَةُ الْاَشْبَاحِ قَدْ حَضَرَتْ

فَامْدُدْ یَمِیْنَکَ کَیْ تَحْضٰی بِهَا شَفَتِیْ

میں اپنی روح کو آپ کی بارگاہ میں بھیجا کرتا تھا

... اب میں خود حاضر ہوں، سو اپنا

دایاں ہاتھ مبارک بڑھایئے تاکہ ان کو بوسہ دینے کا شرف میرے ہونٹوں کو حاصل ہو۔

پھر کیا ہوا:

فَظَهَرَتْ يَدُهٗ ﷺ فَصَافَحَهَا وَقَبَّلَهَا وَوَضَعَهَا عَلٰى رَاسِهٖ

ترجمہ: پس اسی وقت سرکار دو عالم ﷺ کا ہاتھ مبارک نمودار ہوا آپ نے مصافحہ کیا، اس کو بوسہ دیا اور اپنے سر پر رکھا۔ (سیرت غوث الثقلین، بحوالہ تفریح الخاطر)

منافقین کا طرز عمل: اسلام کے صدر اول سے لے کر اب تک صدیاں بیت گئیں۔ امت مسلمہ کے اکابر و اصاغر سب حاضر دربار ہوتے رہے اور منہ مانگی مرادیں پاتے رہے۔ دینے والا آقا رحمۃ للعلمین ہے (ﷺ) اور لینے والے عالمین کے افراد، خاکی ہوں کہ نوری و ناری، ہاں دور اول میں منافقین کو بارگاہ رسول ﷺ سے چڑ تھی، نہیں آتے تھے کیوں؟ قرآن پاک

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ۝ (المنٰفقون۔۵)

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جائے کہ آؤ رسول اللہ تمھارے لئے معافی چاہیں تو اپنے سر گھماتے ہیں اور تم انھیں دیکھو غرور کرتے ہوئے منہ پھیر لیتے ہیں۔

آپ نے غور فرمایا جہاں رب تعالیٰ نے امت محبوب ﷺ کو بارگاہ محبوب ﷺ میں حاضر ہونے کی دعوت دی، وہاں اس کا فلسفہ یہ بیان فرمایا کہ یہ محبوب علیہ الصلوۃ والسلام ان کے لئے بخشش کی سفارش کرے گا۔ (اور پھر کیا ہوگا اللہ کی شان توابی و رحیمی کے جلوے ان کی جھولی بھر دیں گے) کون ہے بدنصیب جو بخشش کا وعدہ ٹھکرادے،

[illegible] کی پرواہ نہ کرے۔ ہاں جس کے دل میں اللہ قہار و جبار و منتقم کا خوف [illegible] کی حدیث سن کر لرزہ براندام ہو جاتا ہے یا مختصراً یوں کہیے جس کو رسول [illegible] کو دیکھنے والی ایمانی آنکھ میسر ہے وہ تو ایسا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ ہاں ہاں ایسی جرأت تو وہ کرسکتا ہے جو اللہ کے رسول ﷺ کا سخت باغی ہو اور بخشش کا دارومدار اگر در رسول کی حاضری پر بھی سمجھے تو پھر بھی حاضر ہونا گوارا نہ کرے (بلکہ بخشش پر عذاب جہنم کو ترجیح دے) ایسا بدنصیب جو حاضر ہو کر بخشش نہیں کرانا چاہتا، اس پر اللہ کا غضب دیکھیے۔ اس سے اگلی آیت دیکھیے

سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ○ (المنافقون۔٦)

ترجمہ: ان پر ایک سا ہے تم ان کی معافی چاہو یا نہ چاہو اللہ انھیں ہرگز نہیں بخشے گا، بیشک اللہ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا۔

اللہ کیا چاہتا ہے اور منافقین کیا چاہتے ہیں۔ آپ کے سامنے آ گیا۔

منافقین کا اعلان یہ ہے کہ کسی طور پر در رسول پر حاضر نہیں ہوں گے، اور اللہ کا فرمان یہ ہے کہ میں کسی صورت بھی انھیں نہیں بخشوں گا بلکہ ان منافقوں کے طرز فکر کی نحوست کا نتیجہ یہ ہے کہ انھیں ہدایت بھی نہیں آئے گی۔ اللہ ایسے بدنصیبوں پر جو در رسول ﷺ پر حاضر ہونا گوارا نہیں کرتے ہدایت کے راستے بند کر دیتا ہے۔ اگر آپ ایسے شخص کو دیکھیں جو در رسول ﷺ پر حاضر ہونے کو ناپسند کرتا ہو تو سمجھ جائیں اس مردود کے بارے میں عذاب جاوداں کا فیصلہ ہو چکا ہے اور اب اسے ہدایت بھی نہیں مل سکتی کہ توبہ کرے اور نور ایمان حاصل کرے۔ خدا کی قدرت! منافقوں کو ایسی آیات سے بھی دل بہلانے کا ساماں مل جاتا ہے انھیں دوزخ میں جانے اور ہمیشہ رہنے کا خوف تو کیا ہو،

[illegible] بڑی ہے کہ رسول کی [illegible] سفارش کرے تو نہیں مانی جائے گی۔ دیکھی [illegible] کی انتہا، اس پر توجہ نہیں کہ یہ اعلان تو منافقین اور گستاخانِ رسول کے حق میں ہے یعنی خود ان کے بارے میں ہے، اس پر بغلیں بجائی جارہی ہیں کہ دیکھو ثبوت مل گیا اللہ بھی اپنے رسول ﷺ کی نہیں مانتا، لہذا بقول اسمٰعیل 'واقعی رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا' (معاذ اللہ) انھیں کون سمجھائے کہ جب منافقین پر رحمت کے دروازے ہی بند ہیں تو شفاعت کے بھی بند ہو گئے اور اللہ جس کو ہمیشہ دوزخ میں رکھنے کا عزم فرما چکا اللہ کا رسول ﷺ اس کی شفاعت کیوں فرمائے گا پھر بالخصوص اس بنا پر کہ وہ اسی رسول کے گستاخ اور باغی ہیں۔ آیت تو اعلان یہ فرما رہی ہے کہ کسی بھی گستاخ رسول کی بخشش نہیں ہوسکتی اگر چہ بالفرض اللہ کا حبیب ﷺ جو رحمۃ للعلمین ہے بھی شفاعت فرمائے یعنی کوئی اس وہم میں مبتلا نہ ہو کہ رحمۃ للعلمین ہونے کے ناتے انھیں سفارش ضرور فرمانی چاہئے۔ نہیں ایسا نہیں ہوسکتا کیونکہ گستاخ رسول کی بخشش کا امکان ہی نہیں۔ اہل ایمان و عقل کے نزدیک تو اس سے تعظیم رسول کا مضمون بالکل واضح ہو جاتا ہے مگر جن کے بارے میں اللہ کا فیصلہ یہ ہے کہ انھیں راہ نہیں دے گا، وہ اس سے اپنی شیطانی سوچ کے مطابق الٹا مطلب لیتے ہیں۔

اب اگر اللہ ارحم الراحمین، غفار الذنوب اور ستار العیوب ہونے کے باوجود گستاخانِ رسول کو نہ بخشنے کا ارادہ فرمالے تو اس کی رحمت اور شان غفاری و ستاری میں فرق نہ آئے یوں ہی حضور اگر ایسے منہ پھٹ بے ادب کم نصیبوں کی شفاعت نہیں فرماتے تو اپنے اللہ کی ہدایت کے مطابق ہے اور حضور ﷺ کے رحمۃ للعلمین اور شفیع المذنبین ہونے میں کوئی فرق نہیں آتا۔ ویسے بھی حضور پر نور ﷺ شفیع المذنبین (یعنی گنا ہگاروں کے لئے شفیع ہیں) شفیع الکافرین، شفیع المنافقین (یعنی کافروں اور منافقوں

کے لیے شفیع (ﷺ) نہیں [illegible] اور

کافر و منافقین بظاہر نیک اعمال بھی کریں تو بھی شفاعت کا اہل نہیں کیونکہ وہ رحمت کا مستحق نہیں۔

شفاعت کس کے لئے: چنانچہ حدیث پاک میں فرمایا

شَفَاعَتِیْ لِاَ هْلِ الْکَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ (ترمذی، ابوداؤد)

ترجمہ: میری شفاعت میری امت میں سے کبیرہ گناہ کرنے والوں کیلئے (بھی) ہوگی۔

اور ایسا کیوں نہ ہو، اللہ کا واشگاف ترین انداز میں اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے وعدہ ہے

وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی ٥ (الضحیٰ۔۵)

ترجمہ: اور بیشک قریب ہے کہ تمھارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے

فترضی نے ڈالی ہیں بانہیں گلے میں
کہ ہو جائے راضی طبیعت کسی کی

اور اللہ کے حبیب لبیب ﷺ نے اس آیۃ کریمہ کے تناظر میں فرمایا

اِذاً لَّا اَرْضٰی قَطُّ وَ وَاحِدٌ مِّنْ اُمَّتِیْ فِی النَّارِ (تفسیر مدارک ج۴، تفسیر المظہری)

ترجمہ: اب تو میں ہرگز راضی نہ ہوں گا جب تک میرا ایک امتی بھی دوزخ میں رہے۔

ہاں ہاں جو امت میں ہیں، کافر اور منافق امت میں نہیں تو امت کے والی ﷺ کو ان سے کیا دلچسپی۔ اب اس پس منظر میں مومنوں اور منافقوں کی سوچ کا فرق بالکل آپ کے سامنے ہے۔

مومن خوش ہیں کہ اللہ کے حبیب مکرم ﷺ شفاعت فرمائیں گے اور سب [illegible]ا پار ہو جائے گا۔

منافق خوش ہیں کہ اللہ منافقوں کے بارے میں اپنے نبی کی بات بھی نہیں مانے گا جس سے نبی کا بے اختیار ہونا ثابت ہوگیا۔

سوہاں اے منافقو! ہمیں اپنے حق میں اپنے نبی ﷺ کا مختار ہونا مبارک اور تمہیں! تمھارے حق میں نبی ﷺ کا مختار نہ ہونا مبارک۔ یہ بات پہلے بھی کہیں آ چکی ہے کہ اللہ نے سورۃ الاحزاب کی دو آیتوں کے ایک ایک لفظ میں حضور پرنور ﷺ کی نعت شریف کا التزام فرما کر انھیں نبی، رسول، شاھد، مبشر، نذیر، داعی الی اللہ باذنہ اور سراج منیر کے اوصاف سے ذکر فرمایا ہے۔

ان کے بعد تیسری آیت مومنوں کے بارے میں (یعنی اوصاف حمیدہ پر ایمان رکھنے والوں کے بارے میں یوں ہے)

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ٥ (الاحزاب۔۴۷)

ترجمہ: اور ایمان والوں کو خوشخبری دو کہ ان کے لئے اللہ کا بڑا فضل ہے۔

مومن حضور پرنور ﷺ کے فضائل وکمالات کے مستحق ہوئے تو منافق ان کا انکار کر کے کہاں پہنچے، سنو! قرآن پاک

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ٥ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ٥ (النساء۔۱۴۵)

ترجمہ: بے شک منافق دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہیں اور تو ہرگز ان کا کوئی مددگار نہ پائے گا۔

دیکھا آپ نے کلمہ خوان منکرین فضائل رسول ﷺ یعنی منافقین کا حال۔

روکنے والے: بات لمبی ہوگئی۔ کہنا یہ تھا کہ دیکھنے والے تو گنبد خضرا کے انوار کی تجلیاں، وہ بھی ان کے چہرے پر جو کسی زمانہ ماضی میں کچھ عرصہ ہی سہی گنبد خضرا کے

سامنے حاضر رہتے ہیں [illegible] چھاؤں میں خود کھنچ کر بھی اس کی عظمت [illegible] حضور ﷺ کی طرف رخ نہیں کرتے اور دوسروں کو بھی رخ [illegible] کرنے سے [illegible] ہوگئے ہیں۔ بلاوجہ پہلے دور میں منافقین ہی اس طرح کرتے تھے پھر جب منافق ختم ہوگئے تو امن و امان بھی قائم ہوگیا۔ ہاں کئی سو سال بعد حالات نے انگڑائی لی تو ابن تیمیہ حرانی نمودار ہوگیا اس نے حضور پرنور ﷺ کے دربار پرانوار کی نیت سے سفر کرنے کو (معاذ اللہ) سفر معصیت قرار دیا۔ اس کی یہ آواز بھی زیادہ موثر نہیں تھی، اور اس زمانے میں ایک دو شاگردوں کے سوا کسی نے اس کی خرافات پر توجہ نہیں دی۔

ہاں پھر انگریزوں نے ملی بھگت کر کے منافقین کی تربیت کی اور بارگاہ رسالت علیہ الصلوۃ والسلام کے آداب کے خلاف انھیں اکسایا تو ایک نیا دور منافقت شروع ہوا۔ یہ دور زیادہ تکلیف دہ اور موثر ہے کیونکہ پہلے دور کے منافقین کے پاس کوئی سماجی اور سیاسی قوت نہیں تھی وہ دل کی بھڑاس نکالتے تھے تو اکثر چھپ چھپا کر۔ عوام ان کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ تھے۔ ابن تیمیہ نے نعرہ لگایا مگر مجموعی طور پر قوم نے ٹھکرا دیا اور بقول بعض اس نے اس عقیدہ بد سے توبہ کر کے جیل سے رہائی پائی۔ مگر دور حاضر کے منکرین سیاسی اور سماجی طور پر مضبوط ہیں۔ حجاز و نجد میں انھیں کی حکومت ہے انھوں نے حضور پرنور ﷺ کے دور کی بنی ہوئی قبریں بھی اپنی شیطانی توحید کی نذر کر دیں یوں [illegible] کسی ابتدائی قسط میں بھی گزر را تھا شیطان نے حزب الشیطان کے ذریعے [illegible] یعنی حزب اللہ نے سچی توحید کا مظاہرہ کرتے ہوئے فتح مکہ [illegible] نے بت توڑنے والوں کی قبریں ڈھا کر دل

علم اور ادب: بہر حال کچھ بھی ہو' ایسے اندھے ضرور موجود ہیں کہ نور کے سیلاب میں بھی جن کی آنکھیں نہیں کھلتیں اور وہ وہاں جا کر بھی وہاں سے غیر حاضر ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں غلام اللہ خان آف راولپنڈی بھی اسی نسل سے تعلق رکھتا تھا، چنانچہ وہ جب کبھی روضہ پرنور کی سنہری جالیوں کے سامنے سے گزرتا تھا تو پیٹھ کر کے گزرتا تھا اور منہ دوسری طرف رکھتا تھا۔ حق یہ ہے کہ اس کا منہ اس کی پیٹھ سے بھی زیادہ بدبودار تھا کیونکہ اس کی پیٹھ سے اس کا منہ زیادہ ہگتا تھا۔ اسے اللہ کے حبیب پاک سرورِ لولاک علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام سے اور اللہ کو اس سے بغض تھا نجانے اور کتنے لوگ اسی قسم اور اسی نسل کے ہوں گے۔ تاہم مولانا مودودی صاحب کے بارے میں 'غزالئی زماں حضرت مولانا سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی علیہ الرحمۃ کی چشم دید گواہی بھی آپ میرے کسی مضمون کی کسی سابقہ قسط میں دیکھ چکے ہوں گے جس میں مودودی صاحب ننگے سر سینہ تانے نظریں اوپر اٹھائے ریاض الجنۃ میں سے ہو کر مواجہ شریف کی طرف آتے بیان کئے گئے ہیں۔ ہائے میری قسمت، بعض کو علم ملا، ادب نہ ملا، بعض کو ادب ملا علم نہ ملا۔ تاہم علم بغیر ادب کے ہو تو کفر بھی اور ادب بغیر علم کے ہو تو بھی ایمان۔ اچھا یہ ہے کہ ادب بھی ملے علم بھی۔ کسی نے ولایت اور علم کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا

اَلْعِلْمُ قَدْ يَجْتَمِعُ مَعَ الْكُفْرِ وَالْوِلَايَةُ لَا تَجْتَمِعُ مَعَ الْكُفْرِ

ترجمہ: علم اور کفر یکجا ہو سکتے ہیں' ولایت اور کفر اکٹھے نہیں ہو سکتے۔

میں حاجی غلام رسول صاحب کا ذکر کر رہا تھا انھیں اللہ کریم نے اپنے حبیب پاک سرورِ لولاک ﷺ کی محبت بخشی، ادب بخشا اور کتنے ہی حافظ سعید جیسے لوگ ہیں کہ علم تو ہے ایمان نہیں اور ایمان نہیں تو کچھ بھی نہیں اس کا نام یاد آتا ہے تو ایک حدیث پاک بھی یاد آ جاتی ہے

اِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِاَخِیْہِ یَا کَافِرُ فَقَدْ بَاءَ بِھَا احد ھما (بخاری۔ مسلم)

ترجمہ: جب کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کو 'او کافر' کہے تو ان دونوں میں ایک کی طرف رجوع بیشک ہو۔

حضور ہادی کون و مکان ﷺ فرماتے ہیں، کوئی شخص اپنے بھائی کو کافر کہتا ہے اگر وہ واقعی کافر ہے، تو ٹھیک ورنہ کہنے والا خود کافر ہو جائے گا۔ سوچئے اگر کوئی شخص سچے مسلمانوں کو کافر کہتا ہو تو دونوں کی بجائے یہ کافر بلکہ ڈبل کافر ہو جائے گا، اگر سو سچے مسلمانوں کو کافر کہے گا تو کفر کو سو سے ضرب دے لیں۔ حافظ سعید بیچارہ تو سب صوفیہ کرام کو یہی کہتا ہے تو ظاہر ہے اس کے کفر کو ''ان گنت'' سے ضرب دے لیں۔ دیکھا توحید بچاتے بچاتے کتنے بڑے کفر کے سمندر میں غرق ہو گیا ہے۔

حاجی غلام رسول نے فرمایا: اب پھر وہاں چلیں جہاں سے آغاز سفر ہوا تھا، یعنی قبلہ حاجی غلام رسول صاحب کا ذکر خیر ہوا یہ کہ وہ ایک دن تشریف لائے اور باتوں ہی باتوں میں فرمانے لگے بعض لوگ حضرت سلیمان علیہ السلام کے معجزات پہ حیران ہوتے ہیں اور گویا یہ تاثر دیتے ہیں جیسے ان کمالات کا جواب نہیں۔ میں بات پا گیا۔ اصل میں حضرت آصف برخیا کی کرامت کے ذکر کے بعد حضرت سلیمان کے معجزات کا ذکر ہونا چاہئے اور پھر جامع الصفات حضور سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰت واکمل التحیات کو جوان پر فوقیت حاصل ہے، اس کا بیان ہونا چاہئے۔ میں نے حاجی صاحب کے بیان کو ایک اشارہ غیبی سمجھا، پھر میرے سامنے ان بد باطن لوگوں کی ذہنیت بھی آ گئی جو حضور [illegible] ﷺ کے بجائے کسی اور پیغمبر علیہ السلام کے معجزات و کمالات کے بیان سے [illegible] یہ مومن کے لئے بڑی تکلیف دہ بات ہے کہ اللہ کے سب [illegible] ﷺ پر کسی بھی دوسرے کو فوقیت دی جائے۔ مگر ایسا ہو رہا

ہے اور حضور ﷺ سے بغض رکھنے والوں کے مختلف لوگوں میں ایک ٹولا ضرور یہی طرز فکر رکھتا ہے۔

جہاں تک حضرت سلیمان علیہ السلام کے کمالات کا تعلق ہے، ہمیں ان سے انکار نہیں، وہ تو ہمارے دلائل ہیں، اور کوئی شخص اپنے ہی دلائل سے کیونکر انکار کرسکتا ہے ہاں ہاں جناب سلیمان علیہ السلام کو یا کسی اور پیغمبر کو کمال ملا ہے، بلاشبہ فیض ہے حضور رحمۃ للعلمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا۔ جب حضور ﷺ تمام عالمین کیلئے رحمت ہیں تو ظاہر ہے انبیاء ومرسلین علیہم السلام بھی عالم کے افراد ہیں لہٰذا حضور پرنور ﷺ ان کے لئے بھی رحمت ہوئے اور جس طرح تمام عالمین کے تمام افراد حضور پرنور ﷺ کی رحمت کے محتاج ہیں' یونہی انبیاء و مرسلین علیہم السلام بھی اس رحمت کے محتاج ہوئے، چنانچہ جیسے جس کو بھی جو کمال ملا' حضور پرنور ﷺ کے وسیلے سے ملا، انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے فضائل وکمالات میں بھی حضور ﷺ کا وسیلہ ہی کارفرما ہے۔

دو اصول: اس سلسلہ میں دو اصول ذہن نشین کر لیجئے، ایک تو یہی کہ عالمین میں جسے جو کمال ملا' وہ حضور ﷺ کا صدقہ وفیض ہے اور اس بات کی دلیل ہے کہ پہلے وہ کمال حضور پرنور ﷺ میں موجود ہے' پھر آپ ﷺ سے اس مخصوص فرد کو عطا ہوا ہے گویا یہ تو ممکن بلکہ واقع ہے کہ کوئی کمال بلکہ ہزاروں لاکھوں کمالات حضور پرنور ﷺ میں ہیں مگر ان میں سے کوئی ایک کمال بھی دوسروں میں نہ ہو، مگر یہ نہیں ہوسکتا کہ عالمین میں سے کسی کو کوئی کمال ملا ہو مگر حضور پرنور ﷺ اس سے متصف نہ ہوں۔ چنانچہ تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے معجزات وکمالات سب کے سب حضور پرنور ﷺ کو حاصل ہیں' مگر ایسے بہت کمالات ہیں جو دوسرے انبیاء ومرسلین علیہم السلام کو نہیں ملے اور حضور ﷺ کو عطا فرمائے گئے۔ لہٰذا یہاں یہ بحث ہی بنیادی طور پر غلط ہے کہ فلاں کمال فلاں نبی

(علیہ الصلوٰۃ والسلام) میں تھا مگر حضور پر نور ﷺ میں نہیں تھا۔نہیں، ایسا نہیں، حقیقت یہ ہے کہ وہ پہلے حضور پر نور ﷺ کو عطا فرمایا گیا، حضور ﷺ کا صدقہ پھر کسی دوسرے کو ملا

دوسرا اصول یہ کہ کسی امت کے فرد کو جو کمال ملا ہے' اس امت کے نبی (علیہ السلام) کے صدقے ملا ہے۔لہذا یہ ممکن نہیں ولی میں تو وہ کمال موجود ہو' جس کا امتی ہے' اس نبی علیہ السلام میں نہ ہو۔کیونکہ امتی بہر حال اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واسطہ و وسیلہ کا محتاج ہوتا ہے اور اسے جو کچھ ملتا ہے' اس کے نبی علیہ السلام کے صدقے اور اتباع کے نتیجے میں ملتا ہے۔جس طرح معجزہ نبی علیہ السلام کی صداقت کی دلیل ہوتا ہے، اور جو چیز نبی کی صداقت کی دلیل وہی اس کے پیغام کی اور پیغام بھیجنے والے رب کی صداقت کی دلیل ہوتی ہے، یونہی کرامت بظاہر ولی کی صداقت کی اور بہ باطن اس نبی کی صداقت کی دلیل ہے جس کی فرمانبرداری کے نتیجے میں یہ کرامت ارزانی ہوئی۔اسی لئے عقائد کی کتابوں میں یہ بات واضح ہے کرامات الاولیاء معجزات الانبیاء (ولیوں کی کرامات نبیوں کے معجزات ہوتی ہیں)

یہ دوسرا اصول بھی دراصل پہلے اصول کو اور زیادہ واضح کر دیتا ہے' وہ اس لئے کہ جب یہ ممکن نہیں کہ امتی میں تو کوئی کمال ہو' مگر وہ اس کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں نہ ہو تو تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام بھی حضور ﷺ کے امتی ہیں لہذا کوئی کمال ان میں ہو اور حضور ﷺ میں نہ ہو محال ہے۔

قسط 53

کس جگہ اور کہاں تیرا قبضہ نہیں ہے

قسط نمبر53

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لیجئے حسب وعدہ زیر نظر قسط میں حضرت سیدنا سلیمان علیٰ نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام کے کمالات بیان کئے جاتے ہیں۔ان کا کچھ تفصیلی بیان یکجا طور پر سورۃ النمل (پ۱۹) کے رکوع نمبر۲ تا ۳ میں اور آیات نمبر۱۴ تا ۴۴ میں ہے۔ہاں اجمالاً بعض دوسرے مقامات پر بھی یہ ذکر آیا ہے۔بات کو عام فہم بنانے کے لئے یہاں ان کمالات کو مختلف عنوانوں کے تحت دیا جارہا ہے، پھر اس حقیقت کو کسی حد تک واضح کیا جارہا ہے کہ اس سلسلے میں حضور نبی الانبیا، سید المرسلین سیدنا رحمۃ للعلمین ﷺ کو خصوصیت سے حضرت سلیمان علیہ السلام پر کیا فوقیت حاصل ہے۔

علم و فضل:سورۃ النمل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے کمالات کا جہاں ذکر آیا ہے۔وہاں سب سے پہلے ان کا علم مذکور ہوا ہے اور وہ بھی ان کے والد گرامی حضرت سیدنا داؤد علیہا السلام کی شرکت کے ساتھ۔چنانچہ ارشاد ربانی ہے

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ج وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ
[illegible] لَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ٥

ترجمہ: اور بیشک ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم عطا فرمایا اور دونوں نے کہا، سب خوبیاں اللہ کو جس نے ہمیں اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت بخشی

ذرا غور فرمائیے، اللہ جل مجدہ نے اپنے دو پاک بندوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے انھیں علم عطا فرمایا۔ ظاہر ہے یہ عام علم نہیں بلکہ خصوصی علم ہے جو بارگاہ رب العلمین کے سوا کہیں سے نہیں مل سکتا۔ کتنے خوش بخت ہیں وہ حضرات جو انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر قرآن پاک کو سامنے رکھ کر کرتے ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام کے علم کا اقرار و اثبات کرتے ہیں۔ وہ لوگ جنھیں یہ شرف حاصل نہیں بلکہ اپنی تقریر و تحریر میں پورا زور لگا کر انبیاء کرام علیہم السلام کے علم کے خلاف محاذ آرائی اور ہرزہ سرائی کرتے ہیں دراصل قرآنی انداز بیان کو نظر انداز کر دیتے ہیں یا جان بوجھ کر بغاوت و شرارت کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔

انصاف کے ساتھ سوچئے' اللہ کا یہ فرمانا کہ ہم نے داؤد و سلیمان کو علم عطا فرمایا، کیا ان بزرگوں کے علم پر اٹھنے والے اعتراضات کا کافی جواب نہیں۔ یعنی جب اللہ علم دینے کا اعلان فرما رہا ہے تو ظاہر ہے وہ علم خداداد ہم ایسے کم علم اور کم عقل مندوں کا منہ بند کرنے کے لئے کافی ہوگا یا نہیں۔ یقیناً اللہ نے جو علم اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کو عطا فرمایا وہ ہمارے وہم و تصور سے بھی بہت بلند ہے اور بہت وسیع ہے۔ اگر اس حقیقت ظاہرہ کے باوجود پھر بھی کسی کو ان انبیاء کرام علیہم السلام کے علم پر انگشت نمائی کی جرأت ہوتی ہے تو سمجھ لو وہ بدنصیب ہے اور وہ انبیاء علیہم السلام پر نہیں بلکہ ان کے علم دینے والے اللہ جل جلالہ کے علم دینے پر معترض ہے۔

ہمارے ہاں ایک شخص کا یوں تعارف کرایا جائے کہ اسے فاضل بریلوی یا غزالی زماں علیہا الرحمہ کے شاگرد ہونے کا شرف حاصل ہے، ہم اس کی علمی عظمت کو

بصدقِ دل تسلیم کرتے ہیں، یونہی آگے چلتے جایئے، وہ کتنے وسیع العلم تھے جنہیں امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے پڑھایا اور پھر آگے بڑھتے جایئے اس کائنات میں ان بزرگوں کے علم کا ثانی کون ہوسکتا ہے جنھیں محبوب اعظم واکرم حضور سید عالم ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل ہوا اور خاص بارگاہ رسالت پناہ سے علم سیکھنے کا مبارک موقع ملا۔ ہاں ان سے علم میں آگے ہیں تو انبیاء کرام علیہم السلام جنھیں اللہ ذوالجلال نے خود علم سکھایا، مثلاً فرمایا

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ

ترجمہ: اور بیشک ہم نے داؤد اور سلیمان علیہما السلام کو علم عطا فرمایا

اب دوسری آیت کی طرف آیئے

وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَ اُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ○

ترجمہ: اور سلیمان داؤد کا جانشین ہوا اور کہا اے لوگو ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی اور ہر چیز میں سے ہم کو عطا ہوا بیشک یہی ظاہر فضل ہے۔

اس آیت میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ کریم کے عطا فرمودہ خصوصی علم وسیع میں سے ایک علم کا نام لیا ہے جو از خود بہت وسیع ہے یعنی پرندوں کی بولی۔ پھر لڑائی اور غصے کے وقت کی بولی اور اظہار محبت اور صلح کے وقت کی بولی' وغیرہ وغیرہ، ظاہر ہے قرآن پاک کی رو سے یہ بولیاں حضرت سلیمان علیہ السلام کو سکھائی گئیں۔

دنیا و آخرت کی ہر اہم شے مل گئی: پھر آپ کا یہ فرمان کہ "ہمیں ہر چیز میں سے عطا ہوا" اس سے مراد حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کے مطابق دنیا و آخرت کے امور میں سے ہر شے ہے اور مقاتل نے کہا ہے۔ "یعنی نبوت"، ملک اور ہوا

اور شیطانوں کی تسخیر (تفسیر مظہری)

فضل مبین: اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام پر یہ جو عنایات فرمائیں، انھیں انھوں نے فضل مبین یعنی فضل ظاہر قرار دیا ہے۔

بادشاہت: اسی ضمن میں ان کی یہ دعا بھی ہے

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَ هَبْ لِیْ مُلْکًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ ج اِنَّکَ اَنْتَ الْوَهَّابُ o فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّیْحَ تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَیْثُ اَصَابَ o وَالشَّیٰطِیْنَ کُلَّ بَنَّآءٍ وَّ غَوَّاصٍ o وَّاٰخَرِیْنَ مُقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ o هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِکْ بِغَیْرِ حِسَابٍ o وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰی وَ حُسْنَ مَاٰبٍ o (ص۔۳۵تا۴۰)

ترجمہ: عرض کی اے میرے رب مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا کر کہ میرے بعد کسی کو لائق نہ ہو بیشک تو ہی ہے بڑے دین والا۔ تو ہم نے ہوا اس کے بس میں کردی کہ اس کے حکم سے نرم نرم چلتی جہاں وہ چاہتا اور دیو بس میں کر دیئے ہر معمار اور غوطہ خور۔ اور دوسرے اور بیڑیوں میں جکڑے ہوئے۔ یہ ہماری عطا ہے اب تو چاہے تو احسان کر یا روک رکھ تجھ پر کچھ حساب نہیں۔

دعا کے قبول ہونے میں کیا شک ہوسکتا ہے چنانچہ اللہ عزوجل نے روئے زمین کی بادشاہت عطا فرمائی۔

سلیمانی لشکر: قرآن پاک یہ بھی فرماتا ہے

وَحُشِرَ لِسُلَیْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ وَ الطَّیْرِ فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ o

ترجمہ: اور جمع کئے گئے سلیمان کے لشکر جنوں اور آدمیوں اور

پرندوں سے وہ روکے جاتے ہیں۔

گویا انسانوں کے علاوہ جن اور پرندے بھی ان کے لشکروں کا حصہ تھے

پھر اسی سلسلے میں ہوا کے مسخر کرنے کا ذکر بھی آیا

۱۔ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ وَ اَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ (السبا۔۱۲)

ترجمہ: اور سلیمان کے بس میں ہوا کردی۔ اس کی صبح کی منزل ایک مہینے کی راہ اور شام کی منزل ایک مہینے کی راہ اور ہم نے اس کیلئے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ بہایا۔

ایک اور جگہ ارشاد ہوا

۲۔ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ O (السبا۔۱۲)

ترجمہ: اور جنوں میں وہ جو اس کے آگے کام کرتے اس کے رب کے حکم سے اور جو ان میں ہمارے حکم سے پھرے، ہم اسے بھڑکتی آگ کا عذاب چکھائیں گے۔

۳۔ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَ تَمَاثِيْلَ وَ جِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ط اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ط وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ O

ترجمہ: اس کیلئے بناتے جو وہ چاہتا اونچے اونچے محل اور تصویریں اور بڑے حوضوں کے برابر لگن اور لنگردار دیگیں، اے داؤد والو شکر کرو اور میرے بندوں میں کم ہیں شکر کرنے والے

باکمال امتی: حضرت آصف برخیا رضی اللہ عنہ جیسے صحابی کا واقعہ آپ پڑھ چکے ہیں،

وہ آپ کی امت میں ہوئے اور آپ کی عظمت و نبوت کی نہایت اعلیٰ دلیل بن گئے

باشعور جانور: ہدہد جیسا جانور آپ کا قاصد بنا اور اس نے نہایت کامیاب طریقے سے اپنا فرض پورا کیا۔

جذبہ شکر: ان گوناگوں خداداد کمالات و عنایات پر حضرت سیدنا داؤد اور سیدنا سلیمان علیہما السلام فخر وغرور کا راستہ اختیار نہیں کرتے بلکہ ہر ذکر نعمت پر بار بار شکر گزاری کا شرف حاصل کرتے ہیں۔

ہم نے کوشش کی ہے کہ حضرت سیدنا سلیمان علیہ السلام کے نمایاں فضائل زیادہ سے زیادہ بیان کر دیئے جائیں۔ ہاں ہاں ہمیں یہ بھی خوشی ہے کہ اللہ کریم نے انھیں فضائل بخشے اور پھر انھیں بیان فرما کر سنت بھی قائم کر دی۔ اب جو شخص محبوبان خدا کے کمالات بیان کرتا ہے، وہ اپنے خالق و مالک حقیقی کی سنت پر عمل پیرا ہے اور جو اس طرز عمل سے بیزاری کا اظہار کرتا ہے' وہ اگر چہ توحید کا بہانہ لگا تا ہے پھر بھی شیطان ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے ویسے سب شیطانوں سے محفوظ رکھے۔ ان ایسے ویسوں میں وہ بھی ہیں جو کسی اور نبی اور رسول علیہ السلام کے فضائل کے اقرار یا بیان سے ایسی اذیت محسوس نہیں کرتے، جتنی امام الانبیاء سید المرسلین حضور پرنور ﷺ کے فضائل و کمالات سے، حالانکہ امتی ہونے کے بھی مدعی ہیں یعنی اگر کسی اور نبی علیہ السلام کا کوئی کمال ثابت ہو جائے جو ان کی نظر میں حضور پرنور ﷺ کے باب میں نمایاں نہ ہو' تو پھر بھی یہ اسے اپنی (شیطانی) فتح سمجھتے ہیں۔ (جیسا کہ گذشتہ قسطوں میں گزرا) حالانکہ سیدھی سی بات یہ ہے کہ نفس نبوت میں تو سب انبیاء و مرسلین علیہم السلام برابر ہیں اور اس اعتبار سے سب کو ماننا ایک جیسا ضروری ہے۔ اسی سلسلے میں اہل ایمان کی یہ پہچان کرادی گئی ہے کہ وہ کہتے ہیں

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (البقرہ۔۲۸۵)

ترجمہ: ہم اس کے کسی رسول پر ایمان لانے میں فرق نہیں کرتے۔

رہ گیا ذاتی فضائل کا مسئلہ تو واضح انداز میں ارشاد ہوتا ہے

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ

ترجمہ: یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا

گویا رسالت اور فضیلت لازم وملزوم ہیں، انھیں ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ مگر ذاتی کمالات ایک دوسرے سے ضرور بڑھ کر اور یقیناً اس ذات پاک کے ذاتی فضائل وکمالات سب سے بڑھ کر ہی ہونے چاہیں جو سب رسولوں کے رسول اور نبیوں کے نبی ہیں چنانچہ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ کہہ کر اشارہ کر دیا گیا۔ چنانچہ ساتھ ہی ارشاد ہوا

مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ (البقرہ۔۲۵۳)

ترجمہ: ان میں کسی سے اللہ نے کلام فرمایا اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا

دیکھئے یہاں بھی جب رسولوں کے 'صاحب فضل' ہونے کا ذکر ہو رہا تھا۔ جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کلیم اللہ ہونے کا خصوصی ذکر فرمایا، وہاں اپنے حبیب پاک سرور لولاک ﷺ کی سب پر درجوں بلندی کے بیان کو ضروری جانا گیا۔ ذرا غور فرمایئے دوسروں پر یہ بلندی ایک دو درجے سے نہیں، یا چند متعین ومحدود درجوں سے نہیں بلکہ غیر معین وغیر محدود درجوں سے ہے۔ اب کس کو اس سے تکلیف ہو یا کوئی اس کے بیان کو شرک سمجھے تو سمجھتا پھرے' اللہ کو کس کا ڈر اور اسے کس کی پروا، سچے اللہ کے سچے بندوں کا سچا نعرہ یہی ہے

شرک ٹھہرے جس میں تعظیم حبیب ﷺ
اس برے مذہب پر لعنت کیجئے

اب حضور پرنور ﷺ کے چند فضائل و کمالات بھی اسی تناظر میں دیکھ لیجئے اور دشمنوں کے برعکس اپنے اللہ کا دن رات درود شریف پڑھ پڑھ کر شکر کرتے رہئے جس نے ایسے لاجواب و بے مثال نبی ﷺ کی امت میں پیدا فرمایا اور پھر خود اس حبیب مکرم و معظم ﷺ کا شکریہ بھی ادا کیجئے جس نے ہم ایسے بیکس و بیچارہ فقیروں کو اپنے غلاموں میں شامل کیا۔

حضور پرنور ﷺ کا علم: اللہ علیم و خبیر جل مجدہ نے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کو علم عطا فرمایا مگر کتنا؟ اس کی تفصیل نہ بتائی۔ یقیناً عام انسانی تخمینے سے بہت زیادہ۔ مگر اپنے حبیب کریم علیہ الصلوۃ والسلام کو اللہ نے صفت رحمٰن کی جلوہ گری کے ساتھ قرآن پاک سکھایا

اَلرَّحْمٰنُ ○ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ○

ترجمہ: رحمٰن نے اپنے (محبوب کو) قرآن سکھایا (کنزالایمان)

اور قرآن پاک میں کہا گیا ہے

وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ○ (الانعام۔۵۹)

ترجمہ: اور کوئی دانہ نہیں زمین کی اندھیریوں میں اور نہ کوئی تر اور خشک جو ایک روشن کتاب میں لکھا نہ ہو۔

گویا کوئی خشک یا تر چیز ایسی نہیں جو حضور پرنور ﷺ کے علم سے باہر رہ گئی ہو دوسرے مقام پر فرمایا

وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا ○ (النساء۔۱۱۳)

ترجمہ: اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر فضل

عظیم ہے۔

فرمایئے اس آیت کو سامنے رکھ کر، کونسی چیز ہے جس کا علم رحمٰن ورحیم اللہ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کو مرحمت نہیں فرمایا۔ ہم یہاں زیادہ تفصیل سے گفتگو نہیں کرتے کہ مضمون میں زیادہ گنجائش نہیں ورنہ یہ تو ہماری زندگی کا عنوان ہے) تاہم اتنا سن لیجئے، اللہ نے اپنی قدرت وملکیت کاملہ کا اظہار فرمایا تو ان الفاظ سے

لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ (آیۃ الکرسی)

ترجمہ: اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں

اور حضور پرنور ﷺ نے اللہ کے دست قدرت اپنے دونوں پستانوں کے درمیان رکھنے کے بعد کی اپنی کیفیت یوں بیان فرمائی

فَعَلِمْتُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (دارمی، مشکوٰۃ)

ترجمہ: تو میں نے جان لیا جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں۔

ظاہر ہے زمین وآسمان کی کوئی چیز اللہ کے قبضۂ قدرت وملکیت سے باہر نہیں اور یونہی زمین وآسمان کی کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے اس حبیب مکرم اور شاگرد اعظم ﷺ کے علم سے باہر نہیں۔

فضل عظیم: آپ اوپر دیکھ آئے ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے اللہ کے ان احسانات کو جوان کے شامل حال ہوئے انھیں خود فضل مبین سے تعبیر فرمایا (مگر اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں فرمایا اگر چہ سلیمان علیہ السلام نے بھی جو کچھ فرمایا سچ فرمایا) ادھر دیکھئے اللہ کریم نے اپنے حبیب اکرم ﷺ کو ہر چیز کا علم بھی عطا فرمایا پھر خود اسے فضل مبین نہیں فضل عظیم قرار دیا۔ اللہ فضل مبین بھی فرماتا ہے تو اس کا مفہوم کسی اور کے فضل مبین فرمانے سے زیادہ 'مبین وظاہر' ہوتا، مگر اس نے تو فضل عظیم فرما کر اس فضل کو اور بھی

کہاں ہیں حضور پر نور ﷺ کے عشاق آئیں اور اس محبوب کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی ساری سیرت مقدسہ کے ہر پہلو پر اللہ کے فضل عظیم کے جلوے دیکھتے جائیں۔

واللہ! حضور پرنور ﷺ کے فضائل وکمالات کا انکار بعض احادیث کو مجروح و ضعیف ظاہر کر کے کرنے والے بتائیں قرآن کا فضل عظیم تو 'ضعیف' نہیں، اور اگر اللہ کا فضل عظیم مانتے ہیں تو کون سا شرف ہے جو حضور ﷺ کو دیا نہیں جا سکتا۔

چند سال قبل میں ابوالکلام آزاد نامی ملحد، کے جواب میں ایک طویل مقالہ میلاد شریف اور بعض روایات' لکھ رہا تھا۔ میرے پاس برادر طریقت ڈاکٹر غلام یٰسین صاحب تشریف فرما تھے۔ خدا کے فضل سے یہ اہل رابطہ میں سے ہیں۔ چنانچہ معاً بول اٹھے 'حضور نقش لاثانی قدس سرہ فرمارہے ہیں

ان (نجدیوں) سے پوچھو، اگر روایات میلاد ضعیف ہیں یا ان کا وقوع محال ہے تو بتاؤ فضل عظیم کی حد کیا ہے۔

حقیقت بھی یہی ہے اگر قرآن کریم کی کوئی اور آیت بھی محبوب اکرم نور مجسم ﷺ کے فضائل میں صریح نہ ہوتی تو بھی **كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ○** کے الفاظ کافی تھے۔

حضور پر نور ﷺ کی بادشاہت: اس سلسلے میں اتنی بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ مخصوص روئے زمین کی بادشاہت کیلئے حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا فرمائی تھی جس کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے (اور اس مضمون میں بھی آپ دیکھ چکے ہیں) مگر حضور پر نور ﷺ کی کسی ایسی دعا کا ذکر کہیں موجود نہیں کیونکہ ایسی دعا سرکار ابد قرار ﷺ نے فرمائی ہی نہیں اور نہ یہ آپ ﷺ کی شان ہی کے لائق ہاں بادشاہت بغیر طلب کئے اور وہ بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کی بادشاہت کی نسبت کہیں اعلیٰ پہلے ہی عطا کردی

گئی تھی۔ یہی حال بعض دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کی دعا اور مدعا کا ہے۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انشراح صدر کی (یعنی سینہ کھلنے) کی دعا کی' قرآن پاک میں اس کا ذکر آیا مگر قبولیت کا ذکر نہیں آیا (اگر چہ مقبول بھی ضرور ہوئی کہ آخر بلند مرتبہ نبی ورسول تھے۔علیہ السلام) ہمارے حضور پرنور ﷺ کی دعا کا ذکر نہیں مگر مدعا کے عطا فرمانے کا ذکر آ گیا' اور فرما دیا گیا

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ ۝ (الانشراح۔۱)

ترجمہ: کیا ہم نے تمہارا سینہ کشادہ نہ کیا۔

ویسے جس کے لئے سب کچھ بنایا گیا ہو' اس محبوب ﷺ کو سب کچھ خود بخود کیوں نہ ملا ہوگا اور خود بخود ملی ہوئی چیز کے بارے کون ملنے کی دعا کرتا ہے۔ ویسے بھی محبوب محبوب ہی ہوتا ہے۔ بقول اعلیحضرت

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب

یعنی محبوب و محبّ میں نہیں میرا تیرا !!

ویسے بھی جن کی بلند ہمتی اور بلند نظری کی معراج یہ ہو کہ' مصطفیٰ راضی نشد الا بذات' لہذا وہ حضور ﷺ اللہ سے اللہ کے سوا کیوں مانگتے اور کیا مانگتے۔

پھر جو بادشاہت اس محبوب اعظم واکرم ﷺ کو بخشی گئی، اس کا اعلان متواتر ذرائع سے شب میلاد ہی سے شروع ہو گیا۔ چنانچہ حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی روایات میلاد شریف' میں سے ایک کے آخری حصے میں کسی منادی کے یہ الفاظ بھی ہیں

بخ بخ قبض محمد ﷺ علی الدنیا کلها لم یبق خلق من اهلها الا دخل فی قبضه

ترجمہ: واہ واہ محمد ﷺ نے ساری دنیا پر قبضہ کر لیا اور اس کی کوئی مخلوق حضور ﷺ کے قبضے سے باہر نہ رہی۔

پھر دونوں بادشاہتوں (یعنی حضور پرنور ﷺ اور حضرت سلیمان علیہم السلام کی بادشاہت) میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ اگر انسان' جن' پرندے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکری ہیں تو حضور پرنور ﷺ کے لشکر میں ان کے علاوہ فرشتے بھی شامل ہیں بلکہ کائنات کی ہر چیز ہے۔

چنانچہ جنگ بدر وغیرہ میں باقاعدہ فرشتے فوج در فوج نازل ہوئے۔ پھر اس سلسلے میں حضرت جبریل روح الامین علیہ السلام کا یہ کہہ کر اجازت طلب کرنا کتنا معنی خیز ہے۔ چنانچہ حضرت عقبہ بن قیس بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام ہتھیاروں سے مرصع ایک سرخ گھوڑے پر سوار ہو کر حاضر ہوئے اور عرض کی

اِنَّ اللّٰـهَ بَعَثَنِىْ اِلَيْكَ وَ اَمَرَنِىْ اَنْ لَّآ اُفَارِقَكَ حَتّٰى تَرْضٰى هَلْ رَضِيْتَ قَالَ رَضِيْتُ فَانْصَرَفَ (جامع الصفات بحوالہ خصائص و ابن سعد)

ترجمہ: یا رسول اللہ مجھے اللہ نے آپ کی خدمت میں بھیجا تھا اور حکم دیا تھا کہ میں آپ سے اس وقت تک جدا نہ ہوں جب تک آپ مجھ سے راضی نہ ہو جائیں تو کیا سرکار مجھ سے راضی ہو گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا میں راضی ہوں۔ جبریل واپس چلے گئے (علیہ السلام)

پھر ایک اور فرق سب سے زیادہ فیصلہ کن ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے یہ سارے لشکری ان کے امتی نہیں تھے بلکہ آپ کا دائرہ بعثت تو صرف انسانوں تک بلکہ ان میں سے ایک قوم تک محدود تھا' ادھر کائنات کی ہر چیز امت میں شامل ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ فرماتے ہیں

اُرْسِلْتُ اِلَى الْخَلْقِ كَآفَّةً

ترجمہ: میں تمام مخلوق کی طرف (رسول بنا کر) بھیجا گیا ہوں

گویا کائنات کی ہر چیز پر حضور پرنور ﷺ کی اطاعت اس لئے بھی فرض ہے کہ یہ اس کے امتی ہونے کا تقاضا ہے۔ صرف بادشاہ کی اطاعت میں یہ بات کہاں؟ رسول ﷺ کے فیصلے پر دل کے کسی دور دراز گوشے میں تنگی محسوس کرنا بھی ایمان کے خلاف ہے مگر اطاعت بادشاہ کا یہ حال نہیں۔

چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے وصال کا وقت آیا اور معمار جن بیت المقدس کی تعمیر میں مصروف تھے، حضرت سیدنا سلیمان علیہ السلام وصال شریف کے بعد بھی عصا کی ٹیک لئے کئی ماہ کھڑے رہے، جنوں کو حقیقت کا علم نہ ہوسکا۔ عصا شریف کو دیمک نے کھا کھا کر جب توڑ دیا تو سیدنا سلیمان علیہ السلام کا جسم اقدس زمین پر آ رہا۔ چنانچہ سب کے سب جن کام چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ (امتی ہوتے تو ایسے بے وفا نہ ہوتے)

حضرت سلیمان علیہ السلام ہوا پر سوار ہوتے تھے پھر صبح اور شام کو ایک ایک مہینے کی راہ طے کی جاتی تھی، مگر یہاں سواری کو براق حاضر ہوتا ہے اور براق کی رفتار کیسی

تھا براق نبی ﷺ یا کہ نور نظر
یہ گیا' وہ گیا اور نہاں ہوگیا

پھر باکمال امتی اور باشعور جانور: جہاں تک حضور پرنور ﷺ کے باکمال امتیوں کا تعلق ہے' ان کی گنتی ہی نہیں ہوسکتی۔ اور جس طرح حضرت آصف برخیا کی کرامت حضرت سلیمان علیہ السلام کی دلیل بن گئی یونہی امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام میں ہر دور میں اہل کمال پیدا ہوتے رہے اور علم قرآن کے فیض سے اپنے محبوب نبی اعظم ﷺ کی صداقتوں کے پرچم بلند کرتے رہے۔ یہ سلسلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے شروع ہوا اور آج تک جاری ہے۔ یوں تو حضرت سلیمان علیہ السلام بھی حضور پرنور ﷺ کے

امتی تھے جیسے دوسرے سب انبیاء ومرسلین علیہم السلام بھی آپ ﷺ کے دائرۂ بعثت میں داخل ہیں اور ان سب کے کمالات کا وسیلۂ عظمیٰ حضور ﷺ کی ذات ستودہ صفات ہے۔لہذا ان سب کے اپنے اپنے کمالات بھی دراصل ان کے اپنے نہیں بلکہ حضور پرنور ﷺ کے فیض وتوسل سے ہیں' پھر خصوصیت سے آپ کا یہ ارشاد گرامی تو بالکل واضح ہے

اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰہُ یُعْطِیْ (بخاری)

ترجمہ: بیشک میں ہی تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا فرمانے والا ہے

چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے فضائل وکمالات بھی اسی تقسیم نبوی ہی کا ظہور ہیں۔

حضور پرنور ﷺ نے تو اپنی امت کو اپنا وارث بنا کر گویا خلافت الٰہیہ کا تاج اس کے سر پر رکھ دیا اور یوں اسے زمین پر ہی نہیں مہر وماہ پر حکومت کرنے کی اہلیت سے نواز دیا۔قطب' غوث' ابدال' اوتاد ایسے حضرات دراصل اپنی اپنی شان کے لائق حکمران ہی ہوتے ہیں۔اسلام کا یہ احسان عظیم ہے کہ اس نے پتھر کے بتوں ،اونچے اونچے پہاڑوں، ذخار سمندروں اور چمکتے ہوئے چاند ستاروں کی بندگی کرنے والے ذلیل انسان کو جلیل الشان بنا کر ان سب چیزوں کا حاکم ومطاع بنا دیا۔یہ فلسفہ معاذ اللہ میرے ذہن کی پیداوار نہیں بلکہ عظمت انسانی کا وہ تصور وعقیدہ ہے جو قرآن پاک اور حدیث پاک سے بالکل واضح ہے۔اس مضمون میں بھی اس کے دلائل آ چکے ہیں' لہذا بار بار ان کا تکرار مناسب نہیں۔

یہاں بہتر ہے کہ ایک ایک مثال اسلام کے دور اول اور دور اوسط سے اور چند مثالیں دور حاضر سے دی جائیں۔دور حاضر سے زیادہ مثالیں دینے کی وجہ یہ ہے کہ ناظرین اچھی طرح سمجھ لیں،قرآن اور صاحب قرآن ﷺ کا فیض جاری وساری ہے

ان کی صداقت کے جو دلائل اللہ کے پاک بندوں کے ذریعے دوراول سے شروع ہوئے وہ ختم نہیں ہوئے اوراب بھی پوری آب وتاب کے ساتھ زندہ و پائندہ ہیں۔

لیجئے دوراول کے ان گنت واقعات میں سے صرف دو حاضر خدمت ہیں۔

۱......حضرت عقبہ بن نافع فہری رضی اللہ عنہ کی تقریر: حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کو افریقہ کا گورنر مقرر کیا تو آپ نے مسلمانوں کے جان و مال کے تحفظ کیلئے ایک چھاؤنی کا قیام ضروری سمجھا مگر اس کیلئے جس جگہ کو منتخب کیا گیا وہ ایک ایسا گنجان جنگل تھا کہ سانپوں کو بھی اس میں سے گزرنا دشوار تھا۔ اس کے علاوہ اس میں ہر قسم کے موذی اور زہریلے جانور تھے۔ لشکر میں اٹھارہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ حضرت عقبہ تمام فوجیوں کو جنگل کے قریب جمع کر کے بلند آواز سے بولے

اَیَّتُهَا الْحَشَرَاتُ وَ السباع نَحْنُ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَارْحَلُوْا فَاِنَّا نَازِلُوْنَ بِهَافَمَنْ وَجَدْ نَابَعْد قَتَلْنَاهُ (تاریخ کامل)

ترجمہ: اے جنگل کے موذی جانورو! ہم اصحاب رسول اللہ ہیں، تم یہاں سے چلے جاؤ کیونکہ ہم یہاں آباد ہو رہے ہیں اب بھی کوئی رہ گیا تو ہم اسے قتل کر دیں گے۔

اس اعلان کا یہ اثر ہوا کہ شیر چیتے، بگھیرے، سانپ اژدہے غرض تمام موذی جانور بھاگنے لگے۔ جنگل خالی ہو گیا تو مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور ہزاروں کفار حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

۲......ابو نعیم نے عمیر ساعدی سے روایت کیا ہے: وہ فرماتے ہیں، جب لوگ دجلہ میں اترے تو ایک دوسرے کے ساتھ ہو گئے۔ حضرت سلمان پانی میں حضرت سعد کے ساتھ (رضی اللہ عنہم) چل رہے تھے۔ حضرت سعد نے فرمایا ذٰلِکَ

تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ (یہ عظمت وعلم والے خدا کی تقدیر ہے) پانی انھیں اٹھائے ہوئے تھا، گھوڑے چل رہے تھے جب بھی تھکتے تو ایک ٹیلا سامنے آجاتا جس پر وہ آرام کرتے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ زمین پر چل رہے ہیں۔ مدائن میں اس سے زیادہ عجیب بات کوئی نہ تھی چونکہ ٹیلے کو جرثومہ کہتے ہیں تو اس دن کا نام یوم الجراثیم رکھ دیا گیا (کیونکہ جب بھی کوئی تھکن محسوس کرتا تو راحت کیلئے ٹیلا سامنے آجاتا۔ ابونعیم نے قیس بن ابوحازم سے روایت کی ہے کہ ہم جب دجلے میں اترے تو وہ مچل رہا تھا۔ جب پانی کا زیادہ حصہ عبور کر چکے تو پانی شہسوار کے تسموں تک نہیں پہنچ رہا تھا۔

ابونعیم نے حبیب بن صہبان سے روایت کیا ہے کہ جب مدائن فتح کرتے ہوئے مسلمانوں نے دریائے دجلہ عبور کیا تو ایرانی کہنے لگے "یہ جن ہیں، انسان نہیں (بحوالہ حجۃ اللہ علی العلمین) جامع کرامات اولیاء (اردو) اول

اس قسم کے ان گنت واقعات ہیں جن کا تعلق تاریخ اسلام کے ابتدائی دور سے ہے اور جن سے یہ حقیقت واشگاف ہوجاتی ہے کہ واقعی کائنات کی ہر چیز حضور پرنور ﷺ کے سچے نائبوں اور وارثوں کے زیرنگیں تھی' ان کی قوت کا کوئی اندازہ ہوسکتا تھا نہ ان کی حکومت کا' جب غلاموں کی سطوت وشوکت کا یہ عالم ہو تو ان کے آقا ومولا علیہ التحیتہ والثنا، کی قوت وقدرت کو کون سمجھ سکتا ہے، سچ فرمایا اعلیحضرت قدس سرہ بریلوی نے

چاند شق ہو پیڑ بولیں ' جانور سجدے کریں
اندھے نجدی دیکھ لے قدرت رسول اللہ کی

"قدرت کا معنی طاقت ہی ہے کچھ اور نہیں"

اب آیئے تاریخ اسلام کے دور وسط کے ہزاروں لاکھوں تصرفات میں سے صرف ایک دو واقعات سنئے۔

ا۔ حضرت علامہ نبہانی قدس سرہ نے جامع کرامات اولیا حصہ اول میں حضرت

محمد شربنی قدس سرہ کے ذکر خیر میں فرمایا

''امام شعرانی فرماتے ہیں کہ سلطان مراکش کی لڑکی سے آپ کی اولاد مغرب میں رہتی ہے۔آپ کی کچھ اولاد عجم میں تھی۔ کچھ علاقہ نہد میں اور کچھ ملک تکرور میں تھی ۔ایک ہی وقت میں ان سب علاقوں میں اپنی اولاد کے پاس جاتے' ان کی ضرورتیں پوری فرماتے اور سب علاقوں کے لوگ خیال کرتے کہ آپ ان کے پاس مقیم ہیں ان صورتوں میں تبدیلی اوران شکلوں میں تصرف کی وجہ سے بعض دفعہ فقہا حضرات اعتراض کرتے کہ آپ نے جمعہ نہیں پڑھا ہے لیکن فقہا ہی دیکھتے کہ وہ جمعہ مکہ شریف میں پڑھ رہے ہیں۔

آپ کے صاحبزادے حضرت احمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ حضرت اپنی لاٹھی کو حکم دیا کرتے تھے کہ ایک بہادر انسان کی شکل دھارلے وہ اسی وقت انسانی شکل میں آجاتی ۔آپ اسے حاجتیں پورا کرنے کیلئے (یعنی مختلف کام کرنے کے لئے) بھی دیتے ۔اس کے بعد وہ پھر لاٹھی بن جاتی''۔(ترجمہ اردو از سید محمد ذاکر شاہ صاحب چشتی)

نوٹ: جہاں تک ایک ہی وقت میں مختلف مقامات پر حاضر وموجود ہونے کا تعلق ہے، یہ اولیاء کرام علیہم الرحمتہ میں اس تواتر سے وارد ہے کہ ماننے سے انکار کرنا خلاف عقل اور محض ضد بازی ہے۔اللہ والوں کے ہاں اس خداداد کمال کا جابجا ظہور ہوا ہے۔رہ گئی لاٹھی کا انسان بننا تو اس میں بھی استحالہ نہیں ہونا چاہئے ۔اگر اللہ کے ایک محبوب عظیم حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا عصا سچ مچ کا اژدہا بن جاتا تھا' اور یقیناً یہ

قدرت خداوندی کا ظہور تھا تو یونہی اس کے محبوب اعظم حضور ﷺ کے ایک سچے نائب ووارث کے عصا کا انسان کی شکل اختیار کر لینا کیوں ناممکن ہو گیا۔ جس طرح عصا کے اژدہا بناتے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خالق نہیں کہا جا سکتا یونہی لاٹھی کو انسان بناتے وقت حضرت محمد شربینی قدس سرہ بھی خالق نہیں ہوئے۔ خالق تو وہ ہے جس نے عصا، اژدھا، انسان ہی کو نہیں موسیٰ علیہ السلام اور محمد شربینی علیہ الرحمہ کو پیدا فرمایا۔ بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خطبہ رسالت جو قرآن پاک میں مذکور ہے۔ اس میں صراحت کے ساتھ

اَنِّیْ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَهَیْئَةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَکُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۝ (آل عمران۔۴۹)

ترجمہ: کہ میں تمہارے لئے مٹی کے پرند کی سی مورت بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ فوراً پرند ہو جاتی ہے اللہ کے حکم سے۔

اس کے باوجود عیسیٰ علیہ السلام خالق نہیں ہو گئے بلکہ یہاں احتیاطاً ترجمہ ہی وہی کیا جائے گا جو اعلیحضرت فاضل بریلوی قدس سرہ نے کیا ہے۔

اب دوسرا واقعہ (بلکہ ارشاد) سن لیجئے، یہ ہے حضرت محمد بن عمر رضی اللہ عنہ کا، جو اپنے دور میں شام کے شیخ المشائخ تھے۔ آپ فرماتے ہیں

> عزت معبود کی قسم! مجھے وہ حال عطا ہوا ہے کہ اگر بغداد کو کہوں کہ مراکش کی جگہ چلا جا یا مراکش کو کہوں بغداد بن جا تو ایسا ہی ہو۔ آپ نے ایک جماعت کی موجودگی میں ارشاد فرمایا، میں اسی طرح عرش کا پایہ دیکھ رہا ہوں جس طرح تمہارے چہرے ملاحظہ کر رہا ہوں۔ (جامع کرامت اولیا حصہ اول)

غور فرمایئے مراکش کی جگہ بغداد کا منتقل ہو جانا یا اس کا بغداد بن جانا حضرت

آصف برخیا رضی اللہ عنہ کے تخت لانے سے کم حیرت انگیز نہیں ہے۔ اگرچہ اس کا ظہور نہیں ہوا کہ ضرورت ہی نہیں پڑی، تاہم جہاں تک خداداد قدرت وتصرف کا تعلق ہے، یہ بالیقین اسے حاصل تھا۔ اور بالیقین اس لئے کہہ رہا ہوں کہ الصادق اور الامین ﷺ کے سچے وارث بھی اپنے اپنے دور میں صدق وامانت کے مجسمے تھے اور ان کی زبان پر بھی حق ہی جاری ہوتا تھا۔ یقیناً جس طرح حضرت آصف برخیا کی قوت وکرامات حضرت سیدنا سلیمان علیہ السلام کیلئے جائے شکر تھی، یونہی حضور پرنور ﷺ کے کسی امتی کا کمال بھی حضور ﷺ کے فرحت وسرور اور شکر خداوندی کا موقعہ ہے۔ کیوں نہ ہو، اگر حضرت آصف کا تخت لانا حضرت سلیمان علیہ السلام کی صداقت ونبوت کی دلیل تھی تو نبی آخرالزمان ﷺ کے کسی امتی کا کسی بھی اور بالخصوص مابعد کے کسی دور میں محیر العقول کارنامۂ قوت وتصرف سرانجام دینا بھی کروڑوں اربوں دلائل نبوت میں سے ایک دلیل ہے۔

حیرت ہے دورِ حاضر کے بعض جدید الفکر لیڈروں کو حضرت آصف برخیا کے واقعے میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی غیر معمولی قوتوں کا کرشمہ نظر آ گیا مگر چودہ صد سالہ اپنی تاریخ میں انھیں ایسا واقعہ نہیں مل سکا۔ بلکہ اگر کوئی بھی اس واقعے کا اظہار کرے تو انھیں شرک کے سوا کچھ نہیں سوجھتا۔ یقیناً ایمان علم وعقل سے نہیں ملتا، بلکہ اللہ کی رحمت سے ملتا ہے اور اللہ کی رحمت تو اللہ والوں کے قریب ہوتی ہے جہاں ان کے جانے پر پابندی ہے۔ پڑھئے قرآن پاک کا فیصلہ

اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ٥ (الاعراف:٥٦)

ترجمہ: بے شک اللہ کی رحمت نیکوں کے قریب ہے

بے مثال جانور: حضور پرنور ﷺ کی سیرت مقدسہ میں جہاں شجر وحجر تعظیم وتسلیم کرتے نظر آتے ہیں، وہیں ہزاروں چوپائے، درندے، چرند وپرند بھی اسی نشہ محبت و

عقیدت سے سرشار دکھائی دیتے ہیں۔ ابھی بعثت نہیں ہوئی اور جنگل کے جانور دیکھتے ہی سر بسجود ہو جاتے ہیں، بعثت ہوتی ہے تو ان واقعات ادب واحترام میں بے پناہ اضافہ ہو جاتا ہے، مکڑی دشمنوں کی توجہ ہٹانے کیلئے غار کے منہ پر جالا بن رہی ہے تو کبوتری انڈے دے رہی ہے۔ بھیڑیئے ریوڑ کی حفاظت اپنے ذمے لے کر چرواہے کو ایمان لانے کے لئے خدمت اقدس میں بھیج رہے ہیں، باغ میں تشریف لے جاتے ہیں تو پاگل اونٹ تک سراپا ادب ہو جاتے ہیں اور فریاد کا وقت آتا ہے تو مظلوم اونٹ سے لے کر چڑیوں اور ہرنیوں تک فریاد بلب ہو جاتے ہیں۔ شیر جنگل کا بادشاہ سہی مگر کوئی اس کے سامنے محبوب خدا علیہ التحیۃ والثنا کا نام نامی لے دیتا ہے تو غلام بن جاتا ہے۔ کس کس کا ذکر کیا جائے اور کس کس کی محبت وعقیدت کا نقشہ کھینچا جائے تاہم صرف دو جانوروں کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے۔

ایک حضور پر نور ﷺ کی وہ مقدس اونٹنی ہے جس پر ہجرت کے دوران سوار ہیں اور جب مدینہ منورہ کے مختلف گلی محلوں میں سے گزرتے ہیں تو بڑے بڑے امراؤ رؤسا کی عاجزانہ وعاشقانہ دعوت کا ایک ہی جواب ارشاد ہوتا ہے۔

خَلُّوْا سَبِيْلَهَا فَاِنَّهَا مَاْمُوْرَةٌ

(یعنی اس کا راستہ چھوڑ دو، یہ اللہ کی طرف سے مامور ہے)

چنانچہ بڑے بڑے امیروں کی امیرانہ رہائش گاہوں کو چھوڑ کر یہ اونٹنی حضرت سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے سادہ سے فقیرانہ مکان کے باہر بیٹھ گئی۔

خیال فرمایئے جس ذات ستودہ صفات علیہ الصلوات واکمل التحیات کے سواری کے جانوروں کو بھی الہام ربانی ہوتا ہے، اس سے بڑا اللہ ذوالجلال کا رازدار کون ہوگا اور پھر اس جانور کی عظمت کا اندازہ کون کر سکتا ہے جسے شہسوار لامکاں ﷺ کی سواری بن کر کشف والہام کی دولت لازوال سے نوازا گیا۔

اب سنئے دوسرے مقدس جانور کا ذکر۔اسے اعلیحضرت فاضل بریلوی قدس سرہ نے اپنے رسالہ ختم نبوت ابن حبان اور ابن عساکر وغیرہما سے نقل کیا ہے (یہاں مزید اختصار سے درج کیا جاتا ہے)

جب خیبر فتح ہوا رسول اللہ ﷺ نے ایک دراز گوش سیاہ رنگ دیکھا تو پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ بولا یزید بن شہاب اللہ تعالیٰ نے میرے دادا کی پشت سے ساٹھ دراز گوش پیدا کئے کُلُّھُمْ لَا یَرْکَبُہٗ اِلاَّ نَبِیٌّ (ان سب پر انبیاء علیہم السلام سوار ہوئے)

وَقَدْ کُنْتُ اَتَوَقَّعُکَ اَنْ تَرْکَبَنِیْ لَمْ یَبْقَ مِنْ نَسْلِ جَدِّیْ غَیْرِیْ وَ لَا مِنَ الْاَنْبِیَاءِ غَیْرُکَ

ترجمہ: مجھے (یقینی) توقع تھی کہ حضور مجھے اپنی سواری سے مشرف فرمائیں گے کہ اب اس نسل میں سے میرے سوا اور انبیا علیہم السلام میں حضور ﷺ کے سوا کوئی باقی نہیں۔

میں پہلے ایک یہودی کے پاس تھا، اسے قصداً گرا دیا کرتا، وہ مجھے بھوکا رکھتا اور مارتا۔حضور اقدس ﷺ نے اس کا نام یعفور رکھا، جسے بلانا چاہتے، اسے بھیج دیتے۔چوکھٹ پر سر مارتا، جب صاحب خانہ باہر آتا، اسے اشارے سے بتاتا کہ حضور اقدس ﷺ یاد فرماتے ہیں۔جب حضور پرنور ﷺ نے وصال فرمایا، وہ جدائی کی تاب نہ لاتے ہوئے ابوالہیثم بن التیہان رضی اللہ عنہ کے کنوئیں میں گر کر مر گیا۔

دیکھئے، کتنا غیرتمند عاشق مزاج خادم تھا کہ حضور پرنور ﷺ کی ختم نبوت کی گواہی دے کر خود کو سواری کے لئے پیش کر رہا ہے اور اس شرف کو حاصل کرنے کے شوق میں یہودی کو سواری نہیں کرنے دیتا مگر بھوک پیاس برداشت کر لیتا ہے۔انصاف سے فیصلہ کیجئے ہدہد کے مقابلے میں ان جانوروں کا شعور کتنا نمایاں ہے۔

جنوں پر حکومت: باقی ساری مخلوق کی طرح جن بھی حضور پرنور ﷺ کی امت

دعوت میں ہیں اور زیر نگیں بھی۔ یہاں زیادہ کی گنجائش نہیں تاہم اتنا جان لیں کہ ان میں بہت سے حضور پرنور ﷺ پر باقاعدہ ایمان لائے (جیسا کہ قرآن کریم کی سورۃ الجن گواہ ہے) اور اسی طرح انھوں نے اسلام اور قرآن سیکھا جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سیکھتے تھے حضور ﷺ نے ان کی خوراک مقرر کرتے ہوئے فرمایا

'جاؤ جس ہڈی کو تم پاؤ گے اس پر تمہارے لئے تازہ گوشت پیدا ہو جائے گا اور گوبر تمہارے لئے کھجوریں بن جائے گا (خصائص ج ۲)

یونہی مسلمان اور کافر جنوں میں جھگڑا ہوا تو دونوں فریقوں نے حضور پرنور ﷺ سے رہنے کی جگہ کا فیصلہ کرانے کیلئے رجوع کیا تو فرمایا

میں نے مسلمان جن کی سکونت کیلئے جلس (یعنی پہاڑ اور گاؤں) اور کافر جنوں کے لئے غور (یعنی وہ جگہ جو پہاڑوں اور سمندروں کے درمیان ہے) مقرر فرما دی (خصائص ج ۲)

رضا جوئی: حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا میں آپ نے یہ الفاظ بھی دیکھ لئے

وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ (النمل۔۱۹)

ترجمہ: اور یہ کہ میں وہ بھلا کام کروں جو تجھے پسند آئے

واقعی ہر نبی و رسول علیہ السلام اور ہر عارف و عالم کو اسی لئے نیک کام کرنے چاہیں کہ اللہ راضی ہو جائے مگر اس ذات ستودہ صفات افضل علیہ الصلوات واکمل التحیات کی شان اقدس کے کیا کہنے جس کی رضا خود خالق اکبر جل مجدہ چاہتا ہے۔ چنانچہ دیکھئے قرآنی تصریحات

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا (البقرہ۔۱۴۴)

ترجمہ: ہم دیکھ رہے ہیں بار بار تمہارا آسمان کی طرف منہ کرنا تو ضرور

ہم پھیر دیں گے اس قبلہ کی طرف جس میں تمہاری رضا ہے۔
یعنی اس رضائے حبیب ﷺ نے ساری دنیا کا رخ بدل کے رکھدیا۔ یہ تو دنیا میں
ہوا، آخرت میں بھی رضائے حبیب ﷺ ہی فیصلہ کن ہوگی

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝ (الضحیٰ۔۵)

ترجمہ: اور بیشک تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے

جذبہ شکر: حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے علم خداداد کے حصول کے
بعد اللہ کا شکر ادا کیا۔ قرآن پاک میں ہے

وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ
الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (النمل۔۱۵)

ترجمہ: اور دونوں نے کہا سب خوبیاں اللہ کو جس نے ہمیں اپنے
ایمان والے بندوں پر فضیلت بخشی یقیناً شکر گزاری بہت بڑی
سعادت ہے، اس سے نعمت بڑھ جاتی ہے۔
پھر بہت سے مومنوں پر فضیلت حاصل کرنا بھی ایک اور شرف ہے مگر
اس شبستان نبوت ﷺ کے کیا کہنے جسے بہت سے مومنوں پر ہی نہیں، بلکہ بہت
سے نبیوں اور رسولوں پر بھی نہیں سب نبیوں اور رسولوں پر فضیلت بخشی گئی۔ حضور
پرنور ﷺ خود فرماتے ہیں

اَنَا قَائِدُ الْمُرْسَلِيْنَ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ وَلَا فَخْرَ،
وَاَنَا اَوَّلُ شَافِعٍ وَّ اَوَّلُ مُشَفَّعٍ وَّ لَا فَخْرَ (سنن دارمی،
بخاری، طبرانی اوسط، سنن بیہقی، ابو نعیم)

ترجمہ: میں تمام پیغمبروں کا پیشوا ہوں اور کچھ براہ فخر نہیں اور
میں تمام پیغمبروں کا خاتم ہوں اور بطور فخر نہیں کہتا اور سب سے پہلا

شفاعت کرنے والا اور سب سے پہلا شفاعت قبول کیا گیا ہوں
اور یہ بات بھی بطور فخر نہیں کہہ رہا ﷺ۔

یقیناً دنیا جہان کی حکمرانی بھی بہت بڑا اعزاز ہے، خصوصاً جب اس پر بندہ اپنے اللہ کا شکر گزار بنا رہے جیسا کہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام نے عمل کرکے دکھایا سرکشی کی صورت میں آدمی نمرود اور فرعون بن جاتا ہے ورنہ شکر گزار ہو تو دو جہانوں کی سعادتیں سمیٹ لیتا ہے۔ پھر بھی ایک بات ضرور ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ یہ ساری دولت قرآن پاک کی رو سے 'متاع قلیل' ہے۔ مگر اپنے حبیب پاک سرور لولاک ﷺ کو اس نے متاع قلیل یعنی دنیا نہیں، اس سے برعکس کثیر (یعنی زیادہ) بھی نہیں، اکثر (بہت زیادہ) بھی نہیں، کثار (بہت ہی زیادہ) بھی نہیں بلکہ کثرت کا آخری صیغہ 'کوثر' عطا فرمایا

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ (الکوثر۔۱)

ترجمہ: (اے محبوب) بیشک ہم نے تمہیں بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں

اس پر شکر بھی ضروری تھا۔ رب تعالیٰ نے خود اس کا طریقہ ارشاد فرمایا

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ (الکوثر۔۲)

تو تم اپنے رب کے لئے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔

گویا شکر ادا کرنے کا طریقہ ہے نماز پڑھنا اور قربانی دینا

چنانچہ حضور ﷺ نے اس سلسلے میں نماز کس حد تک پڑھ کر شکر ادا کیا رحمت عالم ﷺ رات کو نفل پڑھنے کے لئے کھڑے ہوتے تو اتنی دیر قیام فرما رہتے کہ قدم مبارک سوج جاتے۔ عرض کی گئی 'یا رسول اللہ! حضور ﷺ اتنی تکلیف کیوں برداشت کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو مغفرت کی نوید سنا دی۔ حضور ﷺ

فرمایا کرتے اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا (تو کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں)
رہ گئی قربانی کی بات تو صرف ایک واقعہ درج کیا جاتا ہے۔

(حجۃ الوداع کے موقع پر) خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد حضور ﷺ منٰی کے اس مقام پر پہنچے جہاں جانور ذبح کئے جاتے ہیں۔ حضور قربانی کے لئے سو اونٹ اپنے ہمراہ لائے تھے۔ ان میں سے تریسٹھ اونٹ سرکار دو عالم ﷺ نے اپنے دست مبارک سے ذبح کئے۔ اس وقت حضور کی عمر مبارک تریسٹھ سال تھی۔ ہر سال کے بدلے ایک اونٹ ذبح کیا۔ بقیہ سینتیس اونٹ سیدنا علی مرتضی کرم اللہ وجہہ نے حضور ﷺ کے حکم کی تعمیل میں ذبح کئے۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ ان اونٹوں کا گوشت، چمڑے اور سامان غربا و مساکین میں تقسیم کر دیا جائے اور حکم دیا کہ قربانی کے جانور کے گوشت ذبح کرنے والے کو بطور اجرت کچھ نہ دیا جائے جب حضور ﷺ قربانی کے جانور ذبح کرنے لگے تو پانچ پانچ اونٹوں کو اکٹھا پیش کیا جاتا اور ہر اونٹ دوڑ کر حضور ﷺ کے پاس آتا اور اپنی گردن زمین پر رکھ دیتا تا کہ اللہ کا محبوب اپنے دست مبارک سے اسے راہ خدا میں ذبح کرے۔

فَطَفِقْنَ یَزْدَلِفْنَ اِلَیْہِ بِاَیَّتِہِنَّ یَبْدَاُ (ضیاء النبی، ج۴)

واقعی خدا کا محبوب اعظم خدائی کا بھی محبوب اعظم ہے ﷺ

قسط 54

معراج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

قسط نمبر 54

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رجب المرجب کا مقدس مہینہ آنے والا ہے۔اس کا اہم ترین واقعہ حضور پر نور شافع یوم النشور ﷺ کا سفر معراج ہے۔انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی ان کی اپنی اپنی شان و عظمت کے مطابق معراجیں عطا کی گئیں مگر سید الانبیاء والمرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی معراج بھی ان سب معراجوں کی سردار ہے۔چونکہ یہ اللہ کے حبیب کریم وجلیل ﷺ کی بے مثل سیر اور یکتائی کی آئینہ دار ہے لہذا حضور پر نور ﷺ کے سچے غلام اور عاشق صدرِ اسلام ہی سے اس کا ذکر بڑے اہتمام سے کرتے آئے ہیں۔حدیث یا سیرت کی کونسی کتاب ہے جس میں ذکرِ معراج نہ ہو اور ملت کی چہاردہ صد تاریخ میں کونسا عارف وسالک یا خطیب وواعظ ہے جس نے مزے لے کر اسے بیان نہ کیا ہو۔ہاں ہاں قصیدہ نگاروں نے بڑے خوبصورت معراجیہ قصائد قلمبند کئے اور غزل گوسخنوروں نے غزلیات تک میں اسے فراموش نہ کیا۔

معراجِ ذکر: بالیقین ذکر معراج بھی معراجِ ذکر ہے۔یوں سمجھئے سیاح لامکاں حضور سرورِ کون ومکان ﷺ کی معراج کا ذکر کرنے والے کا فکر بھی بلند پرواز ہو جاتا ہے۔اور مذکور کی برکت سے وہ بھی آسمانوں کی سیر کرنے لگ جاتا ہے۔حضرت اقبال علیہ الرحمہ جن کی عمر بھر کی

تگ ودو کا مقصود قوم کو عشقِ حبیب ﷺ سے سرشار اور ذکرِ حبیب ﷺ کے لئے تیار کرنا تھا، وہ بار بار بھی ذکرِ معراج کریں تو حیرت کی بات نہیں، حیرت تو اس وقت ہوتی ہے جب غالب جیسا شرابی شاعر غزل لکھتے لکھتے مقطع یوں کہہ جاتا ہے

اس کی امت میں ہوں میں، میرے رہیں کیوں کام بند
واسطے جس شہ کے غالبؔ گنبد بے در کھلا

اور خود اقبال کا فرمانا

تو معنیٔ والنجم نہ سمجھا تو عجب کیا
ہے تیرا مدو جزر ابھی چاند کا محتاج

فارسی شعرا کے نکتہ آفرینوں کی طرف آیئے، حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ کے نامِ نامی سے کون واقف نہیں۔ 'بوستاں' میں نعت شریف کے دوران معراج مقدس کا ذکر کرتے ہوئے سدرۃ المنتہیٰ کے مقام پر جبریل علیہ السلام کے ساتھ محبوب خدا علیہ التحیۃ والثناء کا مکالمہ یوں پیش کرتے ہیں۔

بدو گفت سالارِ بیت الحرام
کہ اے حامل وحی برتر خرام
چو در دوستی مخلصم یافتی
عنانم ز صحبت چرا تافتی
بگفتا فراتر مجالم نماند
بماندم کہ نیروئے بالم نماند
اگر یکسرِ موئے برتر پرم
فروغ تجلّی بسوزد پرم

ترجمہ: بیت الحرام کے سید و سالار حضور پرنور ﷺ نے حضرت

جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ اے وحیِ خداوندی کو اٹھانے والے،
آگے بھی پرواز کیجئے۔ جب آپ نے مجھے دوستی میں مخلص دیکھا ہے تو
صحبت ترک کرنے کا کیا معنیٰ؟ حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی
حضور! (صلے اللہ علیک وسلم) آگے جانے کی مجال نہیں کیونکہ میرے
بازو میں مزید اڑنے کی طاقت نہیں۔ اگر بال کے سرے کے برابر بھی
آگے اڑوں تو جلووں کی چمک دمک میرے بازو جلا کے رکھ دے گی

عاشقانِ رسول ﷺ میں حضرت مولانا جامی رحمتہ اللہ علیہ کا اسمِ گرامی بھی بہت نمایاں ہے۔ آپ نے بے شمار نعتیں لکھی ہیں۔ ایک مشہور نعت شریف کا مقطع ہے

زِسرِ سینہ اش جامی
اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ برخواں
زمعراجش چہ می پرسی
کہ سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْریٰ

اسی دور میں ہندوستان میں حضرت جمالی کشورِ نعت کے مایۂ ناز فرمانروا تھے۔ انھوں نے نعت شریف میں معراج شریف کے حوالے سے ایک ایسا شعر لکھا جس کی تازگی کبھی ختم نہیں ہو سکتی۔ شعر یہ ہے

موسیٰ زہوش رفت بیک پرتو صفات
تو عین ذات بنگری و در تبسمی !!

کہتے ہیں کہ خود سرورِ کائنات ﷺ نے اس شعر کی نسبت خوشنودی و قبولیت کا اظہار فرمایا۔

'عربی نعت' میں جو درخشاں و تاباں مقام حضرت امام بوصیری قدس سرہ کو حاصل ہے، کسی بھی عاشق رسول (ﷺ) سے مخفی نہیں۔ آپ کا قصیدہ بردہ جب بارگاہ رسالتمآب ﷺ سے شرف قبول حاصل کر چکا تو پھر اس کے قبول عام میں کیا دیر ہوتی چنانچہ

بڑی سرعت سے تمام عالم اسلام میں اس کی اشاعت ہوئی معراج شریف کے بارے میں چند اشعار آپ بھی دیکھ لیجئے۔

سَرَیْتَ مِنْ حَرَمٍ لَّیْلاً اِلٰی حَرَمٍ
کَمَا سَرَی الْبَدْرُ فِیْ دَاجٍ مِنَ الظُّلَمٖ
وَبِتَّ تَرْقٰی اِلٰی اَنْ نِّلْتَ مَنْزِلَةً
مِنْ قَابَ قَوْسَیْنِ لَمْ تُدْرَکْ وَلَمْ تُرَمٖ
وَ قَدَّمَتْکَ جَمِیْعُ الْاَنْبِیَآءِ بِهَا
وَالرُّسُلُ تَقْدِیْمَ مَخْدُوْمٍ عَلٰی خَدَمٖ
وَجَلَّ مِقْدَارُ مَا اُوْتِیْتَ مِنْ رُّتَبٍ
وَعَزَّ اِدْرَاکُ مَا اُوْتِیْتَ مِنْ نِّعَمٖ
بُشْرٰی لَنَا مَعْشَرَ الْاِسْلَامِ اِنَّ لَنَا
مِنَ الْعِنَایَةِ رُکْنًا غَیْرَ مُنْهَدِمٖ

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیک وسلم! آپ رات کو حرم مکہ سے حرم مسجد اقصیٰ تک اس طرح تشریف لے گئے جیسے چاند رات کو تاریکی میں چلتا ہے۔ (اس وقت وہ نہایت خوبصورت بھی لگتا ہے اور ظلمتوں کو دور بھی کرتا ہے)

۲۔ اور آپ رات ترقی کرتے کرتے منزل قاب قوسین پر پہنچ گئے یہ منزل ایسی ہے جو نہ قبل ازیں حاصل کی گئی بلکہ طلب بھی نہیں کی گئی۔ (یعنی اس سے پہلے اس منزل قرب پر کوئی پہنچا نہ کسی نے پہنچنے کی تمنا کی)

۳۔ یارسول اللہ ﷺ! تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام نے وہاں

(مسجد اقصیٰ میں) حضور ﷺ کو اپنا امام و پیشوا بنایا جس طرح

آقا اپنے خادموں کا مقتدا ہوتا ہے۔

۴۔جن مدارج عالیہ پر آپ متمکن کیے گئے ان کی قدر و منزلت

بہت بڑی ہے اور جو نعمتیں آپ کو دی گئیں، ان کا حصول کسی غیر

کے لئے بہت مشکل ہے۔

۵۔مسلمانو! یہ مژدہ خاص ہمارے لئے ہے کہ ہمارے لئے برکت و

رحمت کا ایک ستون ہے جو گرنے والا ہی نہیں (بلکہ مضبوط ہے اور

ہمیشہ کے لئے ہمارا سہارا ہے)

عظمت میں برکت: اس آخری شعر پر غور فرمایئے ہمارے نبی اکرم و اعظم ﷺ کو جو رفعت و عظمت اور جلالت و وجاہت ملی ہے، اس سب کا فائدہ ہم غلامانِ رسول ﷺ کو ہے۔سوچئے اگر کسی شخص کا درجہ بڑھ جائے تو فرمایئے اس کے اہل خانہ اور اعزہ و اقارب کو فائدہ ہوگا یا نہیں۔نہیں بلکہ ہر نوکر چاکر بلکہ ہر متعلق و آشنا کو بھی فائدہ ہوگا۔ہاں دشمن کو خطرہ ہوسکتا ہے اس لئے اپنی سوچ کے مطابق وہ یہی خیال کرے گا کہ اس کی مشکلات میں اضافہ ہوگیا۔

یہاں تو جس کے درجے بڑھتے جارہے ہیں اور ایک ایک آن میں جسے بہت اونچا لیجایا جارہا ہے، وہ رحمۃ للعلمین ہے۔پھر اس کی برکت کا یہ عالم ہے کہ اپنے تو اپنے اس کے ہوتے ہوئے بدترین دشمن کو بھی عذاب نہیں دیا جاتا

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ (الانفال۔۳۳)

ترجمہ: اور اللہ کا کام نہیں کہ ان پر عذاب کرے جب تک تم اے

محبوب ان میں تشریف فرما ہو۔

ایسے 'رحمۃ للعلمین' کا مزید اوج و عروج پانا کتنا بابرکت اور امت کے حق میں

مثمر و مفید ہے۔اپنے آقا و مولا علیہ التحیۃ والثناء کی مزید ترقی درجات و مراتب کی یہ خوشی فطرت ایمان کا اولین تقاضا ہے۔یہی وجہ ہے امت جہاں میلاد شریف کی عید مناتی آئی ہے،معراج شریف کی محفلیں بھی سجاتی آئی ہے۔ہاں ہاں اپنے آقا و مولا علیہ التحیۃ والثنا کے خداداد فضائل و مناقب سے خوش ہونا اہل ایمان کو خود قرآن پاک نے سکھایا ہے، چنانچہ فرماتا ہے

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ٥
وَدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ٥ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ
بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ٥ (الاحزاب ۴۳)

ترجمہ:اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بیشک ہم نے تمھیں بھیجا حاضر و ناظر،اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب' اور ایمان والوں کو خوشخبری دو،کہ ان کے لیے اللہ کا بڑا فضل ہے۔

فی الواقع جوں جوں نبی کریم رؤف رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی شان و عظمت بڑھتی جائے گی،اہل ایمان کے لئے اللہ تعالی کی طرف سے 'فضل کبیر' کی بشارات میں اضافہ ہوتا جائے گا اور ان فضائل و مناقب سے جس کو چڑ ہوگی یہ اس کے کفر و نفاق کی دلیل ہوگی اور اس کے ناری و جہنمی ہونے کا مسئلہ واضح ہوتا جائے گا۔

موجودہ افراتفری اور نفسا نفسی کے دور میں انسان کو ٹھنڈے دل سے مذہب کو پرکھنے کی فرصت نہیں۔آج ہماری ساری تگ و دو 'معاشیات' میں گم ہو کے رہ گئی ہے ورنہ کسی بھی آدمی کے بارے میں ایمان اور کفر و نفاق کا فیصلہ زیادہ مشکل نہیں رہا۔جس کو دیکھو کہ حضور پرنور ﷺ کے فضائل و محامد سن کر خوش ہوتا ہے،اسے مومن سمجھو اور قرآن کی زبان میں فضل کبیر کی بشارت دو۔یونہی جسے دیکھو کہ حضور پرنور ﷺ کے فضائل و

محامد سن کر معاذ اللہ بیزار سا ہو جاتا ہے، اسے منافق جانو اور اللہ کے 'قہرِ کبیر' سے بچانے کی تدبیر کرو یا کم از کم اس سے بچ جاؤ کہ کہیں تمھیں کو نہ لے ڈوبے۔ قرآن پاک نے ایسے ہی بدبختوں کے بارے میں فرمایا ہے

فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○ (الانعام۔۶۸)

ترجمہ: تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھو۔

اور حدیث پاک میں آیا

فَاِيَّاكُمْ وَاِيَّاهُمْ لَا يُضِلُّوْنَكُمْ وَلَا يُفْتِنُوْنَكُمْ (مسلم)

ترجمہ: سوتم ان سے دور رہو کہ تمہیں کہیں گمراہ نہ کردیں اور فتنے میں نہ ڈال دیں۔

بہرحال بات تو ہو رہی تھی واقعہ معراج اہل ایمان کے لئے اتنا اہم ہے کہ چودہ سو سال سے اس کا ذکر متواتر ہو رہا ہے۔ شاعر نے شعر میں اور ناثر نے نثر میں ذکر معراج کر کے خود سکون لیا اور دوسروں کو سکون دیا۔ اسی ضمن میں امام بوصیری قدس سرہ کے چند اشعار کا حوالہ دیا تھا کہ آخری شعر نے چونکا کے رکھ دیا۔ امام صاحب نے جو کچھ فرمایا معلوم ہوتا ہے قرآن کی روشنی میں فرمایا ہے۔ (اور بات کرنے والا اگر کتاب و سنت کی روشنی میں بات نہ کرے تو اس میں کیا وزن رہ جاتا ہے) مگر ذکرِ معراج تو اس قصیدے سے بھی بہت پہلے شروع ہو گیا تھا۔ چنانچہ شاعرِ دربارِ رسالت حضرت سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت علی صاحبہا الصلوۃ والسلام ایک طویل نعت کے آخر میں عرض کرتے ہیں۔

وَاَنْتَ مُقَدَّمٌ دُنْيَا وَ اُخْرٰى

وَصَلّٰى خَلْفَ ظَهْرِكَ اَنْبِيَاءٌ

فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ اَسْرَاكَ لَيْلًا

وَفِي الْمِعْرَاجِ كَانَ لَكَ ارْتِقَاءٌ
وَنِلْتَ مِنَ السَّعَادَةِ مُنْتَهَاهَا عُلُوًّا
دُوْنَ رِفْعَتِهِ الْعُلَاءُ
وَاَدْنَاكَ الْاِلٰهُ كَقَابَ قَوْسٍ
مَعَ التَّنْزِيْهِ وَ انْكَشَفَ الْغِطَاءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّاءً مِّنْ كُلِّ عَيْبٍ
كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ
وَاَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَرَقَطُّ عَيْنٌ
وَاَكْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ
عَلَيْكَ صَلٰوةُ رَبِّيْ مَا تَوَالَتْ
دُهُوْرًا اَوْ مَلَا صَبْحًا مَسَاءُ

﴿ترجمہ﴾

ا۔ اورآپ دنیاوآخرت کے پیشوا ہیں اورآپ کے پیچھے تمام انبیاء نے نماز پڑھی ہے۔

۲۔ پاک ہے وہ ذات جس نے آپ کورات کوسیر کرائی اورآپ کے لئے شب معراج میں بلندی عظیم تھی۔

۳۔ اوراپنی انتہائے سعادتمندی کے باعث ایسی بلندی کو پہنچے کہ تمام رفعتیں اس کے مقابل پست ہیں۔

۴۔ اورقریب کیا آپ کواللہ پاک نے کمان کے فاصلہ کے برابر پاکی کے وصف کے ساتھ اورکھل گیا پردہ۔

۵۔ اے اللہ کے محبوب آپ تمام عیبوں سے پاک پیدا کئے گئے ہو گویا آپ

پیدا کئے گئے ہو جیسا آپ چاہتے تھے۔

۶۔اور ہرگز کسی آنکھ نے آپ سے بزرگ تر نہیں دیکھا اور عورتوں نے آپ سے کامل تر نہیں جنا۔

۷۔آپ پر خدائے پاک کی رحمت ہو، جیو جب تک کہ زمانہ رہے یا جب تک صبح اور شام ہوتی رہے (ترجمہ از جناب سید عابد میاں یکے از علماءِ دیو بند)

الغرض! اسلام کے ہر دور میں جس کسی کو بھی حضور پرنور ﷺ کی نعت پاک لکھنے کا شرف ملا، اس نے ذکر معراج کو فراموش نہیں کیا۔ وجہ یہ ہے کہ نعت ہے عظمت مصطفےٰ ﷺ کا بیان اور ہر واقعہ معراج کا ہر پہلو اول سے آخر تک بالکل منفرد انداز میں حضور انور ﷺ کی یکتائی ہی کا بیان ہے۔

قرآن کا انداز: حقیقت یہ ہے کہ حضور پرنور ﷺ کی معراج مقدسہ کی اہمیت بھی ملت اسلامیہ نے اولاً قرآن پاک ہی سے سیکھی ہے۔ اللہ کی اس آخری ودائمی کتاب میں اس بے مثال واقعے کا ذکر دو بار آیا ہے' ایک بار سورۃ بنی اسرائیل اور پندرھویں پارے کی پہلی آیت اور دوسری بار ستائیسویں پارے کی سورہ والنجم کے پہلے حصے میں۔

۔۔۔۔یہاں فی الحال سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت درج کی جاتی ہے

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِهٖ لَيۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَـرَامِ
اِلَى الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِىۡ بٰرَكۡنَا حَوۡلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنۡ اٰيٰتِنَا ؕ
اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡبَصِيۡرُ ۝

ترجمہ: پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے گرداگرد ہم نے برکت رکھی کہ ہم اسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں بے شک وہ سنتا دیکھتا ہے۔

آیت کا آغاز لفظ 'سبحٰن' سے کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ واقعہ بہت حیران کن یا

عقل شکن ہے۔ علت و معلول (Cause and effect) کے سارے تانے بانے اِدھر ہی رہ جاتے ہیں' اللہ کا حبیب ﷺ فلسفہ اور سائنس کی ساری حد بندیوں سے وراء الورا ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ اس محبوب و مطلوب ﷺ کی شان و عظمت کو کیمسٹری اور فزکس کے قوانین سے سمجھنے کی کوشش کرنا ایمان کے نقطہ نظر سے کم ظرفی، کورذوقی اور بے ادبی ہے۔ جو فلسفہ اور سائنس تا حال جنات کے وجود کو نہیں دریافت کر سکا وہ فرشتوں کی لطافت کو کیا سمجھ سکتا ہے۔ جنت اور دوزخ کے حقائق اس پر کیوں کر واشگاف ہو سکتے ہیں جو ہنوز 'چندو چگون' کی ظلمات میں ٹامک ٹوئیاں مار رہا ہے اسے صبح یقین کے اجالوں کی کیا خبر؟ عالم غیب (یعنی غیب کا جہاں) کے ان عنوانات کا تعارف وہی کرا سکتا ہے جو عالم غیب (یعنی غیب جاننے والا) ہو۔ ہاں یہ مشکل ترین کام انبیاء کرام علیہم السلام کا ہے کہ اسرار غیب کھولیں اور ایسے لوگ تیار کریں جو یومنون بـالغیـب (یعنی وہ غیب پر ایمان رکھتے ہوں) کے مصداق ہوں۔ بہر حال سائنس اور فلسفہ اس راہ پر چلنے سے قاصر ہیں ہاں حضرت اقبال جیسا عاشق رسول ﷺ جو علوم جدیدہ کے مراحل سے گزرنے کے بعد بھی ایمان کا لذت آشنا رہے تو الگ بات ہے۔ یہی حقیقت یہی حقیقت ہے جس کا اظہار انہوں نے کرتے ہوئے فرمایا ہے

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

سائنس اور فلسفے کی افادیت سے کسی کو انکار نہیں مگر ان کی حدود کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔ یہ علوم کالجوں، یونیورسٹیوں سے ملتے ہیں اور پروفیسر صاحبان کے ذریعے سے، مگر ان کی حدود کی سمجھ آتی ہے دین سے' جو اللہ والوں کے ہاں سے میسر آتا ہے۔ بقول اکبر الہ آبادیؔ

نہ کتابوں سے نہ کالج کے ہے در سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

بہرحال سُبۡحٰن کہہ کر یہ حقیقت کھولی جا رہی ہے کہ اگر کوئی واقعہ معراج سن پڑھ کر اسے ناممکن سمجھتا ہے تو اسے جان لینا چاہئے کہ جس ذات پاک نے اپنے پیارے بندے کو معراج سے مشرف فرمایا ہے' اس کے لئے کوئی چیز بھی ناممکن نہیں ہے۔ وہ علی کل شیی قدیر یعنی قادر مطلق ہے پھر یوں سوچئے اگر وہ ایسی معراج نہیں کرا سکتا تو یہ نقص ہوا اور اس کی قدرت کے لئے عیب۔ جب وہ عیب سے پاک ہے تو اس کی قدرت میں نقص وعیب کیونکر ہو سکتا ہے۔ لہذا واقعہ معراج جس میں اللہ نے اپنے بے مثال محبوب بندے کو بیداری میں جسم وروح کے ساتھ عالم بالا کی سیر کرائی ہے، یقیناً شک وشبہ سے بالاتر ہے۔

دیکھا آپ نے معراج کا وقوع خداوند کریم کے قادر مطلق ہونے کی دلیل اور خداوند کریم جل مجدہ کا قادر مطلق ہونا معراج کے وقوع کی دلیل ۔ یہی وضاحت ہمارے اس مضمون کا اصل مقصود ہے کہ محبوبان خدا کے کمالات توحید کے دلائل ہیں اور یہ کمالات اسی قادر مطلق کے عطا فرمودہ ہیں' ان کے ذاتی نہیں ۔ جو جتنا بلند مرتبہ بندہ ہے' اسے اتنا ہی بڑا مظہر قدرت بنایا جاتا ہے اور جس کو جتنا بڑا مظہر قدرت بنایا گیا ہے' وہ اتنا ہی بلند مرتبہ محبوب ہے۔ وہ لوگ جو اس کے معجزات وکمالات وکرامات پر یقین رکھتے ہیں' انہیں اللہ کی ذات وصفات پر اتنا ہی یقین زیادہ ہوتا ہے اور جو ان کا انکار کرتے ہیں' اپنے انکار کی شدت کے حساب سے وہ اتنا ہی توحید کے بارے میں مذبذب ہوتے ہیں یہ جو ہمارے ہاں ایسے مواقع پر بعض لوگ انکار کرتے ہوئے 'شرک' کا بہانہ گھڑ لیتے ہیں یہ محض اپنے ضعف ایمان کو چھپانے کی خوبصورت تدبیر ہے۔ ہاں ہاں جو توحید کی واضح دلیل ہو، اسے شرک قرار دینا معاذ اللہ ایک شیطانی چال کے سوا کچھ

نہیں۔مثلاً حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے بارہ سال کی ڈوبی ہوئی کشتی کی سواریوں کو زندہ کردیا، تو کیسے زندہ کیا' کوئی نہیں کہتا کہ یہ ان کی اپنی طاقت تھی سب کے ذہن وزبان پر ایک ہی بات ہوتی ہے کہ انہیں اللہ جل شانہ نے اپنے سچے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع سے راضی ہوکر مردے زندہ کرنے کی طاقت بخشی تو کیا یہ اللہ کی قدرت کاملہ' عقیدہ توحید' صداقت اسلام' عظمت رسول ﷺ' اور برکت اتباع سنت کی دلیل نہیں۔مگر کیا کیا کیجئے۔دور حاضر کے بزرج مہروں نے جنھوں نے بالکل برعکس نتیجہ نکالا۔

خرد کا نام جنوں پڑگیا ، جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

بہرحال اللہ نے آیت معراج کے آغاز میں سبحٰن فرما کر ہمارے حق میں فیصلہ دیا۔دیکھیں اپنے رب کے فیصلے کے سامنے کون سر تسلیم خم کرتا ہے اور کون اپنے واہی تباہی مزعومات وخیالات سے باز آتا ہے۔

لطیف ترین: ہم نے اوپر عرض کیا ہے کہ سائنس وفلسفہ کے زور سے فرشتوں جیسی سراپا لطافت مخلوق کو سمجھ سکنا ممکن نہیں ، پھر حق یہ ہے کہ معراج جس شخصیت مقدسہ کے 'سیر' کا نام ہے، وہ کائنات کی لطیف ترین حقیقت ہے۔حور وفرشتہ تو ایک طرف، انبیاء ومرسلین علیہم السلام کی ارواح طیبات بھی ان کے جسم کی لطافت کو پانا تو ایک طرف اسے سمجھ بھی نہیں سکتیں۔یہی وجہ ہے کہ وہاں کوئی فرشتہ یا کسی نبی علیہ السلام کی روح مقدسہ بھی نہیں پہنچ سکی جہاں حضور پرنور جسم اقدس سمیت تشریف لے گئے ہیں۔ہاں یہ جسم پاک کائنات میں لطیف ترین ہے' اس سلسلے میں امام ربانی مجدد و منور الف ثانی رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی سنئے۔

چوں وجود آں سرور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام در عالم ممکنات نباشد بلکہ فوق ایں عالم باشد ناچار اورا سایہ نبود۔ونیز در عالم

شہادت سایہ شخص از شخص لطیف تر بست و چوں لطیف تر از وے در عالم نباشد اورا سایہ چہ صورت وارد علیہ و علی آلہ الصلوات والتسلیمات (دفتر سوم حصہ نہم مکتوب ۱۰۰)

ترجمہ: چونکہ آنحضرت ﷺ اس عالمِ ممکنات میں سے ہیں بلکہ اس سے بالاتر ہیں' ناچار آپ کا سایہ نہیں تھا۔ نیز عالمِ شہادت میں شخص کا سایہ شخص سے لطیف تر ہوتا ہے' چونکہ عالم میں آپ سے زیادہ لطیف تر چیز کوئی نہیں لہٰذا سایہ کیسے ممکن ہو۔ علیہ وعلیٰ آلہِ الصلوت واکمل التحیات۔

اب لطیف ترین شخصیت کا قلیل ترین مدت میں طویل ترین سفر کرنا عقل کی حدود میں آ سکتا ہو تو سفر غیر محدود اور عقل محدود کیوں کر ہو یہاں تو ایمان ہی کام آ سکتا ہے، خدا کے قادر مطلق ہونے صاحب معراج کے لطیف ترین ہونے پر۔

عقل کچھ آستاں سے دور نہیں
اس کی قسمت میں پر حضور نہیں
علم میں بھی سرور ہے لیکن
یہ وہ جنت ہے جس میں حور نہیں
دل بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں!

بیان معراج: بہر حال اب واقعہ معراج کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ تفصیل کے ساتھ نہیں بلکہ یہاں صرف وہ روایات درج ہوں گی جن سے حضور پر نور، سید کل، ختم الرسل حضور احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ علیہ التحیتہ والثناء کی عظمت یکتا واشگاف ہوتی ہے۔ حقیقت میں معراج اسی عظمت یکتا کو عالم آشکارا کرنے کے لئے کرائی گئی

اوراس خصوصی انداز میں اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے بلکہ مخصوص اسلوب میں بیان کرنے کا اصل مقصد یہی نظر آتا ہے۔

سب سے پہلے اس آیت کا آغاز سبحٰن سے کیا گیا۔جیسا کہ کچھ ذکر اوپر آچکا،اس کا مطلب ومقصد بھی معراج اور صاحب معراج کی عظمتِ یکتا کا بیان تھا۔ پھر دیکھئے،اسریٰ (یعنی سیر کرائی) معراج شریف پر اعتراض کرنے والوں کو سمجھایا جارہا ہے،محبوب نے جانے کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ ہم نے لیجانے کا دعویٰ کیا لہذا منکرینِ شانِ مصطفیٰ خوب یادرکھو تمہاری لڑائی واللیل کی زلفوں والے اس محبوب مکرم ﷺ سے نہیں بلکہ مجھ سے ہے۔ہم نے الفاظ کی تنگ دامانی کے پیش نظر جانے یا لیجانے کی بات کی ہے،ورنہ اللہ نے 'اسریٰ' فرمایا گویا معراج محبوب کے سفر کا نہیں،سیر وتفریح کا حال ہے۔سفر میں تھکن بھی ہوتی ہے اور دوسرے حادثات وغیرہ بھی ہوجاتے ہیں مگر یہاں تو رحمت ہی رحمت اور فرحت ہی فرحت ہے،اس کا سفر کی صعوبتوں سے کیا واسطہ۔یہاں تو گویا یہ مقصود تھا کہ اے محبوب ﷺ! مکہ وطائف کے باسی اگر تیری عظمت کے منکر ہیں تو یہ ان کا اپنا نقصان ہے۔اوپر آیئے،فرشتوں کی فوج ظفر موج دیکھ جایئے جو آپ کے ایک اشارۂ ابرو پر سب کچھ کرنے کو تیار ہیں۔دیکھئے یہ کس ذوق وشوق سے درود وسلام میں مگن رہ کر اپنی وفاداری کا ثبوت پیش کررہے ہیں۔ہاں ہاں یہ سب آپ کے گیت گانے والے ہیں۔اِن اَن گنت معصوم قدسیوں میں ایک بھی درود وسلام کا منکر نہیں،پیارے جنت کے جو گلزار آپ کے غلاموں کیلئے اور جہنم کے جو شعلہ زار آپ کے دشمنوں کے لئے تیار کئے ہیں،دیکھ جایئے۔

خلیل وکلیم: ہاں اسریٰ میں ایک اور نکتہ بھی دامن دل کھینچ رہا ہے،وہ یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کچھ ایسے ہی موقع پر قرب چاہا تھا تو اس کا ذکر انھوں نے یوں کیا تھا

وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ٥ (الصفت۔۹۹)

ترجمہ: اور کہامیں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں، اب وہ مجھے راہ دے گا۔

اِنِّیْ ذَاهِبٌ (یعنی میں جانے والا ہوں) سے ظاہر ہوتا ہے کہ اپنے رب کی طرف جانے کا شوق حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تھا۔ مگر اسریٰ (یعنی رب نے سیر کرائی) سے ظاہر ہوتا ہے کہ شوق بلانے والے کو تھا (قرآنی عبارت کے انداز سے یہی بات معلوم ہو رہی ہے ورنہ معاذ اللہ یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ حضور پرنور ﷺ کو ملاقات کا شوق نہیں تھا۔ ہاں جب اللہ اپنا شوق ملاقات ہی ظاہر فرمائے تو اس کے حبیب کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی شان بیحد بڑھ جاتی ہے) روایات میں حضرت جبریل علیہ السلام نے بھی خدا کے شوق ملاقات کا اظہار فرمایا تھا، مثلاً

يَا مُحَمَّدُ اِنَّ رَبَّكَ يَشْتَاقُ اِلٰى لِقَائِكَ (اوکما قال)

ترجمہ: اے ذات ستودہ صفات بیشک تیرا رب تیری ملاقات کا مشتاق ہے

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا سیھدین (اللہ مجھے عنقریب راہ دے گا) بھی قابل غور ہے خصوصاً اس وقت جب خدا نے خود اپنے حبیب علیہ الصلوۃ والسلام سے فرمایا وَيَهْدِيَكَ صِرَاطاً مُّسْتَقِيْماً (تاکہ تمہیں سیدھی راہ دکھاوے) سوچا آپ نے ایک طرف آرزو کا اظہار ہے مگر تکمیل آرزو کا ذکر نہیں دوسری طرف آرزو مذکور نہیں مگر تکمیل آرزو کا مژدہ دیا جا رہا ہے کیوں نہ ہو وہ خلیل ہیں یہ حبیب ہیں (علیہما الصلوۃ والسلام)

یہی حال موسیٰ علیہ السلام کے ان کی شان کے لائق معراج کا ہے۔ جناب کلیم شوق لے کر گئے مگر 'وصل مقصود' حد مقصود تک نہ ہوا۔ چنانچہ انھوں نے کہا رب ارنی (یعنی اے رب مجھے اپنا آپ دکھا) جواب دیا گیا لَنْ تَرَانِیْ (یعنی تو مجھے نہیں دیکھ

سکتا) فرق بالکل ظاہر ہے۔ حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کو یہ جواب نہیں دیا گیا کہ لن یرانی احد (یعنی مجھے تو کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا)

گویا اے موسیٰ تمھارے لئے انکار ہے مگر سب کے لئے انکار نہیں۔ تم تو نسبتاً بہت ہی آسان سی صفاتی تجلی سے بیہوش ہو جاتے ہو۔ اس لئے تمھارے لئے لن ترانی کا جواب مناسب ہے۔

حضور ﷺ نے اپنے اللہ کو دیکھا یا نہیں۔ اس عنوان پر علماء کرام میں بحث رہی ہے۔ میں عرض کرتا ہوں اگر سب کے لئے دیدار خداوندی ناممکن ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام سے لن ترانی (یعنی تو نہیں دیکھ سکتا) کے بجائے لن یرانی احد (یعنی مجھے کوئی نہیں دیکھ سکتا فرمایا جاتا ہاں ہاں 'لن ترانی' سے ظاہر ہوتا ہے کہ سب کے لئے دیدار نا ممکن نہیں کم از کم ایک تو ایسا ضرور ہونا چاہئے۔ جو دیدار کر کے لن ترانی کی معنویت کے ظہور کا سبب ہو ورنہ اگر ایک بھی دیدار کے قابل نہ ہوتو لن ترانی کا جواب فصاحت ہی کے خلاف ہوگا۔

اب پھر وہی بات جو حضرت خلیل علیہ السلام کے باب میں کہی گئی کہ وہ اپنی خواہش سے گئے تھے یہاں بھی دہرائی جاتی تھی۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا بھی یہی حال ہے، مگر صاحب معراج حبیب خدا ﷺ کو باقاعدہ بلایا گیا تھا اور اس پر خود اسریٰ بھی شاہد ہے۔ ٹھیک فرمایا کسی نے

طور اور معراج کے قصے سے ہوتا ہے عیاں
اپنا جانا اور ہے ان کا بلانا اور ہے

بلکہ اسریٰ کے قرآنی لفظ کے علاوہ حدیث پاک کا حضور ﷺ کو بار بار ادن منی (میرے قریب ہو) فرمایا جانا اس حقیقت کو بہت زیادہ واشگاف کر دیتا ہے۔

اعلیحضرت نے خوب فرمایا

بڑھ اے محمد ﷺ، قریں ہو احمد، قریب آ سرورِ مجد ﷺ

نثار جاؤں یہ کیا ندا تھی، یہ کیا سماں تھا، یہ کیا مزے تھے

سیدھے سادھے انداز میں یوں سمجھئے کوئی کسی کو بڑے اہتمام سے بلائے، معززین کے ایک ہجوم کو مہمان کے لئے سواری دے کر بھیجے، راستے میں مختلف منزلوں پر استقبالیہ کمیٹیوں کا اہتمام بھی کرے اور جب وہ محبوب منزل مقصود کے بالکل قریب آ جائے تو صاحب خانہ گھر کے دروازے بند کرے اور ملنے سے انکار کر دے۔ اگر عام اخلاقیات میں اس کا تصور نہیں ہو سکتا تو رب محمد ﷺ کی شان بندہ نوازی کے تو قطعاً خلاف ہے کہ جس محبوب کو اس نے خود بلایا ہے اسی کو دیدار نہ کرائے۔ یہاں تو جو صورت حال تھی اس کے تصوراتی نقشے کے مطابق بقول حضرت اقبال علیہ الرحمہ یہ فرمایا جا رہا تھا

قدم بیباک ترنہ در حریم جان مشتاقاں

تو صاحبخانہء آخر چرا دزدانہ می آئی

عبدیت: اب آخر میں ایک اور وضاحت بھی ضروری ہے۔ معراج ہوئی تو اس کی بنیاد یا وجہ کیا تھی۔ اگلے لفظ پر غور کیجئے بعبدہ (اپنے عبد کو) گویا معراج کا سبب اور بنیاد بندے کا ذوق بندگی ہے۔ جو جتنا عبد (یا بندہ) ہے یا جس میں جتنی بندگی (یا عبدیت) ہے، اس کو اتنی ہی معراج کرائی جائے گی۔ بندگی کامل ہوگی تو معراج بھی کامل اور اگر بندگی کامل ترین ہو تو معراج بھی کامل ترین۔ امام ربانی حضرت سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہ نے بھی عام صوفیہ صافیہ علیہم الرحمتہ کے علی الرغم محبت کی بجائے عبدیت کو افضل قرار دیا ہے۔ میرا حاصل مطالعہ یہی ہے کہ سب اولیاء اللہ کاملین ہیں۔ اسی لئے ہر ولی کے لئے فارسی اور اردو تصوف کی کتابوں میں لفظ کامل استعمال ہوا ہے۔ مثلاً ع بوسہ زن بر آستان کاملے اندر سے قلب و روح کی بیماریاں نکل جائیں اور پرواز روحانی میں جو رکاوٹیں ہیں دور ہو جائیں تو بندہ کامل ہو جاتا ہے۔ حضرت مولانا روم علیہ الرحمہ اور

ان کے مرید صادق حضرت اقبال علیہ الرحمہ ' کامل ' اور ' کاملان ' جیسے الفاظ عام استعمال میں آئے ہیں۔ چنانچہ ہر ولی کامل اور جوں جوں ترقی کرتا ہے، کامل تر ہوتا جاتا ہے۔ ہر نبی بھی اللہ کا عبد تو ہے مگر اس کی عبدیت ولی کی عبدیت کے مقابلے میں بہت زیادہ کامل اور بلند ہوتی ہے۔ پھر نبیوں میں جس کو جتنی فضیلت حاصل ہے، دراصل اس کی عبدیت کے حساب سے ہے۔ غرض جوں جوں عبدیت میں ترقی ہوگی، فضائل میں اضافہ ہوگا۔ ہم جیسے گنہگار تو کسی ولی کی عبدیت کو نہیں سمجھ سکتے، چہ جائیکہ کسی نبی علیہ السلام کی عبدیت کو سمجھنے کا دعویٰ کریں اور سمجھانا تو اور بھی مشکل ہوتا ہے۔ پھر ان انبیاء و مرسلین علیہم السلام کا سید و سالار اور مقدام و امام وہ محبوب ﷺ یکتا ہے۔ جو پیکرِ عبدیت ہے اور جس نے اپنی امت کو اپنی رسالت سے بھی پہلے اپنی عبدیت کی گواہی پر تیار کیا۔ دیکھ لو

اشھدان محمداً رسولہ یا

اشھد ان محمداً رسولہ و عبدہ نہیں کہلوایا

بلکہ ان الفاظ میں گواہی کی تلقین کی اشھد ان محمد اعبدہ و رسولہ

یہاں تو گواہی کے سلسلے میں نام نامی کا مذکور ہونا ضرور تھا ورنہ قرآن پاک میں جہاں بھی عبدہ کے ساتھ نام پاک مذکور ہوا ہے، اس سے مراد حضور ﷺ کی ذات پاک ہے۔ دوسرے انبیاء علیہم السلام میں سے جس کے لئے بھی عبدہ آیا، ساتھ اسم گرامی بھی آیا، مگر ایک حضور پر نور ﷺ ہیں کہ انداز منفرد ہے۔ ہاں ہاں یکتا کے لئے انداز بھی یکتا ہونا چاہیے۔

آخر میں یہ عرض کر دوں کہ عبدیت اور بندگی سے کیا مراد ہے۔ اس کا آسان سا مفہوم تو ذہن کی یہ کیفیت ہے کہ میرا اپنا کچھ نہیں، سب کچھ میرے مالک کا ہے میرے رب کا ہے۔ مالک کی رضا کے سوا کوئی رضا نہیں، مالک کے ارادے کے سوا کوئی ارادہ نہیں۔

آپ نے احادیث میں دیکھا ہوگا کہ حضور پرنور ﷺ اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھاتے ہیں تو فرماتے ہیں والذی نفسی بیدہ ٥ (یعنی جس کے ہاتھ میری جان ہے) یاوالذی نفس محمد بیدہ (جس کے ہاتھ محمد ﷺ کی جان ہے) مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کے انکار جہاد کے بعد اپنی وفاداری کا اظہار کرتے ہوئے رب کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں۔

قال رب انی لا املک الا نفسی و اخی فافرق بیننا وبین القوم الفسقین ٥ (المائدہ۔۲۵)

ترجمہ: موسیٰ نے عرض کی اے رب میرے مجھے اختیار نہیں مگر اپنا اور اپنے بھائی کا تو تو ہم کو بے حکموں سے جدا رکھ

اگرچہ موسیٰ علیہ السلام کا مقام عبدیت بہت بلند ہے جہاں بڑے سے بڑا ولی بلکہ صحابی بھی نہیں پہنچ سکتا مگر دیکھو پھر بھی اپنے اور اپنے بھائی کے مالک ہونے کا اقرار کر رہے ہیں۔ مالک ہونا بھی تو ایک بات ہے اور محبوبِ ﷺ کریم کے یہاں جان تک کو بھی اپنے قبضے میں نہیں سمجھا جاتا۔ بندہ پیکر نیاز بن کے کہتا ہے 'میرا کچھ نہیں، سب کچھ میرے مالک کا ہے، اور مالک دلنواز اعلان کرتا ہے 'سب کچھ تیرا ہے'۔ اور جو تیرا نہیں، وہ میرا نہیں۔

اب قصہ معراج شریف کی طرف غور کیجئے۔ جو اس پائے کا عبد ہے کہ خود کو کسی چھوٹی سے چھوٹی چیز کا مالک بھی نہیں سمجھتا، بلکہ اپنے خدا کو اپنی ہر شے کا مالک جانتا ہے اور انتہائے نیاز وتواضع سے اپنے خدا کی بارگاہ میں پیش ہوتا ہے، وہ کسی سیر وتفریح کا پروگرام خود کیوں بنائے اور کسی بات حتیٰ کہ ترقی یا شرف تک کا مطالبہ خود کیوں کرے، وہ تو اپنی عبدیت کے تقاضوں میں گم ہے اور اپنی ہر چیز اپنے مالک کے سپرد کر چکا ہے۔ جو عبد اس مقام تک ابھی نہیں پہنچا وہ انی ذاھب (یعنی میں جانے والا ہوں) کہے گا اور جو

عبدیت سے سرشار ہے اس کے لئے 'اسریٰ' کا پروگرام ہوگا۔ بلاتشبیہ محض وضاحت کے لئے عرض کیا جاتا ہے کہ جو مرید فنافی الشیخ یا اس کے قریب ہو جائے اور اپنا سب کچھ اپنے شیخ کے حوالے کر کے اسی کے اشارہ ابرو پر چلے، وہ دوسرے مریدوں سے منفرد ہوتا ہے۔ کیونکہ باقی مرید اپنا پروگرام خود ترتیب دیتے ہیں مگر جو شیخ پر سب کچھ نثار کر چکا اور اس کا مرید نہیں، 'مراد' بن گیا اس کے اہم امور کا ذمہ دار خود شیخ ہوگا۔

سیرت مقدسہ کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ مکہ و طائف کے لوگوں نے اس مقصود کائنات اصل موجودات علیہ افضل الصلوات واکمل التسلیمات کے ساتھ بدترین سلوک کیا۔ مگر پھر بھی اس حبیب پاک سرور لولاک ﷺ نے ان کے خلاف دعائے ہلاکت نہ فرمائی۔ آخر کیوں؟ اس خیال سے کہ یہ میرے رب کی مخلوق ہے۔ میرا کام تو اسے عذاب سے بچانا ہے، عذاب میں دھکیلنا نہیں۔ میرے ذمے ان کی حفاظت ہے، ہلاکت نہیں۔ میرے رب کو اپنی مخلوق سے پیار ہے، چنانچہ خود فرماتے ہیں۔

الخلق عیا ل الله فاحب الخلق الی الله من احسن الی
عیالہٖ (بیہقی)

ترجمہ: ساری مخلوق (گویا) اللہ تعالیٰ کا گھرانہ ہے پس مخلوق میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پیارا وہ ہے جو اس کے گھرانے سے اچھا سلوک کرے

کون نہیں جانتا اللہ کی ساری مخلوق میں وہ شخصیت کونسی ہے جسے انسانیت کا محسن اعظم سمجھا جاتا ہے۔ (ﷺ) اور بالیقین جو انسانیت کا محسنِ اعظم ہے، وہی اللہ کا حبیب اعظم ﷺ بھی ہے۔ ادھر مکہ و طائف کی گلی بازاروں میں دل آزاری کی انتہا کی جارہی ہے اور ادھر لامکاں میں دلنوازی بھی پورے جوبن پر ہے۔ ادھر زمین پر لہولہان کرنے کا سماں ہے، ادھر آسمان سے آواز آرہی ہے۔

فرش والے تری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

یہاں آخری مغل تاجدار کے ایک شعر سے لطف اندوز ہو جائیے۔ یہی گویا فلسفہ معراج ہے۔

دیا اپنی خودی کو جو ہم نے مٹا، وہ جو پردہ سا تھا بیچ میں نہ رہا
رہے پردے میں اب نہ وہ پردہ نشیں، کوئی دوسرا ان کے سوا نہ رہا

(انشاء اللہ اس مضمون کا بقیہ آئندہ سال اسی ماہ رجب جو چند دنوں تک محلو ع اجلال فرمارہا ہے، کی مناسبت سے نذرِ قارئین کیا جائے گا)

شہنشاہ لاثانی قدس سرہ

قسط نمبر 55

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محبوب سبحانی ، قطب ربانی ، غوث صمدانی ، شہباز لا مکانی ، قیوم دورانی اعلیحضرت عظیم البرکت حضور قبلہ عالم الحاج پیر سید جماعت علی شاہ صاحب لا ثانی قدس سرہ النورانی کا وصال مبارک ۱۶ شعبان المکرّم (۱۳۵۸ھ) کو ہوا۔ موجودہ تقویم کے مطابق یہ تاریخ (۱۶ شعبان) ۲۰ ستمبر (۲۰۰۵ء) کو آ رہی ہے۔ لہذا یہ مناسب معلوم ہوتا ہے موجودہ قسط شہنشاہ لا ثانی قدس سرہ کے لا ثانی کمالات کے تذکرے کیلئے وقف کر دی جائے۔

حضور شہنشاہ لا ثانی قدس سرہ کے آباؤ اجداد شیراز میں مقیم تھے۔ مغل تاجدار نصیرالدین ہمایوں شیر شاہ سوری سے شکست کھا کر برصغیر سے بھاگا تو ایران میں پہنچا، وہاں طہماسپ شاہ ایران نے مدد دینے سے انکار کیا تو زمین شیراز حضرت سید بہاؤالدین شاہ صاحب شیرازی قدس سرہ کی خانقاہ میں پناہ گزین ہوا۔ بزرگوں نے دو بارہ اسے طہماسپ کے ہاں بھیجا تو وہ امداد کرنے پر راضی ہو گیا۔ چنانچہ اس نے بادشاہ کے ہاں سے مقابلے کے لئے لشکر جرار اور برکت کے لئے خانقاہ سے حضرت صاحبزادہ سید محمد سعید نوروز شاہ صاحب اور ان کے حقیقی چچا حضرت سید حسن شیرازی قدس سرہما کو

ساتھ لیا۔ یہی دونوں حضرات علی پور سیداں شریف کے اولین بانی ہیں۔

حضور شاہ لاثانی قدس سرہ کی ولادت باسعادت ۱۸۶۰ء میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد کا نام نامی حضرت پیر سید سَید علی شاہ صاحب علیہ الرحمہ تھا۔ بچپن ہی میں آپ اپنے رب کے ذکر سے سرشار رہتے تھے۔ اس زمانے میں بعض دفعہ آپ گم ہو جاتے تو کسی مردِ کامل کے مزار سے ملتے۔ اسی دور میں علاقے کے سالک اور مجذوب آپ کے روشن مستقبل کے معترف تھے۔ پیر کامل کی تلاش ہوئی کہ بہت سے مردان خدا کی زیارت کی۔ بالآخر آفتاب ولایت شہنشاہ طریقت شیخ المشائخ اعلیحضرت عظیم البرکت خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ فقیر محمد چوراہی المعروف حضور باواجی صاحب قدس سرہ کے دامن رحمت ونسبت سے وابستہ ہوئے۔ کہتے ہیں وہ بھی چند روز سے منتظر تھے، چنانچہ جب حضور خدمت میں پہنچے تو فرمایا 'آمدآں یارے کہ ما می خواستیم' پیر و مرید کا یہ رابطہ بڑھتا ہی رہا۔ بہت تھوڑے عرصے میں حضور شاہ لاثانی نے طویل فاصلے اور اعلیٰ منازل طے کر لئے تو خلافت کی ذمہ داریاں بھی آپ پر ڈال دی گئیں اور پھر 'لاثانی' کا خطاب بھی عطا فرما دیا گیا۔ ہاں ہاں وہ مرید کیسا لاثانی ہے، خود جس کا شیخ لاثانی اسے کہہ رہا ہے اور اس کی برکت سے پھر ہر چھوٹا بڑا اسے لاثانی کہنے لگا ایسی ہی صورت حال ہوتی ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے۔

زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

برصغیر کی تاریخ کو سامنے رکھئے تو یہ گویا تاریک ترین دور تھا۔ تثلیث کے فرزند یہاں تخت وتاج کے مالک تھے اور چونکہ انھوں نے اقتدار مسلمانوں سے چھینا تھا لہذا ان کی تذلیل وتحقیر کے خصوصی طور پر درپے تھے۔ انھوں نے عموماً اہل اسلام پر ملازمت اور روزگار کے دروازے ہی بند نہیں کئے تھے، بلکہ اپنے مخصوص نصاب تعلیم

کے ذریعے انھیں اپنے دین، اپنی تہذیب اور اپنی معاشرت کی بابت بھی احساس کہتری میں مبتلا کر کے انھیں الحاد و بیدینی میں غرق کر دیا جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں دشمن بہت شاطر تھا اور اس نے ناپاک منصوبوں کا جال بچھا دیا تھا۔ مگر اس کی آرزو بہت حد تک پوری نہیں ہو سکی۔ ہاں کچھ بدقسمت ضرور اس کے جال میں آ گئے مگر اکثریت ہی اس سے محفوظ نہیں رہی بلکہ بہت سے غیر مسلم بھی حلقہ اسلام میں آ گئے۔ نو واردوں کی تعداد کیا تھی، اس کا حتمی جواب تو بہت مشکل ہے، تاہم یہ بات اکثر محققین نے کہی ہے کہ انگریزوں کی آمد سے پہلے اب تک کئی صدیوں میں جو لوگ مسلمان ہوئے تھے، انگریزوں کے ناپاک دور میں ان کی مجموعی تعداد سے بھی زیادہ کفار حلقہ اسلام میں آئے۔ خوب فرمایا کسی باشعور نے

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے!

بظاہر اس کی وجہ کیا تھی؟ یہی صوفیہ کرام، چورہ شریف، علی پور شریف، تونسہ شریف، سیال شریف، گولڑہ شریف، شرقپور شریف، باؤلی شریف وغیرہ مردان خدا کے آستانے، یہ محض اس پنجاب کا حال ہے جو پاکستان میں شامل ہے ورنہ سارے پاکستان کے آستانے کون گن سکتا ہے اور پھر برعظیم پاک و ہند میں ان تمام جلوہ بار آستانوں کی تعداد اور بھی کئی گنا ہے۔ سائنس اور فلسفے کا جواب تھا ہی انھیں کے پاس۔ یوں نہیں کہ انھوں نے کوئی لیبارٹی کھولی ہوئی تھی اور اس میں نئی نئی چیزیں ایجاد کرتے تھے، نہیں بلکہ سائنس اور فلسفے سے شکوک وشبہات سے فکری فضا کو تیرہ وتاریک کر دیتے ہیں تو ان کی صحبت کا نور، ان ظلمات کو دور کر کے رکھ دیتا تھا۔ ان کا کردار حرص وہوس سے بلند تر، ان کی گفتار ریا نفاق سے پاک، ان کے اخلاقی کمالات انسانیت کی تفسیر اور روحانی

کمالات علت ومعلول سے آزادی کا پیغام ہوتے تھے۔لہذا کالجوں اور یونیورسٹیوں کے نوجوان جوق در جوق ان کی خدمت میں آئے، پھر مقصد حیات پا گئے۔ایک فلسفی اور سائنسدان کی زندگی سے کہیں زیادہ کشش اس اللہ والے کی طرز بودوباش میں ہے جو دنیا پر حکومت کرتا ہے، پھر عجز وانکسار کا پیکر ہوتا ہے۔کوئی سکون نا آشنا اس کو دیکھ لیتا ہے تو اضطراب سے پاک ہوجاتا ہے، وہ کسی بیمار پر تھوک دیتا ہے تو دیکھتے ہی دیکھتے اسے صحت سے ہمکنار کر دیتا ہے۔(یہ سب میرے اپنے تجربات ہیں لہذا میری نظر میں ناقابل تردید ہیں)

اسلام دشمن انگریزوں کی ریشہ دوانیوں کا جواب انھیں مردان حر نے دیا۔یہ عجیب اتفاق ہے انگریزی دور ۱۸۵۷ء سے شروع ہوا اور ۱۹۴۷ء تک رہا۔میرے آقا و مولا حضور شہنشاہ لاثانی قدس سرہ النورانی کی ولادت ۱۸۶۰ء میں ہوئی اور وصال شریف ۱۹۳۹ء میں گویا انگریزی دور کی ابتدا سے چار سال بعد ولادت اور اس کے اختتام سے آٹھ (۸) سال پہلے وصال۔یوں لگتا ہے قدرت انگریزی اقتدار کی نحوستوں کا ازالہ جن مردان پاکباز کے ذریعے کرانا چاہتی تھی، ان میں حضور شہنشاہ لاثانی قدس سرہ کی ذات ستودہ صفات نہایت ہی نمایاں ہے۔وہ لوگ جو آپ کے ازحد وسیع حلقہ ارادت میں شامل تھے، آپ نے انھیں کے ایمان کی حفاظت نہیں فرمائی بلکہ دوسرے لوگ جنھوں نے آپ کو بنظر اخلاص ومحبت دیکھ لیا، کامیاب ہو گئے۔آپ کا لنگر کھلا رہتا تھا، صبح سے رات گئے تک نزدیک ودور سے آنے والے آتے، جسمانی قوت کے ساتھ روحانی سرور بھی حاصل کرتے اور مشکلات ومسائل سے چھٹکارا بھی حاصل کرتے۔اس لنگر کی موجودگی میں کسی پرہیز کی ضرورت ہی نہیں تھی، یہ حدیث پاک کے مصداق خود سراپا دوا تھا۔چنانچہ چار جانب سے لوگ آستانے پہ حاضر ہوتے اور آتے ہی زندگی کی

الجھنوں سے نجات پا جاتے

اے لقائے تو جواب ہر سوال
مشکل از تو حل می شود بے قیل وقال

ظاہر ہے بے شمار مسلمانوں کا ایمان حضور شہنشاہ لا ثانی قدس سرہ کی برکت سے محفوظ ہوا۔ وہ نوجوان جو کالجوں اور یونیورسٹی سے زہریلی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ حضور کی برکت اس کی زہرناکی سے محفوظ رہے۔ سچ فرمایا تھا حضرت اکبرالہ آبادی مرحوم نے

نہ کتابوں سے نہ کالج کے ہے در سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

بلکہ اکثر و بیشتر یہی کتابیں اور یہی کالج تو گمراہی کا سبب بنتے ہیں، ہاں جن لوگوں کا تعلق اللہ والوں سے ہو گیا ان کا دین وایمان بھی محفوظ ہو گیا اور تہذیب و تمدن بھی۔

حضور شہنشاہ لا ثانی قدس سرہ النورانی کی شخصیت مقدسہ ہی ایسی موثر تھی کہ اپنے پرائے کسی پر بھی اثر ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا۔ چنانچہ مسلمان تو مسلمان، کسی ہندو سکھ، عیسائی وغیرہ نے بھی دیکھ لیا تو مسحور یا مخمور ہو گیا۔

مسلمانوں نے اس منبع فیض سے اپنی پیاس کیونکر بجھائی، اسے کون سمجھ سکتا ہے۔ ہاں ہاں ہم نے اپنے آغاز شباب میں ان مقدس علاقوں میں جہاں اکثر تشریف لاتے رہتے تھے، حضور شہنشاہ لا ثانی قدس سرہ کی جلوہ فرمائی کی برکات گویا آپ کے وصال کے بعد چوبیس پچیس سال تک دیکھی ہیں، گویا

کہہ دیتی ہے شوخی نقش پا کی
ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے

وہ لوگ جنھوں نے کچھ وقت اس آفتاب جہاں تاب کے قدموں میں گزارا، ان کی سیرت و کردار پر ہی نہیں، صورت و گفتار پر بھی جلوہ یار نمایاں نظر آتا تھا۔ فرزندان اسلام آخران سے فیض کیوں نہ پاتے، یہ بانی اسلام حضور رحمتہ للعلمین ﷺ کے نور نظر تھے۔ سیدہ طیبہ طاہرہ حضور بتول زہرا سلام اللہ علی ابیہا وعلیہا زہد و تقویٰ اور اخوالرسول، زوج البتول، تاجدار ھل اتی ابوالحسن علی مشکلکشا و حاجت روا کرم اللہ وجہہ الکریم کے فقر خیبر شکن کے وارث تھے۔ یہاں تو صورت حال تھی کہ بیگانوں میں کوئی کچھ مانگنے آیا ہے تو اسے بھی خالی نہیں لوٹا رہے اور جو خیرات اس کے تصور میں ہے اس سے بڑھ کر دی جا رہی ہے۔ ہندو، سکھ، عیسائی غرض جو بھی آتا ہے۔ توحید کے انوار سے اس کا باطن چمکا دیا جاتا ہے، یہی نہیں وہ نماز روزہ اور دیگر عبادات و ریاضات اسلامیہ کا پابند بھی ہو جاتا ہے۔ کبھی اپنے مسلمان ہونے کا اعلان بھی کر دیتا ہے، کبھی ایسا نہیں کرتا، مگر اتنا ضرور ہے ایمان پر مطمئن ہو چکا ہے اور کفر سے بیزار۔ آپ ان غیر مسلموں پر 'انوار لا ثانی' کی بارش دیکھ لیں، پھر اندازہ ہو جائے گا کہ اپنوں کو کیا کچھ ملا۔ آیئے یہاں کتاب مستطاب (انوار لا ثانی) (جس کا بظاہر آسی مصنف ہے مگر بہ باطن شہنشاہ ولایت حضور نقش لا ثانی) کا ایک اقتباس دیکھیں۔ (ص ۵۱ نصف آخر سے ص ۵۲ مکمل)

پھر ایک اور اقتباس ص ۶۲)

بعض ہندو اور سکھ بھی خدا کا نام سیکھنے آتے تو حضور کے 'انداز مسیحائی' سے فیض حاصل کرتے۔ بہت سے ایسے لوگ قلب و ضمیر کے اعتبار سے مسلمان ہو جاتے اگرچہ وہ سب اپنے مسلمان ہونے کا اعلان نہ کرتے مگر ذکر و فکر، نماز اور دیگر شعائر کی پابندی

تک کرتے تھے۔ موضع مانک (نزد نارووال) کے ایک سکھ زمیندار بھگوان سنگھ نے اپنے گاؤں میں مسجد کی تعمیر بھی کروائی تھی جو آج تک موجود ہے۔ گویا ہندوؤں اور سکھوں کی عظیم تعداد کا حضور قبلۂ عالم سے نیازمندی ظاہر کرنا مختلف علاقوں میں اسلام کے بول بولا کے لئے بڑا مفید ثابت ہوا اور اہل اسلام ان کے جور و ظلم سے محفوظ ہونے کے علاوہ اپنے مذہب پر زیادہ پختہ ہو گئے۔

خالصہ کالج امرتسر کا پرنسپل نرائن سنگھ بھی اپنے آپ کو حضور کا حلقہ بگوش ظاہر کرتا تھا، نماز اور درود شریف کا پابند تھا۔ دربار شریف آتا تو سٹیشن سے ننگے پاؤں حاضر ہوتا اور یہاں کے ٹکڑوں کو نعمت غیر مترقبہ سمجھتا۔

بھاؤوالی کا ہندو ناتھ نامی بھی حضور کے فیض اثر سے نماز ادا کرتا تھا۔ ہفتے میں ایک دن ضرور دربار شریف حاضر ہوتا۔ اس کسب فیض کی بنا پر وہ اپنی قوم میں خاص اثر ورسوخ کا حامل ہو گیا تھا۔ موضع چن مان سنگھ میں بھی ایک سکھ نرائن سنگھ نامی۔ حضور قبلہ عالم کی نگاہ کا نخچیر تھا۔ سیدی و مرشدی حضرت سجادہ نشین مدظلہ فرماتے ہیں کہ حضور قبلہ عالم قدس سرہ کے وصال شریف کے بعد اس گاؤں میں سے گزرنے کا اتفاق ہوا تو اس نے بہت اصرار کے ساتھ کہا کہ میں نہیں جانے دوں گا۔ اور میں بڑے حضرت کو بھی اس طرح نہیں جانے دیتا تھا۔ حضور بھی مجھ پر کرم فرماتے تھے آپ کو بھی فرمانا ہوگا۔ چنانچہ اس نے خشک غلہ مسلمانوں کے گھر میں بھیج دیا اور اس طرح ہماری دعوت کی۔ اس شخص نے پھر اپنا معمول یہ بتایا کہ صبح ہوتے ہی حضور قبلہ عالم کا نقشہ آنکھوں کے سامنے لانے کی کوشش کرتا ہوں، اگر یہ مبارک نقشہ سامنے آجائے یوں لگتا ہے کہ پہاڑ بھی راستہ نہ روک سکے گا اور اگر خدانخواستہ ایسا نقشہ آنکھوں کے سامنے نہ آئے تو گھر سے پاؤں باہر نہیں نکالتا۔ اسی گاؤں میں ایک دفعہ مسلمانوں نے جن کے صرف دو گھر تھے

اپنی چھوٹی سی مسجد میں اذان کہی تو ہندو اور سکھ حملے کی تیاریاں کرنے لگے۔ یہی نرائن سنگھ موقع پر پہنچا اور کہنے لگا۔اذان روکنے والے پہلے مجھ پر حملہ کریں پھر..................
چنانچہ اس کی وجہ سے مسلمان آزادی سے اپنے دینی شعائر پر عمل پیرا رہے۔

اسی طرح اِندر سنگھ (ڈپٹی) اور اس کا بڑا بھائی بھگوان سنگھ ذیلدار دونوں خود کو حضور کا محتاج سمجھتے تھے۔دونوں عام اسلامی تعلیمات کے پابند تھے اور دربار شریف میں ننگے پاؤں حاضری دیتے تھے۔حضور حج پر چلے تو وہ گھر کے سارے زیورات لے آیا مگر آپ نے قبول نہ فرمائے ،حضور کے اس فیض عام اور حسن سلوک سے اسلام کو بہت تقویت ملی۔

ایک ہندو مجذوب کا واقعہ: منشی غلام دین مدرس سکنہ تھوبہ ۲۸ دسمبر ۱۹۳۳ء کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ تقریباً ۲۰ سالہ ایک ہندو مجذوب حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا، سرکار میں اپنے یار کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں بڑی بڑی گدیوں پر گیا ہوں۔سب نے یہی کہا ہے علی پور شریف محلّہ مغربی میں ایک بزرگ ہیں جن کا لقب ثانی ہے وہ تمہیں یار سے ملا دیں گے'' آپ نے مسکرا کر اس عاجز کو فرمایا''منشی جی کریم بخش سے کاٹھے کماد کی پاک شکر لاؤ تا کہ اس درویش کو کھلائیں چنانچہ عاجز آدھ پاؤ پختہ شکر لے آیا۔حضور نے مٹھی بھر اس درویش کو دی باقی دوسرے حاضرین میں تقسیم فرمادی۔ نیز مجھے تاکیداً فرمایا کہ شام کو اس درویش کو گاؤں میں لے آنا۔اس وقت وہ برابر ذکر وفکر میں مشغول رہا اور ایک دم بھی غافل نہ ہوتا تھا۔ایک گھنٹہ کے بعد علی پور شریف کا ایک مہاجن گنڈا رام اتفاقاً حضور کی زیارت کو آ گیا اور سلام عرض کرنے کے بعد پیچھے ہٹ کر بیٹھنے لگا تو اس مجذوب نے گنڈا رام کو جذبے سے کہا کہ تیرے گھر سے اتنے مرد عورتیں فوت ہو گئی ہیں پھر بھی تجھے خدا کے راستے میں موت کا ڈر نہیں۔ بندہ بن

اور خدا کو یاد کیا کر۔ وہ اسی وقت درویش کا معتقد ہو گیا مگر اس نے حضرت کی طرف اشارہ کر دیا۔ (اعتقاد کا سبب یہ تھا کہ اس نے مرنے والوں کی تعداد صحیح بتائی تھی چنانچہ وہ مہاجن روٹی اور دودھ بھی اس مجذوب کے لئے لایا مگر اس نے پروا تک نہ کی بلکہ کہا تو یہ کہا کہ میں تو باباجی ہی کا کھاؤں گا شام کے وقت اسے حضور کی خدمت میں حاضر کیا گیا تو آپ نے اسے ایک سوکھی روٹی اور تازہ دودھ دیا۔ وہ پی چکا تو کہنے لگا 'باباجی یار ملاؤ' یہ کہہ لیتا اور پھر ذکر و فکر میں مشغول ہو جاتا۔ ایک بار اس نے پھر جذبے سے وہی کہا (یعنی باباجی یار ملاؤ) تو سائیں مہر علی شاہ صاحب جوش میں آ کر کہنے لگے 'میں اس کو یار ملاتا ہوں' حضور قبلہ عالم نے سائیں صاحب کی آواز سنی تو یہ فرما کر انہیں منع کر دیا کہ میں تم سے بہتر جانتا ہوں۔ درویش نے ساری رات ذکر میں بسر کی تو نفلوں کے وقت حضور نے اس عاجز کو آواز دی کہ اس مجذوب کو وضو کروا کے اندر بھیج دو۔ چنانچہ اسے اندر بھیج دیا گیا۔ حضور نے بیعت کر کے تلقین فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ کسی جنگل میں جا کر فلاں اسم پڑھا کرو۔ تین مہینے میں یار مل جائے گا۔ حضور کا اتنا فرمانا تھا کہ معلوم نہیں کیا ہوا وہ مجذوب کس وقت نکل بھاگا۔ میں نے یہی کہتے سنا کہ 'مل گیا' 'مل گیا'۔ آپ نے اس کی آواز کی پردہ پوشی کر دی۔ مشت نمونہ از خروارے کے طور پر چند کرامات پیش کی جاتی ہیں مگر ان سے پہلے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ایک ارشاد سن لیجئے۔

از مولوی خرمعلی مترجم (القول الجلی) اور نقشبندیوں کے عجائب تصرفات ہیں ہمت باندھنا کسی مراد پر پس ہوتی ہے وہ مراد ہمت کے موافق کے اور طالب میں تاثیر کرنا اور بیماری کو مریض سے دفع کرنا اور عاصی پر توبہ کا افاضہ کرنا اور لوگوں کے دلوں میں تصرف کرنا کہ وہ محبوب اور معظم ہو جائیں یا ان کے خیالات میں

تصرف کرنا تو ان میں واقعات عظیمہ متمثل ہوں اور آگاہ ہونا اہل اللہ کی نسبت پر زندہ ہوں یا اہل قبور اور لوگوں کے خطرات قلبی پر جو ان کے سینوں میں خلجان کر رہا ہے اس پر مطلع ہونا اور واقع آئندہ کا مکشوف ہونا اور بلائے نازلہ کو دفع کرنا اور سوائے ان کے اور بھی تصرفات ہیں۔(القول الجلی)

اب انھیں کی روشنی میں چند کرامات ملاحظہ ہوں۔

☆...... مقرب بارگاہ سائیں مہر شاہ صاحب علیہ الرحمتہ سے روایت ہے کہ موضع پہاڑ و چک ضلع گورداسپور کے لوگ اس قدر مفلوک الحال ہو گئے تھے کہ ان کی تمام زمین ایک جابر ساہوکار کے قبضے میں چلی گئی تھی اور وہ لوگ چٹائیاں وغیرہ بنا کر گذر بسر کرتے تھے۔آپ اس علاقے میں تشریف لے گئے تو ایک کنوئیں پر ڈیرہ لگا لیا۔وہی ساہوکار ادھر سے گذرا تو اس نے محفل پاک کو بڑی حقارت سے دیکھا، خیر آپ نے ان لوگوں کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔چند دنوں بعد ہی مقدمہ شروع ہو گیا اور وہ تمام زمین اس ساہوکار کے ہاتھ سے نکل کر دوبارہ زمینداروں کے قبضے میں آگئی۔

☆...... اسی طرح کا ایک واقعہ مجھے میاں جمال دین صاحب مرحوم (ساکن موضع آڈھا) سنایا کرتے تھے کہ میں اس حدیث پاک کے بارے میں حیران تھا جس میں مذکور ہے کہ شہید کو شہادت کے وقت ذبح ہونے میں ایک کیف وسرور ملتا ہے، چنانچہ حضور قبلہ عالم شاہ لا ثانی رحمتہ اللہ علیہ میرے خواب میں تشریف لائے ، اور میں نے دیکھا کہ کسی نے مجھ پر (خواب ہی میں) تلوار چلائی ہے۔میں شہید ہوتا جا رہا ہوں اور ساتھ ہی ساتھ ایک ایسے کیف وسرور میں ڈوب رہا ہوں جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔گویا حضور نے ایک خاص انداز سے وہ کیفیت خواب کے عالم میں طاری کر کے

میرا سوال حل کر دیا۔

نگاہِ یار جسے آشنائے راز کرے
وہ کیوں نہ خوبیٔ قسمت پہ اپنی ناز کرے

☆...... حافظ وہاب الدین ساکن موضع منڈی کے بیان کے مطابق بچپن ہی سے ان کی آنکھ پر ایک ایسی رسولی تھی جو ساٹھ سال کے طویل عرصے میں کئی علاج کروانے کے باوجود ٹھیک نہ ہوئی تھی۔ آخر حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کی۔ آپ نے رات کو دم کیا اور صبح رسولی غائب تھی لوگ حیران تھے کہ حافظ صاحب کی رسولی کہاں گئی۔

☆...... ہمارے اپنے گھر کا واقعہ سنیے۔ 1930ء کے لگ بھگ کی بات ہے، میری والدہ ماجدہ کے پہلو میں سخت درد کے دورے پڑتے تھے۔ بہت علاج کروائے مگر آرام نہ آیا، آخر ایک ماہر طبیب سے مشورہ کیا تو اس نے ستر روپے کا نسخہ تجویز کیا، والد صاحب کی تنخواہ ان دنوں صرف چھتیس روپے تھی، خدا کی قدرت، حضور قبلہ عالم شاہ لاثانی علیہ الرحمتہ ہمارے غریب خانے میں (جو موضع بکنور تحصیل پٹھانکوٹ میں تھا) تشریف لے آئے۔ والدہ درد سے سخت بے چین تھیں۔ حضور قبلہ عالم نے یہی ایک دو لفظ فرمائے کہ ''دیکھو جی' درد کو یہی گھر نظر آیا ہے۔ لڑکے کی تنخواہ چھتیس روپے اور نسخہ ستر روپے کا'' بس یہ فرمانا تھا کہ درد ختم ہو گیا اور خدا اور رسول (جل وعلاو ﷺ) کے لطف و کرم اور قبلہ عالم کی برکت سے وہ درد آج تک نہیں ہوا۔ ظاہر ہے کہ حضور کے فرمائے ہوئے یہ لفظ اوراد و وظائف سے تعلق نہیں رکھتے مگر حضور غوث اعظم رحمتہ اللہ علیہ کا فرمان یاد کریں کہ رب تعالیٰ اپنے بندہ مطیع کو یہ شان عطا فرماتا ہے کہ وہ کن (ہو جا) کہہ دے تو کام بن جاتا ہے۔

☆...... میاں رحمت علی صاحب غازی پور والے بیان کرتے ہیں مجھے ایک شخص نے

اپنی آپ بیتی سناتے ہوئے بتایا کہ میں پہلے ڈاکہ زنی کیا کرتا تھا۔ایک دفعہ علی پور سیداں شریف کے قریب سے گزر رہا تھا کہ ایک سفید ریش بزرگ جو ایک کھیت کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے مجھے دور سے آوازیں دینے لگے۔میں قریب گیا تو فرمانے لگے۔میاں یہ برے کام چھوڑ دے، میں نے عرض کیا حضرت یہ تو میرا پیشہ ہے، میں اس کے بغیر روزی کیسے کماؤں' آپ نے فرمایا' کاشتکاری کیا کر، میں نے عرض کیا، مجھے آتی نہیں،اس وقت ساتھ ہی کھیت میں ہل چل رہے تھے۔آپ نے مجھے ایک ہل کی ہتھی پکڑ کر اس کے پیچھے چلنے کو کہا، میں نے تعمیل کی''فرمایا تم تو بہت اچھا ہل چلاتے ہو'' میں نے عرض کیا' میرے پاس کوئی جانور نہیں ہے،' آپ نے اپنی طرف سے ایک یا دو بھینسے دیئے اور مجھے گھر بھیج دیا، یہی میری توبہ کا دن تھا۔

☆...... طوطی ہندو پاکستان بابا صوفی محمد علی صاحب ٹرپئی کے ایک راجپوت گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ان پڑھ تھے اس لیے محنت مزدوری سے بسر اوقات کرتے تھے حضور قبلہ عالم سے بیعت تھے۔ایک دفعہ دربار شریف میں حاضر ہوئے تو باہر کھلیان کی گہائی کے لیے چلے گئے۔وہاں یونہی کچھ گا رہے تھے کہ ان کی بے خبری میں حضور تشریف لائے۔صوفی صاحب نے آپ کو دیکھا تو خاموش ہو گئے۔مگر ادھر دریائے رحمت جوش میں آیا ہوا تھا فرمایا' کوئی نعت خواں معلوم ہوتا ہے' بس یہ دو تین لفظ تھے جو ان کی قسمت بنا گئے۔پھر کیا تھا برصغیر کے گوشے گوشے تک ان کی نعت خوانی کا چرچا ہوا اور طوطی ہند لقب ٹھہرا۔بقول اقبالؔ

فیصلہ دل کا اگر مدنظر ہے تجھ کو!
مردِ مومن کی نگاہ غلط انداز ہے بس

ایک بار جالندھر میں ایک بہت بڑی تقریب میں مدعو تھے وہاں پورے

ملک سے بڑے بڑے نعت خواں آئے ہوئے تھے مگر ان کے سامنے کسی کا رنگ نہ جم سکا' ایک دوراتوں کے لیے گئے تھے۔ جالندھر والوں نے مہینہ بھر وہیں رکھا۔

میں نے انہیں بڑھاپے کے عالم میں دیکھا ہے مگر بایں ہمہ پیری' آواز جوان تھی۔ بدن نہایت نحیف ولاغر تھا' آواز بغایت سریلی اور جوشیلی تھی' ان پڑھ ہو کر' فارسی میں حافظ وخسرو اور سعدی و جامی (علیہم الرحمۃ) جیسے اساتذہ کا کلام بصحت تلفظ ادا کرنا کرامت درکرامت تھی۔ مجھے ایک دفعہ فارسی کی دو تین غزلیں لکھوائی تھیں جن میں سے ایک کا مطلع یہ ہے۔

اے قصّہ بہشت زکویت حکایتے

حسن و جمال حورزرویت روایتے

میں شکر گڑھ ہائی سکول میں میٹرک کا طالب علم تھا' اس زمانے میں ایک دن صبح سویرے سکول گراؤنڈ میں 'بزم ادب' کا اجلاس جاری تھا کہ یہی بابا صاحب' سکول کے قریب سے گزر رہے تھے' ہیڈ ماسٹر صاحب بڑے باذوق تھے' انہوں نے دو تین اساتذہ کو بھیج کر ان کو بلالیا' یہ تشریف لائے تو نعت پڑھنے کی استدعا کی گئی۔ بابا جی نے اس اجلاس میں جہاں زیادہ سے زیادہ دس منٹ نعت کو دیے جا سکتے ہیں' پورا گھنٹہ نعت خوانی کی اور یہ کہہ کر خاموش ہو گئے کہ آج میں کچھ بیمار ہوں' زیادہ نہیں پڑھ سکتا۔ حاضرین میں ایک زبردست قسم کے عالم دیوبند بھی موجود تھے' انہیں مردِ خدا کے تصرف کا اقرار کرتے ہی بن پڑی۔

یہ ہے محل ادراک میں تصرف کی روشن مثال

☆...... آفتاب ہند حافظ ظفر علی صاحب (پسروری) رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں فکر ونظر اور قال و حال کے اعتبار سے جو انقلاب آیا وہ الگ داستان ہے اور ان کے

حالات میں اس کا بیان آجائے گا' یہاں صرف ان کے فن خطابت کے متعلق عرض کیا جاتا ہے جوان کے باقی اوصاف کی طرح حضور کی خصوصی نگاہ کرم کا فیضان تھا۔ حافظ صاحب اپنے فن میں ایسے یکتائے روزگار تھے کہ برصغیر کے طول وعرض میں آپ کے تبلیغی خطبات کی دھوم مچ گئی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ایک بار خطاب فرمایا تو' آفتاب ہند' کے لقب سے ملقب ہوئے۔

☆...... میاں حسین بخش صاحب اور بعض دوسرے ثقہ حضرات کے بیان کے مطابق حضور قبلہ عالم ایک بار قصور میں حضرت پیر سید بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر گئے تو فاتحہ ومراقبہ وغیرہ کے بعد واپس آگئے۔ ابھی احاطے کی ڈیوڑھی میں پہنچے کہ پھر مزار شریف کے اندر چلے گئے اور کچھ قرآن پاک (غالباً ایک پارے کا ربع) پڑھ کر اٹھے۔ باہر آئے تو فرمایا' بلھے شاہ ہوراں زور نال قرآن پاک سنیا' گویا شاہ صاحب نے باصرار آپ کو ڈیوڑھی سے واپس بلایا تھا۔

☆...... مرزا عظیم بیگ تھانیدار ایک دفعہ حضور کی زیارت کے لئے آرہے تھے کہ راہ میں خیال آیا کہ حضور آج مرغ کا گوشت کھلائیں تو کیا ہی اچھا ہو۔ وہ دربار شریف پہنچے تو آپ انہیں مل کر گاؤں میں تشریف لے گئے اور کچھ دیر کے بعد واپس تشریف لے آئے تو تھانیدار صاحب سے فرمایا کہ' مرغ تو نہیں مل سکا۔ یہ انڈے حاضر ہیں۔'

☆...... سید شمشاد حسین مرحوم رامداسی بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ آپ مکان شریف میں جلوہ افروز تھے، میں نے حاضر ہوکر عرض کیا' حضور ہمارے ہاں رامداس میں بھی تشریف لے چلیں' آپ نے فرمایا' اچھا دیکھا جائے گا' مگر وعدہ لے کر مجھے خیال آیا اگر آپ تشریف لے جائیں گے تو آپ کا استقبال کون کرے گا اور گھوڑیوں کو چارہ کون ڈالے گا کیونکہ میں اکیلا تھا چنانچہ اسی پریشانی میں تھا کہ اگلی صبح آپ نے لنگاہ جانے کی

تیاری فرمالی۔ میں نے عرض کیا حضور نے تو میرے ساتھ راماداس جانے کا وعدہ فرمایا تھا، آپ نے میرے خطرہ قلبی کو صاف لفظوں میں ظاہر فرمادیا ''شاہ جی ہمارا استقبال کون کرے گا اور گھوڑیوں کو چارہ کون ڈالے گا، کیونکہ آپ تو اکیلے ہیں۔

☆...... اگر کسی کے ہاں بچہ پیدا ہوتا اور وہ حضور قبلہ علیہ الرحمہ سے اس کا نام پوچھتا آپ کبھی ایک اور کبھی ایک سے زیادہ بھی نام بتادیتے۔ جتنے نام آپ بتاتے اتنے ہی بچے پیدا ہوتے تھے۔ مثلاً علامہ الحاج صوفی غلام حسین صاحب راماداسی (خطیب اعظم گوجرہ) پیدا ہوئے تو ان کے والد ماجد قبلہ الحاج صوفی محمد الدین صاحب نے حضور قبلہ عالم کی بارگاہ میں حاضر ہوکر نام پوچھا تو آپ نے فرمایا' غلام حسین، غلام مصطفیٰ، غلام مرتضیٰ، دوسرے حاضرین تو اس اشارے کو نہ سمجھ سکے البتہ خود قبلہ صوفی صاحب سمجھ گئے کہ حضور نے بعد میں ہونے والوں کے نام بھی بتادیے ہیں۔ ان کے تیسرے صاحبزادے وفات پاگئے تھے۔ بڑے دو الحمدللہ مجالس وعظ و نعت کی رونق ہیں۔

میرے (مؤلف کے) والد ماجد بھی' میری پیدائش پر (میرا) نام پوچھنے کے لئے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، حضور نے دو نام ارشاد فرمائے تھے محمد حسین، محمد حسن، چنانچہ میری ولادت سے تین چار سال بعد محمد حسن پیدا ہوا جو شیر خوارگی ہی میں فوت ہوگیا۔

☆...... مولانا عبدالرشید صاحب ضلع گورداسپور میں حضور کے ہمراہ تھے۔ ان کا بیان ہے کہ آپ نے ایک گاؤں میں قیام کیا اور فرمایا' یہاں سانپ بہت ہیں بچ کر رہنا' رات کو ایک ٹیلے پر ڈیرا تھا چنانچہ آپ نے ایک گول لکیر کھینچ کر فرمایا، اس کے اندر سو جاؤ، جب صبح اٹھے تو دیکھا لکیر کے باہر سانپوں کے رینگنے کے بہت سے نشانات تھے اور ہم آپ کی برکت سے محفوظ رہے۔

☆...... چوہدری چراغ الدین ساکن آڈھا کا بیان ہے کہ ہمارے گاؤں میں ایک بڑکا درخت تھا جو کبھی کبھی اس طرح ہلتا تھا جس طرح ہلانے سے ٹہنی ہلا کرتی ہے۔شام کے بعد اس کے نیچے سے گزرنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔کبھی یہاں بکرا، دنبہ حتیٰ کہ بھینس تک غائب ہو جاتی۔دن کے وقت یہاں کوئی مویشی چرانے لگتا تو کسی درخت سے بندھا نظر آتا۔حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ ہمارے گاؤں میں پہلی تشریف آوری کے دوران ادھر سے گزرے تو 'بڑ' اسی طرح ہلا۔آپ نے میاں جمال دین سے وجہ پوچھی تو انہوں نے تمام مذکورہ واقعات سنا دیئے۔چند لمحے بعد، حضور نے اوپر نگاہ اٹھائی اور فرمایا 'میاں یہ درخت کیوں ہلایا ہے' اوپر سے آواز آئی 'جناب! جانور وغیرہ بیٹ کر دیتے ہیں، انہیں اڑانے کے لئے' فرمایا 'تم جو اتنے جانوروں کو تکلیف دیتے ہو' خود ہی کہیں کیوں نہیں چلے جاتے، 'اچھا' کہاں کا حکم ہے' فرمایا 'دو تو کوہ قاف کو نکل جاؤ۔اور ایک یہیں مگر اب یہاں کسی کا نقصان نہ ہو' عرض کیا 'بہت بہتر'۔چنانچہ پھر کوئی حادثہ نہ ہوا۔الحمد للہ ثم الحمد للہ۔(معلوم ہوا کہ یہاں تین جن تھے)

☆...... حکیم عبدالعزیز صاحب سوجانپوری کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضور شاہ لا ثانی موضع 'پوہا' میں تشریف فرما تھے۔میں نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا 'حضور! بندہ نوازی ہوگی اگر صبح کا کھانا اس فقیر کے ہاں سوجان پور میں تناول فرمایا جائے' نیز یہ بھی عرض کیا کہ موضع پوہا والے تمام افراد بھی وہاں کھانا کھائیں تو بڑی برکت کی بات ہے۔مگر میاں محمد اور دوسرے اصحاب نے کہا کہ ہم گھر سے کھا کر آئیں گے۔لہٰذا میں نے جا کر ستر آدمیوں کا کھانا تیار کر لیا۔چٹنی تیار ہو رہی تھی کہ حضور نے دریافت فرمایا کیا کھانا تیار ہے، میں نے عرض کیا 'حضور تیار ہے' اتنے میں پوہا اور گردونواح کے تین سو آدمی تشریف لے آئے آپ نے تمام اشیاء کو نظر رحمت سے ملاحظہ فرمایا اور کھانے پر اپنی

چادر ڈال کر تقسیم کرنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ تمام اصحاب کے سیر ہو جانے کے بعد تبرک محلے بھر میں تقسیم ہونے پر بھی بچ گیا جو ہم نے شام کو کھایا۔ آپ کی یہ کرامت دیکھ کر کئی غیر مقلد تائب ہوئے۔

☆...... سیدی و مرشدی حضرت سجادہ نشین حضور نقش لا ثانی قدس سرہٗ راوی ہیں کہ ایک دن دوپہر کے وقت جب اکثر درویش آرام فرماتے تھے اور حضور شاہ لا ثانی باغ میں جلوہ افروز تھے۔ ایک بڑھیا اپنی جوان بہو کے سات حاضر خدمت ہوئی۔ پوچھنے پر بڑھیا نے اپنی آنکھوں کے بے نور ہو جانے اور اپنی بہو کے بے اولاد رہنے کی شکایت کی۔ حضور قبلہ عالم کے حکم سے ہم نے رہٹ چلایا تو انہیں جلالی انداز میں حکم ہوا کچھ پانی پی لو۔ کچھ آنکھوں پر مل لو۔ حضرت فرماتے ہیں قریباً ایک سال بعد ہم نے دیکھا وہ بڑھیا اپنی بہو کو لے کر پھر حاضر ہوئی، اس کی اپنی آنکھیں روشن تھیں اور بہو کی گود میں بیٹا تھا۔

☆...... ننگل سادھاں (نزد مرید کے) کے عبدالرحیم خاں صاحب حضرت پیر سید ظہور علی شاہ صاحب گجراتی کے مرید تھے۔ بعض لوگ سمجھتے تھے کہ آپ سید نہیں کشمیری ہیں۔ عبدالرحیم خاں صاحب پریشان تھے اور حقیقت الامر کی تحقیق کروانا چاہتے تھے۔ اس غرض سے وہ دربار شریف آئے مگر اس خیال سے کہ حضور کو دنیوی کروفر سے نفرت ہے، اپنا کلہ دربار اقدس کے قریب ہی کماد کے ایک کھیت میں رکھ آئے۔ حاضر بارگاہ ہو کر سلام عرض کیا تو آپ نے فرمایا 'میاں اگر میرے ڈر سے ہی کلہ کماد میں چھوڑ آئے ہو تو کیا فائدہ' اگر چھوڑنا ہے تو خدا کے ڈر سے چھوڑ دیتا کہ فائدہ بھی ہو۔ عبدالرحیم صاحب عرض کرنے لگے حضور کلہ بعد میں سنبھالا جائے گا پہلے یہ بتائیں کہ ظہور شاہ صاحب سید ہیں یا کشمیری۔ حضور نے فرمایا یہ سید ہیں، کشمیر سے آنے کی بنا پر ان کی سیادت میں کیا فرق آیا۔ کیا کشمیر میں سید نہیں ہوتے۔

ق 56

اسلامیہ کالج میں محفل میلاد

قسط نمبر 56

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لیجئے پھر ماہ اکتوبر آ گیا جو اپنے برادرانِ طریقت کے لئے گویا فصلِ بہار کی حیثیت رکھتا ہے۔ یوں تو ملک اور بیرون ملک میں سید الاولیاء سند الاصفیاء محبوب سبحانی قیوم زمانی حضور شہنشاہ لاثانی قدس سرہ النورانی کے بیسیوں اعراس مقدسہ منعقد ہوتے ہیں، بعض شعبان المعظم کے اعتبار سے (کہ تاریخ وصال ہے ۱۶ شعبان ۱۳۵۸ھ) اور بعض اسی اکتوبر کی نسبت سے (کیونکہ عیسوی تقویم کے حساب سے تاریخ وصال یکم اکتوبر ۱۹۳۹ء) ہاں سالانہ مرکزی عرس مقدس جو خاص دربار لاثانی علی پور سیداں شریف میں منعقد ہوتا ہے، ۲ اکتوبر ہی کو ہوتا ہے۔ پہلے یہ بکرمی تاریخ یعنی ۱۷ اسوج والا عرس کہلاتا تھا (کیونکہ وصال شریف ۱۶ اسوج ۱۹۹۶ بکرمی ہوا تھا) چونکہ اب یہ تاریخ تقریباً ہر سال مشکوک ہو جاتی تھی لہذا اس عرس مرکزی کے بانی شہنشاہ ولایت قاسم زہد و طریقت حضور نقش لاثانی قدس سرہ نے اپنی حیات دنیوی کے آخری عرس منعقدہ ۱۹۸۶ء میں اعلان فرمادیا کہ آئندہ عرس مقدس کی تاریخ ۱۷ اسوج کی بجائے ۲ اکتوبر ہو گی) اگرچہ عرس عملاً دو تین راتیں پہلے ہی شروع ہو جاتا تھا، مگر (عرس کا) دن صرف

ایک تھا۔ پھر بانی عرس حضور نقش لاثانی قدس سرہ کا وصال شریف بھی ہوگیا تو یکم اکتوبر کو ۲ کے ساتھ ملا کر دو عظیم بادشاہوں کا یہ عرس تاریخاً بھی دو دن تک ہوگیا۔ یہ تبدیلی دوسرے سجادہ نشین عارف حقانی حضور پیر سید عابد حسین شاہ صاحب نقشہ نقش لاثانی قدس سرہ نے کی تھی۔ پھر ۱۹۹۹ء میں ان کا وصال شریف بھی ہوگیا تو ان کا عرس بھی ساتھ مل گیا تاہم تاریخ ووقت میں کوئی اضافہ نہ ہوا۔ مختصر یہ کہ یکم، ۲ اکتوبر کو دربار لاثانی علی پور سیداں شریف میں منعقد ہونے والا پنجاب کا سب سے بڑا عرس (عرس لاثانی) تین ہستیوں کی نسبت سے سرفراز ہے۔

۱۔ شہنشاہِ معرفت حضور شہنشاہِ لاثانی قدس سرہ الصمدانی
۲۔ شہنشاہِ ولایت حضور نقش لاثانی قدس سرہ النورانی
۳۔ شہنشاہِ طریقت حضور نقشہ نقش لاثانی قدس سرہ السبحانی

کیا بات آسی ان تینوں کی، یہ تینوں نور کے پیکر ہیں
لاثانی ، نقش لاثانی اور نقشہ نقش لاثانی

یہ عرس مقدس ۱۹۴۰ء سے شروع ہوا اور پھر رو بہ ترقی رہا۔ ۱۹۶۳ء میں اسی عرس کے موقع پر خطاب کے دوران ترجمان طریقت حضرت ابوالکلام صاحبزادہ فیض الحسن آلومہاروی رحمۃ اللہ علیہ نے اعلان فرمایا تھا کہ شمال مشرقی پنجاب کا یہ سب سے بڑا عرس ہے۔ عرس پھر بڑھتا رہا، بڑھتا رہا اور جلد ہی وہ وقت بھی آ گیا کہ گورنمنٹ نے ۲ اکتوبر کے دن کو مقامی تعطیلات میں شامل کرلیا اور الحمدللہ سال بہ سال اضافے کی یہ صورت حال جاری رہی۔ دیہاتی فضا میں جہاں نقل وحمل کی وہ آسانیاں نہیں، جو شہروں میں ہوتی ہیں، پھر مخلوق خدا کا یوں جوق در جوق کیف وسرور میں ڈوب کر آنا جانا اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ واقعی اس لاثانی سرزمین میں لاثانی کشش ہے شہنشاہ لاثانی کا یہ عرس ہی لاثانی نہیں، فیض بھی لاثانی ہے۔ یہاں حضور نقش لاثانی اور حضور نقشہ نقش

لا ثانی قدس سرہما کے دور میں خصوصی اہتمام تھا کہ شریعت مقدسہ کے تقاضوں کو زیادہ سے زیادہ ملحوظ رکھا جائے اور کوئی کام کتاب وسنت کی تعلیمات کے منافی نہ ہو۔

ایک مفتی صاحب جو ایک عظیم آستانے سے منسوب ہیں اور فی الواقع ایک پیر کامل کے مرید صادق ہیں۔ پہلی بار ۱۹۸۶ء میں یہاں آئے تو حاضرین کی تعداد ہی ان کے وہم وگمان سے بہت زیادہ تھی (کیونکہ جن بڑے بڑے آستانوں سے وہ شناسا تھے، کہیں بھی یہ رنگ نہیں تھا) پھر انھوں نے کھلے بندوں اس حقیقت کا اعتراف بھی کیا کہ دین کی تذکیر وتبلیغ جس حد تک عرس لا ثانی میں ہوتی ہے، میں نے کہیں بھی نہیں دیکھی۔

وہ لوگ جنھیں اولیاءاللہ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کی قوت پر یقین ہوتا ہے، از راہ مہربانی لقب 'لا ثانی' پر غور کر لیں۔ اس میں کیا شک ہے کہ خواجۂ خواجگاں غنی الاغنیاء سخی الاسخیا، ولی الا ولیا، حضور باواجی فقیر محمد فاروقی چوراہی قدس سرہ القوی حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے روحانی ونسبی وارث کامل تھے، جب ایسی کامل ومکمل ہستی کسی شہباز کی تربیت کر کے اسے 'لا ثانی' ہونے کی سند عطا فرما دے، تو اس کے لا ثانی ہونے میں کیا شک رہ جاتا ہے۔ اسے تو ہر اعتبار سے لا ثانی ہونا چاہئے۔ وہ مرید ہو تو مرید لا ثانی' پیر ہو جائے تو پیر لا ثانی، اسے بلندیٔ نگہ، رفعت مقام، فکر وعمل، فقر و درویشی، مشکلکشائی، حاجت روائی غرض ہر اعتبار سے لا ثانی ہی ہونا چاہئے۔ لہٰذا اس کا عرس بھی لا ثانی ہونا چاہئے، حاضرین کی تعداد کے اعتبار سے بھی اور دین حق کی اشاعت وتفہیم کے سلسلے میں بھی۔ مگر یہ تو اسی صورت میں ممکن ہے جب صاحب عرس کا فیض بھی لا ثانی ہو، گویا (ظاہری وباطنی فیض بھی) جس کی نظر پڑ جائے مائل ہو جائے، جس پر نظر پڑ جائے گھائل ہو جائے

حقیقت یہ ہے کہ دینے والے کی عطا محدود ہی نہیں، یہ رحمۃ للعلمین ﷺ کی آل پاک میں سے ہے۔ ہاں ہاں وہ آل پاک جس نے اپنے رب کی راہ میں کبھی کسی

قربانی سے گریز نہیں کیا، مال لٹانے کا وقت آیا، مال بے دریغ لٹادیا اور کنبہ کٹانے کا وقت آیا تو اس میں پس وپیش سے کام نہیں لیا۔ اسی لاثانی آل پاک کا یہ فرد 'لاثانی' اپنے دور میں اپنے کمالات پہ پردہ ڈال کر اور نفسی نفسی کی اس دنیا میں نفس سے جہادِ اکبر کر کے زبدۃ الواصلین اور حجۃ للکاملین بن گیا۔ اس کے جود وسخا کا یہ حال کہ دو دفعہ گھر کا سارا مال اسباب باہر نکال کر رکھ دیا اور فرمایا جسے جو ضرورت ہے، یہاں سے لے جائے۔

اس کے مقام لاثانی اور فیض لاثانی کی ایک جھلک دیکھئے۔ برعظیم پاک و ہند میں خانوادۂ نقشبندیہ مجددیہ کا مرکز سرہند شریف ہے۔ کہتے ہیں مدتوں سے سیدنا حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کی اپنی اولاد پاک میں کوئی فرد بھی یہاں مقیم نہیں ہاں' خانقاہ مجددیہ کا انتظام انھیں کے نامزد کردہ افراد چلاتے ہیں، جنھیں خلفاء کہتے ہیں۔ قیام پاکستان کے لگ بھگ کا جو دور تھا، اس وقت خلیفہ محمد صادق صاحب رحمتہ اللہ علیہ وہاں منتظم تھے۔ علامہ اقبال علیہ الرحمہ بھی ایک خواب کی 'روشنی' میں جب سرہند شریف پہنچے تو یہی صاحب خلیفہ تھے۔ ان کے بارے میں سنا گیا ہے کہ اگر کوئی ان سے نقشبندیہ مجددیہ کے کسی مردِ کامل کے بارے میں پوچھتا تو وہ حضور شہنشاہِ لاثانی قدس سرہ کا نام پاک لیتے۔ چنانچہ اپنے برادرِ اصغر جناب میاں امیر محمد رحمتہ اللہ علیہ کو بھی آپ کے دست حق پرست پر بیعت کرایا۔ حضور شہنشاہ لاثانی قدس سرہ کے مزار مقدس کے جنوب میں جو چند قبریں ہیں ان میں سے ایک انھیں حضرت امیر محمد علیہ الرحمہ کی بھی ہے۔ (انھیں میں ایک بے نشان سی قبر اس نالائق کے والدِ ماجد منشی محمد مقبول مرحوم کی بھی ہے)

'لاثانی' نام ہی کا اثر دیکھئے، آپ کی مشہور کرامات میں سے ایک یہ ہے کہ آپ کی تصویر نہیں بنائی جا سکی۔ سجادہ نشین دوم حضور نقشہ نقش لاثانی قدست اسرارھم اس مضمون کو بڑی محبت اور مزے سے بیان فرمایا کرتے تھے کہ شہنشاہ لاثانی کی تصویر نہیں

کھینچی جا سکی حتیٰ کہ جب آپ کا وصال شریف ہو چکا تو اس وقت بھی یہ تصرف قائم رہا۔ تصویر میں چہرہ اقدس کے اوراردگرد کے پھول تو کھنچ آئے مگر چہرہ اقدس نہ آیا حضور پیر سید جماعت علی شاہ قدس سرہ کو 'لاثانی' کہنے کی ضرورت بھی تھی کہ آپ کے دور میں آپ کی ہی بستی میں ایک اور بزرگ بھی بالکل اسی اسم شریف کے تھے۔انھیں علم وفضل کے اعتبار سے محدث علی پوری اور سیاست میں مسلمانوں کی رہنمائی کی بنا پر امیر ملت بھی کہا جاتا ہے۔ ہمنام ہونے کی بنا پر گویا 'امیر ملت' اور 'لاثانی' کے القاب سے امتیاز پیدا کیا گیا۔ بظاہر اتنا ہی کافی ہے مگر غور کریں تو ایک اور وجہ بھی نظر آتی ہے اور شاید وہی حقیقی ہو۔اس کی تفصیل یوں ہے۔

موجودہ دور میں جب انگریزوں کی سرپرستی میں 'ملت وہابیہ' نمودار ہوئی تو اس نے اللہ کے سب سے بڑے رسول ﷺ کی عظمت خصوصی کا انکار کر کے انھیں بالکل عام سی انسانی سطح پر لانے کی کوشش کی 'وہابیہ' کے عقائد کا اولین اظہار جس قابل نفرین کتاب سے ہوا، اس کا نام تقویت الایمان ہی تو ہے۔اس میں بے لگام مصنف نے نبی کے لئے گاؤں کا چودھری' بڑا بھائی یا صرف 'بھائی' جیسے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ بلکہ بعض اوقات تو یوں معلوم ہوتا ہے جیسے حضور پرنور ﷺ کو رسول تک ماننا بھی برداشت نہیں کرتا۔مثلاً اس کا اسی کتاب میں یہ جملہ کتنا باغیانہ ہے،

'ایک اللہ کو مان اور کسی کو نہ مان'

(یا نبی ﷺ کی) 'بشر کی سی تعریف کرو بلکہ اس میں بھی اختصار کرو'

یا 'جس کا نام محمد یا علی ہے' وہ کسی چیز کا مختار نہیں'

یا 'رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا' وغیرہ وغیرہ

انگریزی 'ہدایات' سے پروان چڑھنے والی اس فضا میں قدرت شاہ لاثانی کے حوالے سے گویا یہ جواب دے رہی ہے کہ بد بختو! تم تو اس حبیب یکتا، محبوب بے ہمتا

علیہ التحیۃ والثناء کو اپنے جیسا بشر ماننے منوانے پر تلے ہوئے ہو اور یہاں صورت حال یہ ہے کہ صدیوں بعد پیدا ہونے والے افراد جو اس رسول اعظم و اکرم ﷺ سے کامل وفاداری میں زندگی بسر کرتے ہیں 'لا ثانی' بن جاتے ہیں۔ اگر تم جیسے شیطان اس ذات ستودہ ﷺ صفات کو جو تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی سردار اور ان میں بھی لا ثانی ہے، لا ثانی کہنے کو تیار نہیں ہو تو دیکھو ان کے وارث، ان کے متبع، ان کے غلام، ان کے نائب کس طرح 'لا ثانی' مانے جاتے ہیں۔ یہی ہے وہ صورت حال جسے قدرت نے اقبالؔ کی زبان سے یوں پیش کیا ہے

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا 'لوح و قلم تیرے ہیں

ہاں ہاں اے بدبختو اور بدسرشتو! تمھارے لئے ڈوب مرنے کا مقام ہے کہ تم اصل ہر خوبی (ﷺ) کو 'لا ثانی' کہنے سے گریزاں ہو اور قادر مطلق کو یہ اس حد تک منظور ہے کہ ان کی آل اطہر کے ایک فرد کریم کو ایک دو نہیں، سو ہزار نہیں لاکھوں زبانیں لا ثانی کہتی اور لکھتی ہیں۔ ان میں کثیر تعداد ان کی ہے جو اصل اسم شریف کو بھلا کر صرف 'لا ثانی' ہی سے متعارف ہیں۔

دوسرے لفظوں میں یہ لقب 'لا ثانی' ظاہری و باطنی کمالات میں لا ثانی ہونے کی سند ہی نہیں بلکہ دور حاضر کی ان بیمار روحوں کو چیلنج بھی ہے کہ ظالمو! تم تو اس ذات اقدس کو 'لا ثانی' کہنے سے شرماتے ہو، جس کو لا ثانی ماننا ہی ایمان کی جان ہے، اور اس کا ثانی بننے سے نہیں ہچکچاتے جس کا ثانی ممکن ہی نہیں، ذرا اس کی آل کے ایک فرد کا جو اپنے دور کا لا ثانی ہے اپنی پوری جماعت سے ثانی تو دکھا دو ہاں واقعی ایک بار ایسا چیلنج بھی کیا گیا۔ شیر پنجاب حضرت مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ (خطیب اعظم سیالکوٹ) کے والد ماجد کا سالانہ عرس تھا۔ اس کی صدارت سیدی وسندی حضور نقش لا ثانی (اولین

سجادہ نشین دربار شہنشاہ لاثانی) کو کرنا تھی۔ مولانا نے جمعہ کے اجتماع میں عرس کا اعلان کرتے ہوئے مخصوص لوگوں یعنی منکروں کی طرف رخ پھیرا اور فرمایا 'سنو! تم لوگ تو امام الانبیاء والمرسلین حضور سید عالم نور مجسم ﷺ کو اپنے جیسا سمجھتے ہو اور اس موقع پر تمھیں کلمہ پڑھنے کی شرم بھی نہیں آتی، میں کہتا ہوں آج رات ہماری مسجد میں جو شخصیت تشریف لا رہی ہے، ذرا اس جیسا ہی اپنی پوری جماعت میں سے دکھا دو)

میں ان خوش نصیب لوگوں میں سے نہیں ہوں جن کو وقت کے غوث الاغیاث، قطب الاقطاب' سید الاسیاد' سند الاسناد فرد الافراد' واہب المراد حضور شہنشاہ لاثانی قدس سرہ النورانی کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ ہاں میرے لئے یہ چیز بھی از حد فرحت بخش ہے کہ حضور شاہ لاثانی قدس سرہ نے 'محمد حسین' نام رکھ کر اس بندہ ناچیز کو نوازا۔ (جیسا کہ گزشتہ شمارے میں بھی مذکور ہوا) روایت کے مطابق میری ولادت پر میرے والد ماجد نے موضع (بکنور تحصیل پٹھانکوٹ ضلع گورداسپور) سے دربار لاثانی میں حاضر ہو کر میرا نام پوچھا تو شہنشاہ نے فرمایا محمد حسین، محمد حسن۔ عام انسانی عقل کے مطابق تو اس کا مطلب یہ تھا کہ دونوں میں سے کوئی نام رکھ دو مگر تجربہ کار حاضر باش غلاموں کو معلوم تھا کہ اس سے مراد یہ تھی کہ ایک اور بیٹا بھی ہوگا۔ اس کا نام محمد حسین اور دوسرے کا نام محمد حسن رکھنا۔ یہ میرے آقا کا دائمی دستور تھا۔ مثلاً کسی کے ہاں بیٹا پیدا ہوا، وہ نام پوچھنے گیا، بعد میں اگر تین یا چار پیدا ہونے والے ہوتے تو حضور شہنشاہ لاثانی قدس سرہ ان سب کے نام پہلی بار ہی بیان فرما دیا کرتے تھے۔ مزاج شناس حضرات حضور شہنشاہ لاثانی رضی اللہ عنہ کے ارشاد فرمودہ ناموں کی گنتی سے آئندہ ہونے والے بچوں کی تعداد سے آگاہ ہو جاتے تھے۔

موقع کی مناسبت سے عرض ہے کہ نجدی و وہابی جن علوم کا حضور پرنور ﷺ کے لئے بھی انکار کرتے ہیں ان میں مافی الارحام (یعنی رحموں کے اندر کی چیز) کا علم

بھی ہے۔ اور ہم یہاں کسی صحابی، تابعی اور کسی امام و مجتہد کی نہیں، حضور [illegible]
رضی اللہ عنہ اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی بھی نہیں، بلکہ ایک ایسے مرد [illegible]
کررہے ہیں جو ان سب سے صدیوں بعد دنیا میں جلوہ فرما ہوا، لا ثانی کمالات [illegible]
اس کے علم کا یہ ہے کہ ما فی الارحام کے اسرار بے تکلف کھولتے چلا جاتا ہے [illegible]
جفر و رمل سے مدد نہیں لیتا، مراقبہ نہیں کرتا، توقف کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی اور [illegible]
کوئی دعا بھی زبان پر نہیں آتی مگر جس طرح حال کی بات کرتا ہے، اسی طرح [illegible]
بات کرتا ہے، دوسرے لفظوں میں عالم شہادت اس سے اوجھل ہے نہ عالم غیب [illegible]
تیرھویں اور چودھویں صدی ہجری میں آنے والا مرد کامل غیب بینی اور غیب دانی میں ایسا
کامل ہے تو پہلے بزرگوں کا اور پھر بالخصوص حضور پر نور شافع یوم النشور ﷺ کا کیا حال ہو
گا اور کون ہے آسمان و زمین میں جو ان کے مشاہدے کی وسعتوں کا اندازہ کر سکے، جن کا
اصل مقصد بعثت ہی عالم غیب سے انسانوں کو متعارف کرانا ہے اور جن کو اللہ [illegible]
شاہد' فرمایا ہے یعنی مشاہدہ فرمانے والا' جس طرح [illegible]
اور عرش و فرش کوئی شے بھی [illegible]
باہر نہیں ہے۔ سچ فرمایا اعلیٰحضرت نے

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

[illegible]

کھلی آنکھوں سے [illegible]

بے ادب و بدزبان اپنے زور بیان سے [illegible]
کر سکتا ہے۔ نہیں، ہرگز نہیں [illegible]
ہانکنا اور۔ لیس الخبر کالمعاینۃ [illegible]

اسی طرح دورِ حاضر کے کسی بھی اختلافی مسئلے کو لے لیجئے، مثلاً یہ کہ
پکارنے والے کی آواز کو حضور پرنور ﷺ خود سنتے ہیں یا نہیں۔ ظاہر ہے علماء
موقف کو دلائل سے ثابت کرنے کی کوشش کریں گے۔ مگر وہ شخص جس نے کسی
میں اپنے شیخ کو ہزارہا میل کے فاصلے سے آواز دی اور شیخ نے فوراً اس کا جواب
مشکل حل کر دی، حضور پرنور ﷺ کے سننے اور مدد کرنے سے کیونکر ا
ہے۔ انگریزوں کی منحوس آمد سے پہلے کسی کو ان عقائد سے انکار نہیں تھا اور
کاملین کے ماننے والوں کو مشائخ و کاملین کے ان تصرفات پر ایسا ہی یقین تھا
اپنی ذات پر، سینکڑوں کتابیں موجود تھیں جن میں اس قسم کے واقعات درج
وصال شریف کے بعد ان کے مزارات پر حاضر ہونے سے بھی مشکلات
کے یقین و ایمان کو اور پختہ کر دیتا تھا۔ گویا اہل ایمان کی قوت ایمان کا
بھی تھے۔ انگریزوں نے شیطانی آنکھ سے ان پر نظر دوڑائی اور ایمان
بجائے اپنا اقتدار طویل کرنے کے لئے انھیں ایک تو یہ سوجھی کہ حضور
آپ کی امت کا ناتا توڑنے کی کوشش کی جائے اور ان کی
کمالات و تصرفات

تصرفات کی اور اس ضمن میں یہ نکتہ بھی آ گیا کہ اللہ والوں کے ان کمالات وتصرفات کو دیکھ کر کس کو جرات ہو سکتی ہے حضور پر نور ﷺ کے کمالات وتصرفات کے انکار کی۔ (ہاں یہ الگ بات ہے کہ علمائے نجد و دیو بند کے ہاں یہ صورت حال نہیں ہے، وہ اپنے گروہ کے پیروں اور ملاؤں کے کمالات وتصرفات کو یونہی بیان کرتے ہیں جیسے ہم بیان کرتے ہیں مگر حضور سید عالم وعالمیاں ﷺ کے کمالات وتصرفات سے انکار کرتے ہیں اور اسی کو وہ توحید کا تقاضا سمجھتے ہیں۔ کتنی اندھی اور اوندھی توحید ہے نجد و دیو بند کے فرزندوں کی" جو ذات پاک اصل کمال، جان کمال اور انتہائے کمال ہے' اس میں کمال ماننا شرک اور اپنے پیروں اور مولویوں کے کمالات کا ماننا توحید۔ سچ فرمایا تھا

ایسی توحید تو شیطان بنادیتی ہے
دیکھ سرکار ﷺ کا انکار نہ ہونے پائے

بات ہو رہی تھی حضور شہنشاہ لاثانی قدس سرہ کی جو اب مزار لاثانی میں جلوہ گر ہیں۔ یقیناً اپنے دور کے مزارات میں یہ مزار بھی لاثانی ہے۔ دور دور سے سائل آتے ہیں اور مرادوں سے دامن بھر کر لوٹتے ہیں۔ روتے آتے ہیں ہنستے جاتے ہیں۔ یہ یقیناً امن وسکون کی تلاش کرنے والوں کے لئے گویا منزل مقصود ہے۔ میں نے ایک دفعہ عرض کیا تھا

روضے کے ترے پرنور ستوں، دیتے ہیں پیام امن وسکوں!
گویا ہر ایک سے پوچھتے ہوں 'کیوں جی! کیا صدمہ پہنچا ہے' ؟

جب یہاں مدینہ منورہ سے کئی ہزار کوس دور علی پور سیداں شریف کی سرزمین میں ایک مزار پر انوار کے آس پاس امن وسکون کے چشمے پھوٹ رہے ہیں تو خود مدینہ منورہ میں رحمت خداوندی کی موسلا دھار بارش کا کون اندازہ کر سکتا ہے جہاں رحمۃ للعلمین ﷺ جیسا رؤف ورحیم آقا ومولا اپنی رحمتوں، رافتوں، برکتوں، دولتوں،

جودتوں، سخاوتوں، عنایتوں، سعادتوں اور کرامتوں کے ساتھ جلوہ گر ہے۔

حضور نقش لاثانی قدس سرہ: یہ تھے عرس لاثانی کے پہلے منسوب الیہ بزرگ، یعنی حضور شہنشاہ لاثانی اب آیئے دوسرے منسوب الیہ بزرگ کی طرف اور وہ ہیں حضور شہنشاہ لاثانی کے نبیرۂ مقدس حضور شہنشاہ ولایت سرکار نقش لاثانی قدس سرہ۔ بات یہ ہے حضور شہنشاہ لاثانی قدس سرہ کے تین صاحبزادے تھے (علیہم الرحمہ) یہ تینوں حضرات منزل شباب سے آگے نہ بڑھ سکے بلکہ اپنے عظیم ولاثانی والد ماجد کے وصال شریف سے پہلے ہی جوانی میں واصل بحق ہو گئے،

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ وَرَحْمَتُہ اللّٰہِ عَلَیْہِم ۔حضور شہنشاہ لاثانی قدس سرہ کے وصال شریف کے دنوں میں ان تینوں صاحبزادگان کے مجموعی طور پر سات صاحبزادے موجود تھے۔ ہمارے آقا و مولا حضور نقش لاثانی قدس سرہ شہنشاہ لاثانی قدس سرہ کے فرزند اوسط کے فرزند اوسط تھے۔ چونکہ آپ نے اپنے جدامجد شہنشاہ لاثانی کی لاثانی خدمت سرانجام دی تھی، اسی لئے خدمت کے عنوان سے آپ کو اس عظیم آستانے کا محافظ و پاسبان بنا کر سجادہ نشین مقرر کیا گیا۔ یوں تو دو اور صاحبزادوں کے سر پر بھی دستار رکھ دی گئی تھی مگر حضور شہنشاہ لاثانی قدس سرہ کی توجہ نے ایک عالم کو اپنے اصلی وارث اور جانشین کی پہچان پہلے ہی کرا دی تھی۔ اس سے بڑی بات کیا ہوگی کہ آخری دنوں میں ہر مست شد کو حضور خود ان کے حوالے کرتے تھے اور فرماتے تھے' ان سے بیعت مجھ سے بیعت ہے'۔ یوں تو اپنے جدامجد اور پیر و مرشد قدس سرہ کی خدمت میں یوں چاق و چوبند رہنا کسی سے مخفی نہیں تھا مگر اس میں پر لطف بات یہ ہے کہ خود حضور شہنشاہ لاثانی قدس سرہ بھی کبھی کبھی اس کا اظہار فرما دیا کرتے تھے مثلاً آپ کو دیکھتے کبھی یہ مصرع پڑھتے

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد

ترجمہ: جس نے بھی خدمت کی، وہ (دوسروں کا) مخدوم ہوگیا۔

دن رات خدمت اقدس میں خادمانہ رہنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ جلد ہی قرب تمام اور وصل دوام میسر آ گیا۔ گویا 'فنافی الشیخ' کی منزل ہاتھ آ گئی اور وہی صورت پیدا ہوگئی جس کا نقشہ ایک بزرگ نے یوں کھینچا ہے

من تو شدم تو من شدی، من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری!

شاید زیادہ مشکل منزل یہی ہوتی ہے، یہ طے ہو جائے تو کہتے ہیں فنافی الرسول، فنافی اللہ اور بقاباللہ (جن کا ہمیں شعور تک نہیں) میں زیادہ دیر نہیں لگتی۔

یہ اور اس قسم کی بہت سی باتیں باطنی مقامات سے تعلق رکھتی ہیں اور انھیں باطن والے ہی سمجھ سکتے ہیں۔ ہم بیچارے کورے کے کورے ان 'اندر' کی باتوں کو کیا جانیں۔ تاہم ظاہر کی بھی ایک اہمیت ہے۔

بزرگان دین کے ہاں یہ قول از حد مشہور و معروف ہے

اَلْاِ سْتِقَا مَۃُ فَوْقَ الْکَرَ امَۃِ

یعنی استقامت کا درجہ کرامت سے بھی بڑھ کر ہے

ان کے ہاں شریعت کی ظاہری پابندی بھی ایک بڑا پیمانہ ہے۔ پیری کا دعویٰ کرنے والا پرندوں کی طرح ہوا میں اڑے یا مرغابیوں کی مانند پانی میں تیرے، اگر محبوب خدا سرور دوسرا علیہ التحیۃ والثناء کی سنت شریفہ کا پابند نہیں، تو اس کے ایسے کرشموں کی کوئی حیثیت نہیں۔

میری ظاہر بین نگاہوں کو الحمدللہ سالہا سال خدمت اقدس میں رہنے کا اتفاق ہوا۔ میٹرک کا امتحان دینے کے بعد (۱۹۵۶ء میں) میں یتیم ہوگیا تھا تو حضور نقش لاثانی قدس سرہ کی یتیم پروری اور گدانوازی اس عاجز کے سر پر سایہ فگن رہی اور کسی مرحلے میں بھی میری ہزار ہا خطاؤں کے باوجود ان کی چادر عفو و کرم کا سایہ میرے سر سے جدا نہ ہوا

آخری سالوں میں تو شاید ہی کوئی سفر ایسا ہو جس میں یہ سگِ در اپنے آقا کی خدمت میں نہ ہو۔ مگر خلوت وجلوت میں ہمیشہ انھیں شرع مطہر کا احترام کرتے ہی پایا۔ ظاہر ہے نقش لاثانی اگر استقامت میں اپنے دور کا لاثانی ہے، تو کرامت میں بھی ہونا ہی چاہیئے تھا۔ چنانچہ دیکھنے والوں نے دیکھا جیسے کرامتوں کی بارش ہو رہی ہو اور ایک ہی وقت میں ایک نہیں دو دو چار چار کرامتوں کا ظہور ہو رہا ہے۔ اس سلسلے میں اس عاجز نے باقاعدہ آپ کی برکات وکرامات پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس کے آج تک کئی ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ کتاب کا نام ہے ﴿سیرت حضور نقش لاثانی (برکات وکرامات)'﴾ اس وقت تک کا آخری ایڈیشن بھی ختم ہو رہا ہے۔ انشاء اللہ ضروری ترمیمات کے ساتھ اگلا ایڈیشن جلد ہی منظر عام پر آنے والا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کتاب چھپ کر آ گئی تو محسوس ہوا جیسے بہت سی ایسی کرامات بھی جو خود میری آپ بیتی سے منسلک ہیں، رہ گئی ہیں۔

بیمار کی بیماری دور کرنا بے اولاد کے ہاں اولاد کا ہونا، مقدمے میں فتح، وغیرہ وغیرہ عموماً انھیں کو کرامات کے ضمن میں بیان کیا جاتا ہے۔ یہاں ان کی کوئی خاص اہمیت نہیں تھی، یہ تو گویا روز مرہ کا معمول تھا۔ کبھی کبھی آپ کسی ایسے کام پر کسی کمزور سے آدمی کو متعین کر دیتے جس سے 'ظاہر کا' بڑا بھی جواب دے تو وہ بڑا کام بھی بظاہر کمزور سا آدمی کرا لیتا تھا۔ مثلاً سابق وفاقی وزیر چودھری انور عزیز صاحب نے کسی کام کو اپنے بس سے باہر جانا تو موضع اوڈرہ تحصیل شکر گڑھ کا رہنے والا درویش صوفی محمد رفیق اسی وقت کہہ اٹھتا ہے 'کہ یہ کام تو میں بھی کرا سکتا ہوں' اور وہ کرا سکے تو کتنے تعجب کی بات ہے۔ مگر یہاں تو ایسا ہوتا ہی رہا ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کسی سادہ سے درویش کا ایسے موقعے پر ایسی بات کہنا بھی شاید ان کے تصرف سے ہوتا تھا کیونکہ یہ بات میرے جیسے بہت سے دوستوں نے دیکھی کہ میرے منہ کی زبان میری ترجمانی نہیں کر رہی اور میری بات پیش نہیں کر رہی بلکہ جو حضور نقش لاثانی اس سے اگلوانا چاہتے ہیں، اس سے وہی

بات ادا ہوگی۔ مثلاً کوئی دربار شریف سے جانا چاہتا اور حضور نقش لاثانی قدس سرہ اسے رکھنا چاہتے تو پوچھتے 'رہنا ہے یا جانا' تو اس کی زبان پر 'رہنا ہے' ہی آتا وغیرہ وغیرہ۔ کسی نعت خوان کا گلا ساتھ نہیں دے رہا، آپ اسے نعت پڑھنے کا حکم دیتے تو فوراً گلا ٹھیک ہو جاتا، تقریر و تحریر میں آپ کی توجہ کی برکات مخفی نہیں رہتی تھیں۔

آپ شکر گڑھ آ کر دیکھ لیں۔ اذان کے وقت پورا شہر درود و سلام کی دلنواز صداؤں سے گونج رہا ہوتا ہے۔ مگر میں جب ۱۹۶۱ء میں یہاں اشاعت اسلام ہائی سکول میں ملازمت کے سلسلے میں آیا تو صورت حال بالکل مختلف تھی۔ یہاں کی مساجد اکثر و بیشتر سنی حضرات کی تھیں مگر ان پر قبضہ 'قبضہ گروپ' کا تھا۔ سارے شہر میں گھوم پھر کر ایک مسجد ایسی نہیں ملتی تھی جس کا امام صحیح العقیدہ سنی ہو۔ بڑی پریشانی تھی۔ ایک دفعہ آپ موضع فتو چک میں تھے۔ میں نے (شکر گڑھ کا) یہی رونا رویا تو فرمایا 'کام شروع کر دے' میں نے جو کہا 'اللہ تیرے ساتھ ہے، اللہ کا رسول ﷺ تیرے ساتھ ہے، اللہ کے ولی تیرے ساتھ ہیں اور میں تیرے ساتھ ہوں، یہ فرمانا تھا کہ دل کو سکون مل گیا اور صبح شکر گڑھ آ کر دیکھا تو صبح انقلاب طلوع ہو چکی تھی۔ چند ہفتوں میں حضرت مولانا ابو محمد محمد عبدالرشید قادری رضوی علیہ الرحمۃ بھی تشریف لے آئے اور پھر وہ کچھ ہو کے رہا جو زبان مبارک سے نکلا تھا۔

فطرت کے اعتبار سے میں سخت ڈرپوک ہوں مگر حیرت ہے حضور نقش لاثانی قدس سرہ کی برکت سے اکثر بڑے بڑے معرکوں میں ایسی فتح حاصل ہوئی کہ میرے سان گمان میں بھی نہیں تھی۔

محفل میلاد: آیئے کتاب مستطاب 'سیرت حضور نقش لاثانی (برکات و کرامات)' کے الفاظ میں اس کا مطالعہ کریں۔

جناح اسلامیہ کالج سیالکوٹ کی مسجد میں محفل میلاد کا انعقاد ہوتا تھا، کبھی مہینے میں، کبھی دو چار مہینوں میں ایک بار۔ ۱۹۸۴ء میں کالج یونین کے

انتخابات میں ایسے نوجوان کامیاب کرائے گئے جنہیں میلاد کی محفل پسند نہیں تھی ۔ پرنسپل صاحب نے ایک طالب علم کی زبانی درخواست پر منظوری دے دی مگر بعد میں یونین کے زیراثر مکر گئے اور درخواست گزار سے صاف صاف کہہ دیا کہ پہلے یونین والوں کو منالو پھر محفل میلاد ہوگی مگر وہ ماننے والے تھے ہی نہیں ۔ پرنسپل صاحب نے پہلے جو وعدہ فرمایا تھا اس کے مطابق غالباً ہفتے کے دن یہ محفل ہوتی ۔ وہ دن آیا تو صبح اسمبلی میں ایک بہت بڑے عالم دیوبند کی اقتدا میں جناح پارک میں بارش کے لئے نماز استسقا پڑھنے کا اعلان کیا گیا ۔ چنانچہ اساتذہ اور طلبہ میں وہ سب لوگ جو ذکر نبی ﷺ روکنا چاہتے تھے مسرور مطمئن تھے اور میں سخت پریشان (حالانکہ محفل میلاد کا مطالبہ نہ میں نے کیا تھا اور نہ مجھ سے پوچھ کر کیا گیا تھا ۔ پریشانی صرف یہ تھی کہ میرے گردوپیش ذکر نبی ﷺ روکنے کی سازش کامیاب ہو جائے تو اپنا جینا فضول)

ان دنوں میں ہر روز دربار شریف حاضر ہوتا تھا ۔ اتفاق سے عزیز محترم غلام سرور گھمن پرنسپل لاثانی آئیڈیل سکول شکرگڑھ بھی اپنے سکوٹر پر کالج آ گئے ۔ میں انہی کے ساتھ از حد دل گرفتہ حالت میں حضور قبلہ عالم نقش لاثانی علیہ الرحمۃ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہو گیا ۔ رات تو کچھ عرض نہ کیا البتہ صبح تہجد کے وقت حسب معمول حاضر ہوا ۔ تو حضور نفل پڑھ کر اپنی مبارک چارپائی پر جلوہ فرما تھے ۔ چند خدام بھی حجرہ مقدسہ میں موجود تھے ۔ میں نے داخل ہوتے ہی آپ کا ایک نعل (جوتا) شریف اپنے سر پر رکھ لیا حضور نے فرمایا ”ہیں ہیں یہ کیا؟“ میں نے عرض کیا یہ میرے لئے تاج ہے اور یہاں کے کتوں کا ادب کروں یہ میری سعادت ہے مگر جس ماحول میں آپ نے مجھے رکھا ہے وہاں محفل میلاد شریف روک دی جائے یہ

میرے لئے موت سے بدتر ہے۔اس لئے آج یا تو محفل میلاد کے انعقاد کے لئے دعا کریں یا میری موت کی۔حضور نے فرمایا"محفل میلاد کراؤ دیکھیں کون روکتا ہے؟"پھرعرض کیا۔میں نے دوسرے مخصوص اساتذہ کی طرح کبھی کالج کے معاملات میں بھی دخل نہیں لیااور طلبہ سے بھی عموماً رابطہ پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی کم ازکم حضوراکرمﷺ کے ذکر پر تو پابندی نہ ہو۔کالج آیا تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے خوف وہراس یہاں سے ختم ہو گیا ہےاور درودیوار مجھ سے مسکرا رہے ہیں۔کلاس کے دوران میں نے طلبہ سے پوچھا"کیا تمہیں میں نے کسی کو ووٹ دینے کے لئے کہا؟"بولے" نہیں"پوچھا"کیا اگر میں دخل لیتا تو کم ازکم اسی فیصد ووٹ میرے کہنے پر نہ ڈالے جاتے"بولے"ضرور"پھرکہا"اب پانی سر سے گزر گیا ہے لوگوں نے محفل میلاد روکنے کی کوشش کی مجھے جہاں سے منظوری لینی تھی' لے آیا ہوں۔تمہارا کیا خیال ہے؟""بولے ہوگی اورضرور ہوگی"دوسری کلاس میں گیا تو وہاں بھی یہی سوال وجواب ہوئے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب کچھ اساتذہ تو ان نوجوانوں کے گائڈ تھے۔اکثر اساتذہ محتاط وپریشان حتیٰ کہ پرنسپل صاحب بے اختیار ہو کے رہ گئے تھے ان کے دفتر میں بعض بعض کو پیٹتے مگر پوچھنے والا بلکہ چھڑانے والا کوئی نہ تھا۔اس حال میں عام طلبہ کا جو حال ہوسکتا ہے خود اندازہ کیجئے۔آج طلبہ نے یوں للکار کر میری تائید کی تو گویا نگاہ مردمومن سے تقدیریں بدل گئی تھیں۔

طلبہ سے فارغ ہو کرمیں پروفیسر غلام عباس قریشی شہید سے ملا یہ صاحب یوں لگتا تھا جیسے مٹی کے نہیں ایمان کے بنے ہوئے تھے۔فرمایا کرتے تھے"دعا حضرت سے کرا آیا کرو' پھر مجھے کام بتادیا کرو۔یہ نہ سوچا

کرو کہ کیسے ہوگا" میں نے ان سے ساری روداد بیان کی۔ سنتے ہی گرم ہو گئے۔ پرنسپل صاحب کو کلاس کی کاروائی معلوم ہو چکی تھی' انہوں نے میری بجائے قریشی صاحب کو بلا کر میری شکایت کی۔ قریشی صاحب اپنے عاشقانہ ومجاہدانہ انداز میں ان کے پیچھے پڑ گئے۔ آخر ایک گھنٹے کے سرد وگرم (ایک طرف سے سرد دوسری طرف سے گرم) مذاکرے کے بعد پرنسپل صاحب نے دوبارہ محفل میلاد منعقد کرنے کا وعدہ کرلیا۔ ہاں وقت ٹالنے کے لئے یہ بہانہ کیا کہ محفل میلاد نہایت شان وشوکت سے منائی جائے گی، اس کے لئے دعوت نامے شائع کئے جائیں گے اور معززین بلائے جائیں گے' ایک دوبار تاریخ کا تعین کر کے پھر ملتوی کر دیتے۔ آخر ایک دن حضور فرمانے لگے "اس جمعرات کو محفل کرالینا"۔ میں نے کالج میں اعلان کر دیا اور قریشی صاحب سے عرض کر دیا کہ حضور نے یہ دن مقرر فرمایا ہے۔ طلبہ کو بھی بتا دیا کہ اسے ملتوی نہیں کیا جائے گا (انشاء اللہ) اگلے روز دربار شریف صاحبزادہ سعید الرشید عباسی سلام کرنے آئے تو انہیں بھی محفل میلاد میں خطاب کی دعوت دے دی۔

مقررہ تاریخ آئی تو میں نے اپنے بھانجے محمد عطاء الحق اور عزیز القدر محمد نسیم قمر کو صبح کالج لگتے ہی مسجد میں بھیج دیا کہ صفیں درست کریں اور لاؤڈ سپیکر کو ٹیسٹ اور سیٹ کریں۔ موسم ابر آلود تھا اور دن بھی جمعرات کا' جب کالج میں حاضری اکثر کم ہوتی ہے مگر آج طلبہ کالج کے لئے نہیں بلکہ ذکر حبیب علیہ الصلوۃ والسلام کے لئے نزدیک ودور سے آئے تھے۔ تلاوت ونعت کے ساتھ آغاز ہوا اور جید علماء نے جی کھول کر فضائل سرکار مدینہ ﷺ بیان کئے۔ عباسی صاحب کی تقریر جان تقریب تھی۔ میں نے اسی روز دربار شریف سے آتے ہوئے بس میں چند شعر موقع کی

مناسبت سے ' ڈزوں کئے تھے جو محفل میں سنائے گئے۔ آیئے' آپ بھی ان سے لطف اندوز ہوں (ان سے حالات کا اندازہ کرنے میں مزید مدد ملے گی) حافظے میں جو اشعار محفوظ ہیں درج ذیل ہیں۔

جگمگ جگمگ ساری محفل ذکر نبی ﷺ کی برکت سے!!
آؤ اپنے دامن بھر لو عشق نبی ﷺ کی دولت سے !
بے ان کے ہم کچھ بھی نہیں تھے، بے ان کے ہم کچھ بھی نہیں
سب کچھ پاس ہے، سب کچھ ہیں ہم ایک نبی ﷺ کی نسبت سے
عشق نبی ﷺ والوں سے پوچھو، تخت سے تختہ بہتر ہے
کوئی بڑا اعزاز نہیں ہے اس اعزاز شہادت سے !!
عشق نبی ﷺ نے کیا کیا قوت بخشی ہم کمزوروں کو !
بزم جہاں میں لوگ ہمارا منہ تکتے ہیں حیرت سے
وقت کے فرعونوں سے کہہ دو جو جی چاہے کر گزرو!
ہم نہ ڈرے ہیں' ہم نہ ڈریں گے طوفانوں کی شدت سے
آسی ! ہم نذر جاں لے کر سوئے مدینہ چلتے ہیں
شاہ لاثانی کا صدقہ کریں قبول وہ رحمت ﷺ ؟ سے !!!

آپ پیچھے دیکھ آئے ہیں' جس روز پہلے محفل میلاد کا انعقاد ہونا تھا' اسی روز جناح پارک میں نماز استسقا پڑھی گئی اور یہ سلسلہ چھ دن جاری رہا۔ اس کا اثر ظاہراً یہ تھا کہ بادل صبح سویرے رونما ہوتے تھے، نماز کے بعد وہ بھی اڑ جاتے تھے۔ نیز اس پس منظر میں کہ ڈیڑھ دو مہینے سے بارش کا انتظار تھا، محفل میلاد شریف کے ایک مقرر نے نجانے کس جوش میں کہہ دیا۔

اگر ہمارا نبی کریم ﷺ سے غلامانہ ربط ہے

''تو آج بارش ضرور ہوگی''

تقریب بخیر و عافیت صلوٰۃ وسلام اور تقسیم تبرک پر ختم ہوئی، بعد میں سنا کہ روکنے والے بڑے پیچ وتاب کھاتے رہے،کوئی آگے بڑھتا،کوئی اسے تھامتا مگر مسجد ان سے ''پاک'' رہی۔سنا ہے پرنسپل صاحب کو بھی دفتر میں دھمکایا گیا مگر انہوں نے بھی صاف صاف جواب دیا'' میں کوئی کافر نہیں کہ حضور ﷺ کا ذکر روکنے کی کوشش کروں، آپ روک سکتے ہیں تو روک لیں''۔

معمول کے مطابق دربار شریف حاضر ہوا تو راستے میں بارش ہورہی تھی اور یہاں آکر معلوم ہوا کہ حضور نے سب درویش اکٹھے کئے۔انھیں خوب انعامات سے نوازا اور فرمایا بارش کیلئے''دعا کرو'' آج بارش ہونی چاہئے۔چند روز بعد''مانعین'' نے سیرت کانفرنس منعقد کرنے کا پروگرام بنالیا گویا یہ ان کی طرف سے جوابی کاروائی تھی۔مگر تاریخ مقررہ سے دو دن قبل سارے پاکستان میں کالج یونینز پر پابندی لگ گئی۔مقررہ دن آیا تو کالج ہال پر تالا تھا اور وہ سیرت کانفرنس کی بجائے ضیاءالحق کو گالیاں دے رہے تھے۔تھوڑے عرصے بعد کالج میں ایک دوسرا انقلاب بھی آگیا ذکر نبی ﷺ روکنے والوں کا زور ٹوٹ گیا اور ذکر نبی ﷺ کرانے والوں کا غلبہ ہوگیا۔سچ عرض کیا اعلیٰ حضرت مجدد ملت فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے

مٹ گئے، مٹتے ہیں،مٹ جائیں گے اعدا تیرے
نہ مٹا ہے ، نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا!!!!!

وہ ہولناک حالات جن کا نہایت نا تمام نقشہ میں نے بیان کرنے کی کوشش کی ہے،ان کو مکمل طور پر بدلنا،عقل عقدہ کشا کے بس کا کام نہیں تھا یقیناً ''اللہ نے بدلا'' کہ وہی قادر مطلق ہے مگر میری' آپ کی دعا سے نہیں

قطب عصر، غوث زماں، قیوم دوراں حضور نقش لاثانی قدس سرہ النورانی کی دعا سے اور ایسا انقلاب خود ان کے قطب وغوث و قیوم ہونے کی دلیل ہے۔ ایک ادارے میں شرارت ہو اور پورے ملک میں بین لگ جائے ہرگز معمولی بات نہیں۔

چھوٹی موٹی رکاوٹیں اس سے پہلے بھی آتی رہیں اور وہ بھی حضور نقش لاثانی کی توجہ سے دور ہوتی رہیں البتہ یہ صورت حال نا قابل بیان حد تک تند و تلخ تھی (اس لئے صرف اسی کا ذکر کیا) محفل میں جو خطابات ہوئے اور جو میں نے نعت تازہ سنائی، یوں محسوس ہوتا تھا ہر کہیں حضور کی دعا کا فیض شامل ہے۔

۲۷ جولائی ۱۹۸۷ء کو آپ کا وصال شریف ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ o اولاد نرینہ حضور نقش لاثانی قدس سرہ کے دو صاحبزادگان بلند شان تھے۔

۱۔ عارف حقانی عالم ربانی اعلیحضرت پیر سید عابد حسین شاہ صاحب نقشہ نقش لاثانی (المعروف بہ لالہ جی سرکار) قدس سرہ

۲۔ پیکر زہد و تقویٰ عاشق خدا و رسول ﷺ اعلیحضرت پیر سید محمد اسمٰعیل شاہ صاحب (المعروف بہ کاکا جی سرکار) دامت برکاتہم العالیہ

یکم، ۲۔ اکتوبر کے سالانہ عرس مقدس کے تیسرے منسوب الیہ بزرگ حضور نقشہ نقش لاثانی پیر سید عابد حسین شاہ صاحب قدس سرہ ہیں۔ آپ درس نظامی سے با قاعدہ فارغ التحصیل عالم دین تھے۔ بھکھی شریف، جامعہ نظامیہ لاہور جیسے مدارس اہل سنت میں علمی پیاس بجھانے کے بعد آپ نے دورۂ تفسیر کے لئے شیخ القرآن حضرت پیر مولانا عبدالغفور ہزاروی علیہ الرحمہ کے سامنے اور دورۂ حدیث کے لئے جامعہ رضویہ فیصل آباد میں محدث کبیر حضرت مولانا غلام رسول رضوی کے حضور زانوے تلمذ تہ کیے۔ پھر کئی سال تک چک نمبر ۱۹۲ میں خطابت کے فرائض سرانجام دیئے۔

بظاہر دربار شریف سے دور تھے مگر فرمایا کرتے تھے اس چک میں ہر رات حضور نقش لاثانی قدس سرہ کی باقاعدہ زیارت ہوتی اور دن بھر کے کئے ہوئے کاموں پر اپنا فیصلہ صادر فرماتے، اگر کام اچھا ہوتا تو شادمانی کا اظہار فرماتے ورنہ خفگی کا۔ اپنے عظیم والد ماجد قدس سرہ کے وصال شریف سے چند سال قبل دربار شریف میں تشریف لائے مگر یوں ادب وسادگی سے زندگی بسر کی جیسے کوئی عام سادرویش۔ پیری ومریدی کے بارے میں شکوک وشبہات رکھنے والے اس دور میں آپ کی زیارت کر لیتے تو بغیر کسی بحث وتمحیص کے وابستۂ دامن ہو جاتے۔ اس انتہائی سادگی کے باوجود دین کی غیرت سے معمور تھے اور کوئی شخص خلاف شرع حرکت کرتا تو جلال میں آجاتے۔ اللہ اور اس کے رسول اعظم واکرم ﷺ کی محبت میں ایسا زار وقطار رونے والا میں نے کم ہی دیکھا ہے۔ دعا کے وقت اس بیقراری سے روتے تھے کہ لگتا تھا جیسے درو دیوار بھی رو رہے ہوں۔ آخری دور میں کئی مہینے صاحب فراش رہے۔ اگر کوئی شخص صحت کی دعا کر بیٹھتا تو ناراض ہو کر فرماتے 'کیا مرنا نہیں ہے' کیا دنیا سے جانا نہیں ہے۔ میں نے بخاری شریف میں ایک حدیث پاک دیکھی ہے۔

مَنْ اَحَبَّ لِقَآءَ اللّٰہِ، اَحَبَّ اللّٰہُ لِقَآءَہٗ

ترجمہ: جو اللہ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے

دور حاضر میں اللہ کی ملاقات کو پسند کرنے والے کی بہترین مثال حضور نقشہ نقش لاثانی قدس سرہ تھے، اور ظاہر ہے آپ اس کی جزا سے بھی نوازے گئے۔ رہ گئیں آپ کی کرامات تو وہ انشاء اللہ کسی آئندہ صحبت میں بیان کی جائیں گی۔

غزوہ احد

قسط نمبر 57

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اب یہ خیال ہے کہ محبوبانِ خدا کے جو کمالات وتصرفات میدانِ جہاد میں ظاہر ہوتے رہے اور جن سے بعض اوقات میدانِ جنگ کا نقشہ بھی بدلتا رہا، انھیں بیان کیا جائے تاکہ ان کی اہمیت کا ایک اور پہلو اجاگر ہو جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا کے محبوب اعظم ﷺ کے معجزات اور ان کے نائبوں اور وارثوں کی کرامات فیضانِ سماوی ہی کی تعبیر ہیں اور مسلمانوں اور کافروں کے درمیان وجہ امتیاز بھی۔ حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے اسی لئے فرمایا ہے ؎

وہ قوم جو فیضانِ سماوی سے ہے محروم
حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات

کفار کا سارا دارومدار کثرت تعداد یا کثرت سامان پر ہوتا ہے مگر فرزندانِ اسلام کا دارومدار تعداد وسامان کی بجائے ایمان پر ہے اور اس کے نتیجے میں اترنے والی رحمت خداوندی پر۔ کافر کے پاس لڑنے والے کم ہوں یا سامانِ جنگ قلیل ہو، تو وہ ہمت وحوصلہ ہار دیتا ہے مگر مومن چونکہ قادر مطلق کا بندہ اور قادر مطلق کے مظہرِ قوت وقدرت

حضور پرنور ﷺ کا عاشق ہوتا ہے، اسی لئے اس کی نظر دنیوی سامان کی قلت و کثرت پر نہیں ہوتی، بقول حکیم الامت ؎

کافر ہے تو شمشیر پر کرتا ہے بھروسا
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

حقیقت یہ ہے وہ اپنے اللہ جل مجدہ اور حبیب مکرم و معظم ﷺ کے عشق سے سرشار ہوتا ہے، اسے اپنی جان کی پرواہوتی ہے نہ مال کی، وہ سب کچھ راہ عشق پر قربان کر کے 'وصل جاناں' سے مشرف ہو جانا چاہتا ہے اور پھر قدرت اس کے ایمان واخلاص کی بناپر اسے دنیا و مافیہا سے بالاتر کر دیتی ہے۔ اس کے نزدیک تاج و تخت کی کوئی اہمیت رہ جاتی ہے نہ مال وزر کی۔ اسی قسم کے لوگ ہیں جن کے متعلق حضرت اقبال علیہ الرحمۃ 'طارق بن زیاد رضی اللہ عنہ کی دعا' کے زیر عنوان فرماتے ہیں ؎

یہ غازی، یہ تیرے پر اسرار بندے
جنھیں تو نے بخشا ہے ذوق خدائی
دونیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی
دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی
شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی!

مجاہدوں اور غازیوں کے ان پاکیزہ جذبات کی انتہا ان لوگوں میں پائی جاتی تھی جو حبیب خدا سرور انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی صحبت سے مشرف ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ اتنی وسیع تعداد میں اس قسم کے لوگ تیار کرنا حضور پرنور ﷺ کا معجزہ در معجزہ ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بعض دوسرے انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے والے بہت کم بھی تھے اور نشہ عشق وایمان سے زیادہ سرشار بھی نہیں تھے۔ مگر یہاں جسے دیکھو، اپنی اپنی شان کے مطابق عشق وایمان کا پیکر دکھائی دیتا ہے، پھر مرد ہی نہیں، خواتین بھی اسی جذبے سے سرشار ہیں اور خدا اور رسول ﷺ کی رضا پر سب کچھ نثار کرنے کو تیار ہیں۔ ان کی داستان ہائے کیف ومستی بعد میں آنے والوں کے لئے روشنی اور ہدایت کا بہت بڑا مینار ہیں۔ یہاں بعض کے ذوق وشوق کا جوذکر ہوگا سوایک تو حضور پرنور شافع یوم النشور ﷺ کے معجزے کے طور پر ہوگا اور دوسرے اس بات کی وضاحت کے لئے کفر کے مقابلے میں اسلام کی کامیابی کا دارومدار اسی جذبے پر تھا۔ آج بھی قوم کو اسی جذبے کی ضرورت ہے۔ حکیم الامت فرماتے ہیں ؎

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کردے
دہر میں اسم محمد ﷺ سے اجالا کردے

اس قوت عشق ایمان سے 'ناممکن'، 'ممکن' ہوجاتا ہے ؎

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

غزوہ احد میں پہلے پہل مسلمان کامیاب ہوئے اور پھر جنگ کا پانسہ پلٹ گیا، آخر کیوں، حضور پرنور ﷺ کے ارشاد کی تعمیل میں سستی کرنے کی بنا پر۔ رہتی دنیا کے مسلمانوں کے لئے اس میں یہ سبق پوشیدہ ہے کہ اہل ایمان کی کامیابی حضور پرنور ﷺ کی اتباع واطاعت میں مضمر ہے، اگر معاذ اللہ اس سے بے پرواہو گئے تو فطرت کو ہماری تباہی و بربادی کی قطعاً پروانہیں ہوگی۔ آج جو بیدینوں کو سرآنکھوں پر بٹھا کر اسلام کے ساتھ عملاً بغاوت کی جارہی ہے، اس کا انجام ایک زلزلہ ہی نہیں، نجانے اور کیا کچھ ہوگا۔ ہاں ہاں فحاشی و بے حیائی کا جوسیلاب بلاخیز اب لایا جارہا ہے، اس کا نتیجہ تباہی بلکہ دو

جہان کی رسوائی کے سوا کیا ہو سکتا ہے۔ چاہیئے تو یہ تھا مشرف خوب توبہ واستغفار کر کے ساری قوم کو اسی ڈگر پر چلاتا، مگر افسوس حکمرانوں کے دماغوں پر ایسی شیطنت مسلط ہو چکی ہے کہ ظلمتوں میں کھو کر انھیں اب کوئی روشن راستہ نظر نہیں آتا۔

بہر حال ذیل میں غزوۂ احد کے چند پہلو پیش خدمت کئے جاتے ہیں تاکہ قوم کے لئے سرمایہ عبرت و نصیحت بن سکیں اور حکایات عشق پڑھ کر لذت عشق سے سرشار ہو سکیں نیز معجزات و تصرفات دیکھ کر 'فیضان سماوی' کی اہمیت سے بھی آگاہ ہو جائیں۔ اس تحریر کا انحصار علامہ سیوطی قدس سرہ کی 'الخصائص الکبریٰ' پر ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ 'ضیاء النبی' پر۔

حضور سید عالم ﷺ کا خواب: جنگ سے پہلے مدینہ منورہ میں رات کو حضور پرنور ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ گویا آپ مضبوط زرہ پہنے ہوئے ہیں، آپ کی تلوار ذوالفقار ایک طرف سے ٹوٹ گئی ہے۔ ایک گائے پر نظر پڑی جو ذبح کی جارہی ہے اور آپ کے پیچھے ایک مینڈھا سوار ہے۔ صبح کو آپ نے یہ تعبیر بیان فرمائی کہ مضبوط زرہ مدینہ ہے، تلوار کی شکستگی ذات شریف پر مصیبت ہے (بخاری شریف میں ہے کہ تلوار کا اوپر کا حصہ ٹوٹ گیا جس کی تعبیر اصحاب کرام کی شکستگی و ہزیمت تھی) گائے آپ کے وہ اصحاب ہیں جو شہید ہوں گے اور مینڈھا سوار کبش الکتیبہ ہے جسے اللہ تعالیٰ قتل کرے گا۔ الخصائص الکبریٰ کی روایت کے مطابق خواب میں پھر میں نے اسی تلوار کو گھمایا تو وہ جیسے پہلی تھی ویسی ہی ہوگئی تو اشارہ یہ تھا کہ آخر میں پھر فتح مسلمانوں کی ہوگی۔ بعض نے خواب کے بیان میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضور پرنور ﷺ نے فرمایا 'میں نے اپنی تلوار کی دھار میں کئی دندانے دیکھے ہیں، پھر اس کی تعبیر یوں فرمائی کہ 'میرے اہل بیت سے ایک شخص قتل کیا جائے گا۔

رائے عالی اور نبی کی شان: (علیہ الصلوۃ والسلام) اس خواب کی بنا پر حضور پرنور ﷺ کی رائے عالی یہ تھی کہ لڑائی مدینہ منورہ کے اندر لڑی جائے، اکابر مہاجرین وانصار بھی

اسی میں مصلحت سمجھتے تھے مگر وہ نوجوان جو جنگ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے ملتجی ہوئے کہ باہر نکل کر لڑنا چاہئے۔ حضور ﷺ نے ان کے جذبہ شہادت کی قدر کرتے ہوئے ان کے اصرار پر باہر لڑنے کا فیصلہ کرلیا۔ جب حضور پرنور ﷺ دوہری زرہ پہن کر باہر تشریف لائے تو اب نوجوانوں کو بھی اپنی خطا محسوس ہوئی لہذا عرض گزار ہوئے کہ حضور ﷺ کا فیصلہ ہی زیادہ مناسب تھا (اور ہم اپنے اصرار سے باز آئے) سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو یہ شایاں نہیں کہ ہتھیار پہن کر اس سے پہلے کہ اللہ اس کے اور اس کے دشمنوں کے درمیان فیصلہ فرمادے انھیں اتار دے لہذا اب جو میں حکم دوں، اس کے مطابق عمل کرو۔

عبداللہ بن ابی کی واپسی: عبداللہ بن ابی کی رائے بھی شہر کے اندر لڑنے کی تھی جب حضور ﷺ نے نوجوانوں کی دلنوازی کرتے ہوئے باہر لڑنے کی درخواست منظور کرلی تو اس بہانے سے کہ اس کی بات نہیں مانی گئی تھی، راستے سے تین سو ساتھیوں سمیت واپس آگیا۔ اس کے ہم قبیلہ عبداللہ بن حرام رضی اللہ عنہ نے اسے بہت سمجھایا مگر اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اسی موقعے پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ (آل عمران:۱۷۹)

ترجمہ: اللہ مسلمانوں کو اس حال پر چھوڑنے کا نہیں جس پر تم ہو جب تک
جدا نہ کردے گندے کو ستھرے سے

اس سے پہلے یہودیوں کا ایک لشکر بھی اپنے پروگرام کے مطابق [illegible] حضور پرنور ﷺ نے فرمایا۔

اِنَّا لَا نَسْتَنْصِرُ بِاَهْلِ الشِّرْكِ عَلٰى اَهْلِ الشِّرْكِ

ہم اہل شرک کے خلاف جنگ میں کسی مشرک سے مدد [illegible]

اہل ایمان غور فرمائیں مشرکین کی مدد قبول نہ ہوا اور مومنین کی مدد قبول، آخر کیوں؟ اس لئے کہ مشرکین بت پرست ہوتے ہیں، سو اسلام سے کیا مخلص ہوں گے کہ اس کے لئے جان قربان کریں جب وہ خود خدا کے دشمن ہیں۔ اور مومن خدا کے بندے اور خدا کے فضل پر بھروسا کرنے والے لہذا ان کی مدد گویا خدا کی مدد ہی ہے مگر اس کے برعکس خدا کے دشمنوں کی مدد کو خدا کی مدد نہیں کہا جا سکتا، آج کل بعض لوگ مومنوں اور مشرکوں کی مدد کو ایک جیسا ہی سمجھتے ہیں، کاش اس سے عبرت پکڑیں۔

تیراندازوں کو ہدایت: حضور پرنور ﷺ نے صف آرائی کیلئے پہاڑ کو پس پشت اور کوہ عینین کو اپنی بائیں طرف رکھا۔ پہاڑ میں ایک شگاف یا درہ تھا جس میں سے دشمن پیچھے سے مسلمانوں پر حملہ آور ہو سکتا تھا۔ اس لئے اس درے میں پچاس پیدل تیرانداز مقرر کئے اور پہچان کے لئے سفید وردی کا حکم دیا نیز حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو ان کا سردار بنایا اور فرمایا

"کہ اگر گھڑسوار ہم پر حملہ کریں تو ان پر تیروں کی بارش کرنا تا کہ ہمارے پیچھے سے وہ ہم پر حملہ نہ کر سکیں۔ ہم فتحیاب ہوں تو بھی تم اپنے مورچے پر ڈٹے رہنا تا کہ تمھاری طرف سے دشمن ہم پر حملہ نہ کرنے پائے۔ اگر تم دیکھو کہ ہم نے مشرکین کو شکست دی ہے اور ہم ان کے لشکر میں گھس کر انھیں بے دریغ تہ تیغ کر رہے ہیں، تو بھی تم اپنی جگہ کو نہ چھوڑنا بلکہ اگر تم دیکھو کہ پرندے ہمیں اچک کر لے جا رہے ہیں اور دشمن ہمیں تہ تیغ کر رہے ہیں، تب بھی ہماری مدد کے لئے مت آنا۔ ہمارا دفاع ہرگز نہ کرنا اور اپنے مورچوں کو ہرگز نہ چھوڑنا۔ جب تک میں تمھاری طرف اپنا خصوصی پیغام نہ بھیجوں۔ دشمنوں پر تیروں کی

موسلا دھار بارش کرتے رہنا، کیونکہ جہاں تیر برس رہے ہوتے ہیں
وہاں گھوڑے پیش قدمی نہیں کرتے۔ کان کھول کر سن لو۔ جب تک تم
اپنی جگہ پر ڈٹے رہو گے ہم غالب رہیں گے۔ اے اللہ! تو گواہ رہنا!
کہ میں نے سمجھانے میں اپنا فرض ادا کر دیا" (ضیاء النبی بحوالہ سیرت
ابن ہشام ج ۴)

کتنی واضح ہدایات تھیں مگر افسوس یہ کہ ان کی تعمیل میں کچھ کوتاہی ہو گئی اور مسلمانوں کی فتح شکست میں تبدیل ہو گئی۔

حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کی تیغ آزمائی: احد کے دن حضور پر نور ﷺ نے اپنی تلوار نکال کر فرمایا

مَنْ يَّاخُذُ هٰذَا السَّيْفَ بِحَقِّهٖ

(کون آدمی اس تلوار کو اس شرط پر لیتا ہے کہ اس کا حق ادا کرے)

کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تلوار لینے کی خواہش کی مگر ہر بار حضور ﷺ نے اسے پیچھے کھینچ لیا۔ آخر کار مشہور بہادر حضرت ابو دجانہ سماک بن خرش کھڑے ہوئے اور عرض کی

مَاحَقُّهٗ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ

(یارسول اللہ ﷺ: اس کا کیا حق ہے)

فرمایا

اَنْ تَضْرِبَ بِهِ الْعَدُوَّ حَتّٰى يَنْحَنِيَ

(حق یہ ہے کہ دشمن پر یوں چلاتا رہے کہ ٹیڑھی ہو جائے)

شرط قبول کرنے پر حضور پر نور ﷺ نے تلوار انھیں عطا فرما دی۔ ابو دجانہ رضی اللہ عنہ اپنا سرخ دوپٹہ عصابۃ الموت (یعنی موت کا دوپٹہ) سر پر باندھتے تھے تو

لوگوں کو یقین ہو جاتا تھا کہ اب دشمن کی خیر نہیں۔

تیغ شریف لے کر حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے سرخ دوپٹہ سر پر باندھا اور بڑے فخریہ انداز میں اترا اترا کر ٹہلنے لگے۔ حضور ﷺ نے اپنے غلام کی یہ ادا دیکھی تو فرمایا' یہ ایسی چال ہے جو اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے سوا اس قسم کے موقع کے (سیرت ابن ہشام جلد ۳)

میدان کارزار میں گھس کر کشتوں کے پشتے لگاتے اور یہ رجز پڑھتے

اَنَا الَّذِیْ عَا ھَدَنِیْ خَلِیْلِیْ
وَنَحْنُ بِالسَّفْحِ لَدَی النَّخِیْلِ
اَلَّا اَقُوْمُ الدَّھْرَ فِیْ الْکُیُوْلِ
اَضْرِبُ بِسَیْفِ اللّٰہِ وَ الرَّسُوْلِ

ترجمہ: میں وہ ہوں جس سے میرے خلیل علیہ الصلوۃ والسلام نے اسی وقت یہ معاہدہ کیا، جب ہم کھجوروں کے پاس دامن کوہ میں تھے کہ میں ساری عمر پچھلی صفوں میں کھڑا نہیں ہوں گا۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تلوار چلاتا رہوں گا۔

اسی دوران ایک گرجتا ہوا مشرک آیا جس سے ان کا مقابلہ ہوا۔ اس نے خوب تاک کر وار کیا جسے حضرت ابو دجانہ نے اپنی ڈھال پر روک لیا۔ پھر آپ نے بجلی کی طرح اس پر حملہ کر کے اسے دولخت کر دیا۔ ہند بنت عتبہ پر تلوار اٹھائی مگر اس خیال سے ارادہ ترک کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ کی تلوار عورت پر مارنا اس کے شایان شان نہیں۔

ابو عامر فاسق: ابو عامر قبیلہ اوس کا سردار تھا اور راہب کہلواتا تھا۔ مدینہ منورہ میں ایک عرصہ تک لوگوں کو نبی آخر الزماں ﷺ کے جلد ظہور کی خوشخبریاں دیتا رہا جب اللہ جل مجدہ کے حبیب اعظم واکرم ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو اسے اپنی عزت گھٹتی

ہوئی دکھائی دی چنانچہ یہ حسد پر اتر آیا اور مکہ معظمہ میں سکونت اختیار کر کے [illegible]
پر اکساتا رہا۔ یہ کہا کرتا تھا کہ لڑائی میں میری قوم نے مجھے دیکھ لیا تو اسلام [illegible]
ساتھ مل جائے گی ۔ پچاس ہمراہیوں کے ساتھ جنگ میں شریک [illegible]
میں نکلتے ہی اس نے بلند آواز سے کہا یَا مَعْشَرَ الْاَوْسِ اَنَا اَبُوْ عَامِرٍ (اے [illegible]
میں ابو عامر ہوں) سب نے ایمان وعشق سے لبریز ہو کر جواب دیا لا انعم [illegible]
عینا یا فاسق (اے بدمعاش! خدا تیری آنکھوں کو کبھی ٹھنڈا نہ کرے) کہنے [illegible]
قوم میرے بعد بگڑ گئی ہے۔ وہ اور اس کے ساتھ اور غلامان قریش کی ایک [illegible]
تیر برسائے مگر مسلمانوں کی سنگباری سے [illegible]
بدبخت نے کیا تھا)

حضرت مصعب بن عمیر [illegible]
تھے کہ کسی فوج کا جھنڈا سرنگوں ہو جائے تو اس کا [illegible]
۔ کفار نے سخت حملہ کیا اور آپ کا پرچم والا دایاں ہاتھ کاٹ دیا [illegible]
بائیں ہاتھ میں لے لیا [illegible]

[illegible]

[illegible] حضور ﷺ کو شہید کر دیا [illegible]
حضرت علی مشکلکشا اور علم اسلام [illegible] جھنڈا [illegible]

تمھارے مقتول جنت میں جاتے ہیں اور ہمارے دوزخ میں۔ لات کی قسم تم جھوٹ کہتے ہو۔ اگر واقعی تمھارا یہی یقین ہوتا تو تم میں سے کوئی میرے مقابل آتا۔ شیر خدا (کرم اللہ وجہہ) نے اللہ کا نام بلند کرتے ہوئے بجلی کی تیزی سے اس پر وار کیا۔ اس کی شرم گاہ ننگی ہوگئی لہذا دوسرا وار نہ کیا وہ کچھ دیر بعد اسی ایک وار کی تاب نہ لا کر جہنم واصل ہوگیا۔ حضور ﷺ نے اس کبش الکتیبہ کے مارے جانے پر خوشی سے تکبیر کہی مسلمانوں نے بھی اقتدا کی۔

طلحہ کے بعد جھنڈا اس کے بھائی ابوشیبہ عثمان بن ابی طلحہ نے اٹھالیا تو سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی تلوار اس کے کندھوں کو کاٹتی، سینے کو چیرتی ہوئی پار نکل گئی۔ پھر اس کے بھائی ابوسعد نے جھنڈا تھام لیا تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے تیر نے اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ پھر پہلے علمبردار کے بیٹے مسافع نے جھنڈا اٹھایا تو عاصم بن ثابت بن ابی اقلح رضی اللہ عنہ کے تیر نے اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔ پھر طلحہ کے تیسرے بیٹے کلاب نے علم تھاما تو اسے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے آن واحد میں قتل کر دیا۔ پھر طلحہ کے چوتھے بیٹے جلاس نے جھنڈا الہرایا تو حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے اس کا خاتمہ کر دیا۔ پھر ارطاۃ بن شرحبیل علمبردار ہوا تو اسے حضرت سیدنا علی یا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما نے فنافی النار کیا۔ شریح بن قارظ نے جھنڈے کو تھاما تو وہ بھی جلد ہی قتل ہوگیا۔ پھر ابوزید اور پھر قاسط بن شرحبیل نے باری باری علمبرداری کی، ان دونوں کو قزمان نے ختم کر دیا۔ آخر میں صواب نامی حبشی غلام نے جھنڈا لیا مگر اسے بھی قزمان کے تیر نے موت کی نیند سلا دیا۔

پانسہ پلٹ گیا: اب کفار کے حوصلے پست ہو گئے بدحواس مرد اور عورتیں بھاگنے لگیں۔ یہ تھی جنگ کی پہلی صورت حال مسلمان مطمئن تھے کہ وہ کہاں واپس آئیں گے۔ تیراندازوں کو بھی حضور ﷺ کا ارشاد یاد نہ رہا۔ ان کے امیر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے

سمجھانے کی کوشش کی مگر بے سود۔ درہ خالی دیکھ کر خالد بن ولید جو اس وقت کفار کے ا... کمانڈر تھے حملہ کردیا۔ حضرت عبداللہ اپنے نودس ساتھیوں سمیت مقابلہ کرتے ہو... شہید ہوگئے۔ اب انھیں مسلمانوں پر عقب سے حملہ کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ مسلمان اس اچانک مصیبت پر سراسیمہ ہوگئے اور جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ (یہاں تفصیل سے جنگ کا پورا واقعہ سنانا مقصود نہیں بلکہ صرف چند اہم واقعات سنا کر اہل محبت کا ایمان تازہ کرنا مقصود ہے)

شیر خدا اور رسول امیر حمزہ رضی اللہ عنہ: جنگ سے پہلے حضور ہادی کل ختم الرسل ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشاورت فرمائی تو سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی

وَالَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ لَا اَطْعَمُ الْیَوْمَ طَعَامًا حَتّٰی اُجَالِدَ هُمْ بِسَیْفِیْ خَارِجِ الْمَدِیْنَةِ

ترجمہ: اس ذات کی قسم جس نے آپ پر یہ کتاب نازل فرمائی، میں آج اس وقت تک کھانا نہیں کھاؤں گا جب تک مدینے سے باہر نکل کر ان کے ساتھ جنگ آزمانہ ہوجاؤں۔

غزوہ بدر کی طرح غزوہ احد میں بھی سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ نے خوب داد شجاعت دی اور مشرکوں کے ہجوم میں گھس گھس کر انھیں موت کے گھاٹ اتارتے رہے۔ بہت سے مشرکوں کو فنافی النار کرنے کے بعد آپ کا سامنا سباع بن عبدالعزیٰ الغبشانی سے ہوا تو للکار کر فرمایا هَلُمَّ اِلَیَّ یَا ابْنَ مُقَطِّعَةِ الْبُظُوْرِ تُحَادُّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ﷺ (اے لڑکیوں کا ختنہ کرنے والی کے بیٹے، آ میرے مقابلے میں۔ تو اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی رکھتا ہے) یہ کہہ کر آپ نے اس پر حملہ کردیا اور آن واحد میں اسے ہمیشہ کی نیند سلادیا۔ وحشی جو حبشی الاصل تھا جبیر بن مطعم کا (جو بعد میں مسلمان ہوگیا تھا اور جس کے چچے طعیمہ بن عدی کو سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ نے بدر میں قتل کیا تھا) کا غلام تھا۔ جبیر نے وحشی سے وعدہ کیا تھا کہ حمزہ

رضی اللہ عنہ کو قتل کر دو تو تم آزاد۔ اسے حربہ (چھوٹا نیزہ) چلانے میں مہارت تھی۔ وحشی کو جنگ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی صرف اپنی آزادی سے مطلب تھا۔ وہ آپ رضی اللہ عنہ کی تاک میں لگا رہا۔ چنانچہ سباع بن عبدالعزیٰ قتل ہو گیا تو حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اس کی زرہ اتارنے کے لئے جھکے تو آپ کا پاؤں پھسلا اور پیٹ ننگا ہو گیا وحشی نے تاک کر نیزہ مارا جو ناف کے نیچے اندر گھسا اور پار نکل گیا۔ آپ نے غضبناک شیر کی طرح جھپٹنا چاہا لیکن اٹھ نہ سکے اور روح مبارک قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

جنگ کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا' ابھی جبریل علیہ السلام آئے ہیں انھوں نے مجھے بتایا ہے کہ ساتوں آسمانوں میں یہ شہرہ ہے۔ حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ اَسَدُ اللّٰهِ وَ اَسَدُ رَسُوْلِهٖ یعنی حمزہ بن عبدالمطلب اللہ کا شیر ہے اور اس کے رسول کا ﷺ کا شیر ہے۔

پھر وحشی نے آپ کا شکم مبارک چاک کر کے کلیجہ ہندہ کو پیش کیا' اس نے چبانا چاہا مگر نگل نہ سکی۔ پھر اس عورت نے اپنے کپڑے اور زیور اتار کر وحشی کو دیا اور مکہ پہنچ کر مزید دس دینار دینے کا وعدہ کیا۔ پھر اس عورت نے آپ کے اور دیگر شہدا کے کان ناک کاٹ کر انھیں پرویا اور کڑے' بازوبند اور پازیب کی صورت میں پہن کر مکہ میں داخل ہوئی

وحشی فتح مکہ کے بعد طائف چلا گیا۔ اہل طائف کا وفد اسلام قبول کرنے کیلئے جانے لگا تو مایوس ہو گیا اور یمن یا شام میں جانے کا ارادہ کرنے لگا۔ اسی پریشانی میں کسی نے بتایا کہ حضور پرنور ﷺ اسلام قبول کرنے والوں کو معاف فرما دیتے ہیں تو اس امید پر مدینہ منورہ حاضر ہو گیا۔

حضور ﷺ کی خدمت میں اطلاع پہنچی تو فرمایا دَعُــوْهُ (اسے رہنے دو) ایک آدمی کا مشرف بہ اسلام ہونا مجھے ایک ہزار کفار کو تہ تیغ کرنے سے زیادہ پسند ہے۔ اس نے کلمہ شہادت پڑھا تو حضور ﷺ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ

سن کر صرف اتنا فرمایا

وَیْحَکَ غَیِّبْ وَجْهَکَ عَنِّیْ فَلاَ اَرَاکَ

تیری خیر ہو مجھ سے اپنا چہرہ چھپائے رکھنا کہ میں تجھے نہ دیکھوں۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اس نے نبوت کے جھوٹے مدعی مسیلمہ کذاب کو جہنم رسید کیا تو کہا کرتا تھا' اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے بہتر آدمی کو شہید کیا تو پھر سب سے شریر آدمی کو قتل کرنے کا شرف بھی تو حاصل کرلیا۔

قتادہ کی آنکھ: حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی آنکھ یوم احد میں جاتی رہی۔ وہ فرماتے ہیں حضور پرنور ﷺ کے چہرہ انور کی حفاظت کرتے ہوئے میرے چہرے پر تیر لگا اور یہ آخری تیر تھا جو حضور ﷺ کی طرف پھینکا گیا یہی تیر میری آنکھ پر پڑا اور ڈھیلا حدقہ سے باہر آ گیا جسے میں نے ہاتھ پر لے لیا۔ جب حضور ﷺ نے میرے ہاتھ پر آنکھ کو دیکھا تو چشمان اقدس نم ہو گئیں اور دعا کی یاالٰہ العلمین قتادہ کی حفاظت فرما جیسا کہ اس نے تیرے نبی ﷺ کے چہرے کی حفاظت اپنے چہرے سے کی اور اس کی دونوں آنکھوں میں اسے زیادہ خوبصورت اور زیادہ روشن کردے۔ دوسری روایات کے مطابق اس آنکھ کو حضور ﷺ نے اس کی جگہ رکھ دیا اور وہ فوراً پہلے سے بھی زیادہ روشن ہو گئی۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی آنکھ کو بھی احد کے دن تکلیف پہنچی تو حضور پرنور ﷺ نے اس میں اپنا لعاب دہن شریف ڈال دیا' وہ دوسری سے بھی زیادہ صحیح ہو گئی (خصائص الکبریٰ)

فرشتوں کا قتال: حضور پرنور ﷺ نے حضرت حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھا۔ عرض کیا میں نے انھیں پہاڑ کے پہلو میں دیکھا ہے۔ ارشاد ہوا ان کے ساتھ فرشتے کافروں سے قتال کر رہے ہیں۔ حارث عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہما کے پاس پلٹے تو ان کے پاس مشرکین کی لاشوں کو پڑا پایا سو کہنے لگے' اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہاتھ کو فتح دی کہ ان سب کو تم نے قتل کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ (لاشوں کی طرف اشارہ کرکے) بولے' اس کو اور اس کو میں نے قتل کیا۔ باقی مقتولین کو جنھوں نے قتل کیا، میں نے انھیں نہیں دیکھا۔ حارث رضی اللہ عنہ نے کہا' سچ فرمایا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے۔ (خصائص بحوالہ طبرانی)

اسی طرح حضرت سعد رضی اللہ عنہ جب حضور پرنور ﷺ کے آگے بیٹھ کر تیر چلا رہے تھے، ایک جوان آپ کو تیر دیتا جاتا تھا اور کہتا تھا' اے ابو اسحاق! تیر چلاتے جاؤ' جنگ سے فارغ ہو کر اس جوان کو لوگوں نے تلاش کیا مگر وہ نہ ملا اور نہ کوئی اس کے بارے میں جان سکا۔ (خصائص)

نبی اعظم کے حواری حضرت زبیر رضی اللہ عنہ: حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی پھوپھی حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے تھے۔ انھوں نے بھی بہادری کے خوب جواہر دکھائے۔ چنانچہ ایک مشرک میدان میں نکل کر کہنے لگا ھل من مبارز (کون ہے میرے مقابلے میں آنے والا) اس نے تیسری بار

یہی چیلنج کیا تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے نہ رہا گیا۔وہ مشرک اونٹ پر سوار تھا۔آپ چھلانگ لگا کر اونٹ پر سوار ہو گئے اور لگے اس سے جنگ کرنے۔حضور پرنور ﷺ نے فرمایا' جوزمین پر گر جائے گا' مارا جائے گا'۔چنانچہ آپ کی ضرب سے وہ لڑھک کر نیچے آرہا تو آپ نے اس کے اوپر چھلانگ لگا کر اس کا سر کاٹا اور پرے پھینک دیا۔ اس بے مثال جرات پر حضور ﷺ نے فرمایا' ہر نبی علیہ السلام کا ایک حواری ہوتا ہے' میرا حواری زبیر ہے' پھر فرمایا' زبیر اس کے مقابلے کے لئے میدان میں نہ نکلتے تو میں خود اس کی دعوت مبارزت قبول کر لیتا'۔

حضور پرنور ﷺ کا اسوہ حسنہ: حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت سنئے

"کفار نے ہمارا قتل عام کر کے ہمیں بڑا دکھ پہنچایا اور رسول اللہ ﷺ کو بھی اذیت پہنچائی۔اس ذات کی قسم جس نے حضور ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔حضور ﷺ ایک بالشت بھی اپنی جگہ سے آگے پیچھے نہیں ہوئے۔حضور ﷺ دشمن کے سامنے کھڑے تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا ایک گروہ حضور ﷺ کی طرف لوٹ کر آتا تھا اور دوسرا دشمن پر حملہ کرنے کے لئے میدان میں پھیل جاتا ہے۔میں بسا اوقات دیکھتا تو حضور ﷺ کھڑے ہو کر اپنی دونوں کمانوں سے تیر چلا رہے ہوتے یا پتھر پھینک رہے ہوتے۔حتیٰ کہ دشمن آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔حضور ﷺ اس طرح اس مقام پر ثابت قدم رہے گویا اکیلے نہیں بلکہ آس پاس

طاقتور جوانوں کا ایک دستہ ہے۔ (بیہقی)

حضور سرور عالم ﷺ اپنی کمان سے دشمن پر تیر چلاتے رہے۔ حتیٰ کہ اس کا چلہ ٹوٹ گیا۔ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ نے رمت کی۔ حضور ﷺ پھر تیر برسانے لگے۔ حتیٰ کہ چلہ کئی جگہ سے ٹوٹ گیا۔ حضرت ابوطلحہ تیروں کو حضور ﷺ سے روکنے کے لئے سامنے ڈھال بن کر کھڑے ہوگئے۔ کمان حضرت قتادہ بن نعمان نے بطور تبرک اپنے پاس رکھ لی۔ کمان ٹوٹنے کے بعد حضور ﷺ نے پتھر برسانے شروع کر دیئے۔

پندرہ جان نثار: اس روز حضور ﷺ کے ارد گرد پندرہ جان نثار حلقہ باندھے کھڑے رہے۔ آٹھ مہاجرین: حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص اور ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم

سات انصار: حضرت خباب بن منذر، حضرت ابودجانہ، حضرت عاصم بن ثابت، حضرت حارث بن صمہ، حضرت سہل بن حنیف، حضرت سعد بن معاذ (یا شاید سعد بن عبادہ) حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم ان میں سے ہر ایک کا یہی نعرہ تھا

وَجْهِیْ دُوْنَ وَجْهِکَ — میرا چہرہ حضور ﷺ کے چہرے پر قربان

وَنَفْسِیْ دُوْنَ نَفْسِکَ — میری جان حضور ﷺ کی جان پر قربان

وَنَحْرِیْ دُوْنَ نَحْرِکَ — میرا گلہ حضور ﷺ کے گلے پر قربان

عَلَیْکَ الصَّلٰوۃُ غَیْرَ مُوَدَّعٍ — آپ پر سلامتی ہو آپ ہمیشہ ہم میں بخیریت رہیں

مشرکوں کا محسن عالم ﷺ پر فیصلہ کن حملہ: مشرکوں نے اس ناپاک ارادے کے ساتھ کہ نور خدا علیہ التحیۃ والثنا کو بجھا کر دم لیں گے ہلہ بول دیا۔

عتبہ بن ابی وقاص نے چار پتھر مارے۔ ایک پتھر لگنے سے سامنے والے دو اوپر کے اور دو نیچے کے دانت شہید ہوگئے یعنی ان کی جڑ تو قائم رہی مگر ان کے اوپر کا حصہ الگ ہوگیا اور نیچے والا ہونٹ مبارک زخمی ہوگیا۔ حاطب بن بلتعہ رضی اللہ عنہ مجرم

کی نشاندہی کے بعد تعاقب کر کے اس کا سر کاٹ کر اس کے گھوڑے سمیت [illegible]
اقدس میں حاضر ہوئے تو فرمایا

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْکَ ، رَضِیَ اللّٰہُ عَنْکَ

ترجمہ: اللہ تجھ سے راضی ہو، اللہ تجھ سے راضی ہو۔

اس بد بخت عتبہ کی اولاد سے ہر بچہ کے سامنے والے چار دانت ناپید ہوتے [illegible]
کے منہ سے سخت بدبو آتی ہے (ضیاء النبی بحوالہ علامہ سہیلی)

عبداللہ بن الشہاب الزہری کی ضرب سے چہرہ مبارک پر زخم آیا اور [illegible]
سے رنگین ہوگئی۔ یہ بعد میں مسلمان ہوگیا۔ ابن قمیہ نے تیر مارا [illegible]
انا ابن قمئۃ (یہ لو تیر اور میں ابن قمئہ [illegible]

[illegible]

چنانچہ کچھ عرصے بعد ایک جنگلی بکرے نے [illegible]
کر کے پہاڑ کی بلندی سے اسے سر سے دھکا مارا، لڑھکتا لڑھکتا [illegible]
ریزہ ریزہ اور ہڈیاں چور چور ہوگئیں [illegible]

[illegible]

[illegible] ہو سکتا ہے۔ ان کا سارا [illegible]

[illegible]

[illegible]

كُلُّهٗ مُضِیٌٔ [illegible] جل (اللہ کا شکر ہے حضور [illegible]
[illegible] ہے) (شفا شریف جلد ۲ صفحہ [illegible])

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی سعادت: [illegible] اور حضور [illegible]
ابو عبیدہ الجراح رضی اللہ عنہ تھے۔ میں نے رخسار مبارک سے خود [illegible]
نکالنے کا ارادہ کیا تو ابو عبیدہ نے میری منت کی کہ [illegible] سعادت مجھے [illegible]
سمجھا کہ تکلیف نہ ہو۔ دانتوں سے [illegible]
[illegible]
حسن و جمال میں اضافہ [illegible]

حضرت مالک کا ادب: چہرہ اقدس سے [illegible]
[illegible] بہنے لگا۔ حضرت مالک بن سنان نے زخم [illegible]
خدا علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا [illegible]
خون کو [illegible]

[illegible]

حضرت [illegible]
جب دیکھا کہ کفار نے اکٹھے ہو کر [illegible]

[illegible]

سامنے بٹھالیا۔ انھوں نے ایک ہزار تیر چلائے جب بھی تیر چلاتے [illegible]

سَہْمُکَ فَارْمِ بِہٖ عَدُوَّکَ (اے اللہ! یہ تیرا تیر ہے اسے [illegible]

اَللّٰھُمَّ اسْتَجِبْ لِسَعْدٍ، اَللّٰھُمَّ سَدِّدْ لِسَعْدٍ رَمْیَتَہٗ [illegible]

وَاُمِّیْ (اے اللہ سعد کی دعا قبول فرما، اے اللہ سعد کا تیر نشانے پر [illegible]

باپ اور میری ماں تجھ پر فدا ہوں) آپ کے [illegible]

اپنے تیر نکال کران کے سامنے بکھر دیے۔

ابی بن خلف کی ہلاکت: غزوہ بدر میں [illegible]

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تو ابی جنگی قیدی [illegible]

رہا کر دیا۔ اس بد بخت نے اس احسان کا [illegible]

روزانہ آٹھ یا دس سیر کی کھلاتا [illegible]

کہتا میں قتل کروں گا۔ سرکار [illegible]

میں انشاء اللہ تعالیٰ اسے قتل کروں گا [illegible]

[illegible]

نہ دے، چیخ رہے ہو، کتنے بزدل ہو۔ بولا لات وعزیٰ کی قسم! جو چوٹ مجھے لگی ہے، اگر ربیعہ اور مضر کے قبائل کو بھی لگ جاتی تو سب مر جاتے۔ پھر واپسی میں سرف یا بطن رابغ میں مر گیا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں ایک گھڑی رات گزرنے کے بعد بطن رابغ میں جا رہا تھا کہ آگ کی لو میرے سامنے اٹھی۔ میں اس سے ڈر گیا۔ یکا یک میں نے دیکھا ایک آدمی اس آگ سے نکلا اور وہ زنجیر میں تھا۔ زنجیر کو کھینچ رہا تھا اور پیاس کی فریاد کرتا تھا۔ یکا یک میں نے دیکھا کہ ایک اور مرد کہہ رہا تھا' اسے پانی نہ پلاؤ' یہ رسول اللہ ﷺ کا قتیل ابی بن خلف ہے۔ (کچھ ایسا ہی واقعہ ابوجہل کے بارے میں مذکور ہے)

صحابہ کرام کا شوق شہادت: حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہما نے فیصلہ کیا ایک کونے میں نکل کر اپنی اپنی دعا کریں اور ایک دوسرے کی دعا پر آمین کہیں۔ پہلے حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دعا کی' اے میرے رب! کل جب دشمن سے ہمارا مقابلہ ہو تو میرے مقابلے میں ایک طاقتور اور ماہر جنگجو کو بھیج، میں تیری رضا کے لئے اس سے لڑوں، جنگ کے بعد مجھے اس پر غلبہ دے تا کہ اسے قتل کر کے اس کے لباس، زرہ اور ہتھیاروں پر قبضہ کرلوں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے آمین کہا۔ پھر حضرت عبداللہ نے دعا کی' الٰہی! میرے مقابلے میں ایسے کافر کو بھیج جو قوی اور جنگ میں ماہر ہو۔ میں تیری رضا کیلئے لڑتا ہوا شہید ہو جاؤں تو وہ میری ناک اور کان کاٹ دے۔ قیامت کے دن تیری بارگاہ میں حاضر ہوں تو تو فرمائے یَا عَبْدِیْ فِیْمَ جُدِعَ اَنْفُکَ وَ اُذُنُکَ (اے میرے بندے کس جرم میں تیری ناک، کان کاٹے گئے) تو میں عرض کروں فِیْکَ وَ فِیْ رَسُوْلِکَ (تیری اور تیرے رسول ﷺ کی محبت میں)

دونوں دعائیں قبول ہوئیں مگر بعد میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے

تھے کہ عبداللہ کی دعا میری دعا سے بدر جہا بہتر تھی۔ حضرت عبداللہ [illegible]
حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہما کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔
کھجور کی شاخ تلوار بن گئی: جنگ میں حضرت عبداللہ کی تلوار ٹوٹ گئی [illegible]
نے کھجور کی ایک شاخ پکڑا دی۔ اب وہ شمشیر جوہر دار تھی جس [illegible]
اس کا نام 'العرجون' رکھا گیا جو نسلاً بعد نسل تبرک کے طور پر [illegible]
حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کو بھی ایسی ہی 'تلوار' ملی تھی اس کا نام [illegible]
ابو سعد خیثمہ بن ابو خیثمہ رضی اللہ عنہ نے احد کے دن عرض کیا حضور [illegible]
بھی شرکت نصیب نہیں ہوئی کیونکہ باپ بیٹے میں قرعہ [illegible]
آیا۔ کل رات میں نے اپنے اسی [illegible]
میں سیر کر رہا تھا، اس نے مجھے کہا [illegible]
رَبِّی حَقًّا (ابا جان! آجاؤ جنت میں [illegible]
وعدے کو سچا پایا) میں اس کے پاس [illegible]
شہادت [illegible]

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ اسلام کے بدترین دشمن ابو عامر فاسق (جس کا ذکر اوپر آچکا ہے) کے بیٹے حضور ﷺ کے عاشق صادق تھے۔ جب ابتدا میں کفار کے پاؤں اکھڑنے لگے تو انھوں نے سالار لشکر ابوسفیان پر وار کیا جو اس کے گھوڑے کو لگا وہ زمین پر ابوسفیان سمیت گر پڑا۔ اسود بن شداد نے اپنے نیزے سے حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ پر وار کیا جو جسم مبارک کو چیر کر پار نکل گیا اور اس کے دوسرے وار میں شہید ہو گئے۔ حضور ﷺ کی خدمت میں ذکر ہوا تو فرمایا' میں نے دیکھا زمین و آسمان کے درمیان بارش کے تازہ پانی سے چاندی کے تھالوں میں فرشتے انھیں غسل دے رہے ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دیکھا تو ان کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ حضور پرنور ﷺ کے ارشاد پر ان کے گھر سے پتا کیا تو ان کی عفت شعار زوجہ جمیلہ نے جو عبداللہ بن ابی کی بہن تھی بتایا کہ یہ شب زفاف تھی اور ان پر غسل جنابت فرض تھا۔ جہاد کا اعلان ہوا تو تعمیل ارشاد کی جلدی میں غسل بھی نہ کر سکے۔ چنانچہ انھیں غسیل الملائکہ کا لقب دیا گیا۔ جو بیٹا ہوا اس کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ یزید کے خلاف اہل مدینہ اٹھ کھڑے ہوئے تو یہی عبداللہ ان کے کماندار تھے۔

حسیل اور ثابت بن وقش رضی اللہ عنہما دونوں عمر رسیدہ تھے۔ حضور ﷺ انھیں مسلم خواتین اور بچوں کے ساتھ چھوڑ آئے تھے۔ ایک دن دونوں نے صلاح کی کہ زندگی کے دن تھوڑے ہیں کیوں نہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جائیں شاید شہادت نصیب ہو جائے۔ چنانچہ میدان میں آکر حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کو مشرکوں نے شہید کیا اور حضرت حسیل کو دشمن کا آدمی سمجھ کر مسلمانوں نے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ پکارے میرا باپ، میرا باپ مگر کام تمام ہو چکا تھا۔ قاتلوں نے کہا ہم نے نہ پہچانا اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عذر قبول کیا اور دیت بھی معاف کر دی

اصیرم عمرو بن ثابت بن وقش رضی اللہ عنہ انصار میں سے تھے مگر اسلام کے تحت

منکر۔ حضور ﷺ غزوہ احد میں تشریف لے گئے تو اچانک ان کا دل روشن ہوا اور کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ تلوار، نیزہ، زرہ اور خود سے آراستہ گھوڑے پر سوار میدان جنگ میں پہنچے۔ مسلمانوں نے اپنے پاس دیکھا تو چلے جانے کو کہا مگر انھوں نے قبول اسلام کا ذکر کیا۔ آخر زخموں سے چور چور ہو کر گر پڑے اور کچھ دیر بعد وصال فرما گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اِنَّہٗ مِنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ یعنی اصیرم اہل جنت میں سے ہے۔

مخیریق النضری الاسرائیلی یہودیوں کے بہت بڑے عالم اور تورات کی بیان کردہ نشانیوں کی بنا پر حضور ﷺ کو خوب پہچانتے تھے مگر آبائی دین سے محبت تھی لہذا حلقہ بگوش اسلام نہ ہوئے۔ ہفتے کے دن رحمت حق نے توجہ فرمائی اور اچانک دل روشن ہو گیا۔ یہود سے کہا، محمد مصطفیٰ ﷺ کی مدد فرض ہے۔ انھوں نے کہا یوم السبت (ہفتے کا دن) ہے۔ بولے یہ سب افسانے ہیں۔ میں تو جاتا ہوں۔ گھر والوں سے کہا، لڑائی میں مارا جاؤں تو میرے سارے اموال حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دینا۔ چنانچہ میدان میں آ کر گھمسان کے رن میں گھسے اور شہید ہو گئے۔

سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا مُخَیْرِیْقٌ خَیْرُ یَھُوْدٍ (تمام یہودیوں میں بہتر مخیریق ہے)

قزمان ایک انصاری قبلہ بنی ظفر کا حلیف تھا۔ اس نے جنگ میں بڑی بہادری کے جوہر دکھائے۔ حضور ﷺ کی بارگاہ میں اس کا ذکر ہوا تو فرمایا اِنَّہٗ مِنْ اَھْلِ النَّارِ (یہ دوزخیوں میں سے ہے) حالانکہ صف بندی کے وقت یہ اگلی صف میں کھڑا ہو گیا تھا اور سب سے پہلا تیر بھی مسلمانوں کی طرف سے اسی نے چلایا تھا۔ سات بڑے بڑے کافر مارنے کے بعد زخموں سے چور ہو کر گر پڑا۔ حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ نے اس کی بہادری سے خوش ہو کر فرمایا تمہیں شہادت مبارک ہو۔ بولا "میں اسلام کے لئے نہیں بلکہ قومی غیرت کیلئے جان دے رہا ہوں"۔ کہتے ہیں مجاہدین کی روانگی کے بعد یہ رہ گیا تو عورتوں نے بڑی عار دلائی تھی لہذا یہ شریک جنگ ہوا۔ زخمی حالت میں اسے واپس بنی ظفر

میں لے جایا گیا تو درد کی شدت کی بنا پر اس نے خودکشی کر لی۔ حضور ﷺ نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ یُؤَیِّدُ ھٰذَا الدِّیْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ (اللہ تو اس دین کی مدد فسق و فجور والے آدمی سے بھی کرا دیتا ہے)

حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ خادم بارگاہ رسالت حضرت انس رضی اللہ عنہ کے چچا جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکنے کی بنا پر پریشان تھے۔ احد میں شریک ہوئے۔ اچانک ادھر سے گزرے جہاں مہاجر اور انصار مایوسی کے عالم میں بیٹھے تھے۔ ان کے پوچھنے پر بولے حضور ﷺ شہید ہو گئے۔ انس بولے تم حضور ﷺ کے بعد زندہ رہ کر کیا کرو گے۔ اٹھو اور جس مقصد کے لئے حضور ﷺ نے شہادت اختیار کی تم بھی کرو۔ پھر سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے ملے اور دونوں کفار کی صفوں میں گھس گئے اور بار بار کہتے تھے 'واہ واہ مجھے جنت کی خوشبو آ رہی ہے' نضر کے پروردگار کی قسم! میں جنت کی مہک جبل احد کی طرف سے محسوس کر رہا ہوں۔ آخرکار شہادت سے سرفراز ہوئے۔ کہتے ہیں تلواروں' تیروں اور نیزوں کی اسی سے زیادہ ضربیں ان کے جسم پر لگی ہوئی تھیں۔ مشرکین نے ان کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔ آخر ان کی بہن نے انگلی کے ایک پورے پائل کے نشان سے انھیں پہچانا۔

عباس بن عبادہ، خارجہ بن زید اور اوس بن ارقم رضی اللہ عنہم بھی مسلمان بھائیوں کو پکارتے ہوئے میدان جہاد میں نکلے۔ حضرت عباس فرما رہے تھے 'اے اہل ایمان' اللہ تعالیٰ اور اپنے نبی کی اطاعت کرو۔ یہ مصیبت جو تمھیں پہنچی ہے اپنے نبی ﷺ کی نافرمانی سے پہنچی ہے۔ انھوں نے تم سے وعدہ نصرت بشرط صبر فرمایا تھا'۔ پھر تینوں دشمن کی صفوں میں گھس گئے حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے۔ مَا عُذْرُنَا عِنْدَ رَبِّنَا، اَنْ اُصِیْبَ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ وَمِنَّا عَیْنٌ تَطْرِفُ (اگر ہم میں سے کوئی آنکھ جھپک رہی ہو اور پھر حضور ﷺ کو تکلیف پہنچے تو ہم اپنے رب کی بارگاہ میں کوئی عذر پیش نہیں کر

سکیں گے) پھر تینوں شیر کفر کے زرہ پوشوں سے ٹکرا گئے اور شہید ہو گئے۔
حضرت خارجہ رضی اللہ عنہ کو تیرہ گہرے زخم لگے نزع کے عالم میں تھے کہ مالک بن وخشم رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا تو انھوں نے کہا' کیا آپ نے سنا نہیں حضور ﷺ شہید کر دیئے گئے' اب مرنے کا کیا فائدہ؟ فرمایا اگر اللہ کے رسول ﷺ کو شہید کر دیا گیا تو بیشک اللہ زندہ جاوید ہے اور اسے موت نہیں آتی۔ رسول اللہ ﷺ نے دین پہنچا دیا۔ اب اس دین کے لئے جہاد کرو۔
یہی بات حضرت مالک نے حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہما سے کی جنہیں بارہ کاری زخم لگے تھے۔ انھوں نے بھی ایسا ہی جواب دیا۔
حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا اعزاز، جب جنگ میں یہ تاثر عام ہو گیا کہ حضور ﷺ شہید کر دیئے گئے بلکہ الخصائص الکبری کی ایک روایت کے مطابق مشرکوں کے سات یا نو علمبردار مارے گئے تو خود شیطان لعین چیخا۔ قتل محمد (محمد ﷺ کو قتل کر دیا گیا)
چنانچہ اکثر و بیشتر لوگوں نے سچ مانا اور اس سے کافروں کے حوصلے بڑھ گئے جب کہ وقتی طور پر اہل ایمان مایوس و حسرت زدہ ہو گئے۔ حضور ﷺ کی تلاش جاری تھی تو سب سے پہلے حضور پرنور ﷺ کو حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے پہچان کر بلند آواز سے اعلان کیا

یَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ اَبْشِرُوْا هٰذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ

اے فرزندان اسلام! مبارک ہو، یہ ہیں اللہ کے رسول ﷺ
چنانچہ پھر کفار کے حملوں میں شدت آگئی۔ ادھر پروانہ ہائے شمع رسالت نے جان نثاریوں کے نئے ریکارڈ قائم کئے۔ خود حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو بیس سے زیادہ ضربیں آئیں۔ وہ سب جنھیں یوں زخم پر زخم آرہے تھے، خوش تھے انھیں محسوس

ہوتا تھا جیسے کوئی خراش تک نہیں آئی۔ حضور ﷺ اپنے جان نثاروں کے ساتھ گھاٹی کی بلندی کی طرف تشریف لے گئے مثلاً حضرت ابو بکر صدیق، عمر فاروق اعظم، سیدنا علی المرتضیٰ، طلحہ بن عبید اللہ، زبیر بن العوام، حارث بن صمہ نیز کچھ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ اجمعین۔ مشرکین کی فوج کا ایک سوار دستہ بھی سامنے والی چوٹی پر چڑھ آیا تو حضور ﷺ نے دعا کی

''اے اللہ! تیرے سوا ہمارے پاس کوئی قوت نہیں اور ان لوگوں کے سوا کوئی اس شہر میں تیری عبادت نہیں کرتا۔ پس تو انھیں ہلاک نہ کرنا یا اللہ، مشرکین کے اس دستے کو اوپر چڑھنے کی ہمت نہ دے۔''

چنانچہ حضرت فاروق اعظم اور بعض دوسرے تیر اندازوں نے تیروں کی ایسی بارش کی کہ کافر جگہ خالی کرنے پر مجبور ہو گئے اور مسلمانوں نے آگے بڑھ کر اس چوٹی پر بھی قبضہ کر لیا۔

کچھ اور عشاق جانباز: حضور ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ پہاڑ کی چوٹی پر ڈیرا جمائیں تا کہ مجاہدین کی کاروائیوں کا جائزہ بھی لیا جائے اور مسلمان اپنے آقا و مولا کو دیکھ لینے کے بعد اکٹھے ہو جائیں۔ پھر یکبارگی کفار پر حملہ کیا جائے۔ اس وقت گیارہ انصاری اور ایک مہاجر حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہم ساتھ تھے۔ مشرکین نے بھی اوپر چڑھتے دیکھا تو فیصلہ کن حملہ کرنے کیلئے ادھر بھاگے۔ ایک ایک کر کے یہ انصاری حضرات انھیں روکنے کی کوشش کرتے رہے اور شہید ہوتے گئے۔ آخر جان نثاروں میں سے صرف حضرت طلحہ رہ گئے (رضی اللہ عنہم) جتنی مزاحمت ان گیارہ نے کی تھی اتنی اکیلے حضرت طلحہ نے کی (رضی اللہ عنہم) اور کفار کو ایک انچ بھی آگے نہ بڑھنے دیا۔ حتیٰ کہ انگلیاں کٹ گئیں اور ہاتھ شل ہو گیا ان سب کو حضور ﷺ نے اپنا رفیق جنت ہونے کی خوشخبری سے نوازا۔

یونہی ایک دوسرے موقع پر کفار نے حضور کو گھیرے میں لے لیا تو زیاد بن سکن ان کے بھتیجے عمار بن یزید بن سکن نے دشمن کے گھیرے کو توڑا مگر خود بھی زخموں سے چُور چُور ہو گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اُدْنُوْہُ مِنِّیْ (اسے میرے پاس لاؤ) چنانچہ انھوں نے محبوب خدا ﷺ کے قدموں پر اپنا رخسار رکھا اور خوش خوش منزل عقبیٰ کی راہ لی۔

مضمون طویل ہوتا جا رہا ہے ورنہ اس میں اور بھی کچھ پہلو قابل ذکر ہیں۔ خصوصاً خواتین کا جذبہ ایمان اور میدان احد میں ان کی کارکردگی نیز محبوب خدا علیہ التحیۃ والثنا کے مقابلے میں کسی عزیز سے عزیز رشتہ دار کی پروانہ کرنا اور ساری متاع حیات حضور پرنور ﷺ پر قربان کرنے کا جذبہ۔ خدا نے توفیق دی تو پھر کبھی سہی۔ اب یہاں ذیل میں صرف ایک دو عنوان دیئے جاتے ہیں

مزارات شہدا کی زیارت: حضور پرنور ﷺ بنفس نفیس اور پھر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم مزارات شہدا پر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ شہدا (رضی اللہ عنہم) کے پاس تشریف لیجاتے اور گھاٹی کے نچلے دہانے پر پہنچ کر فرماتے

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَی الدَّارِ ثُمَّ کَانَ اَبُوْ بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ بَعْدَ النَّبِیِّ ﷺ یَفْعَلُہٗ ثُمَّ کَانَ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ بَعْدَ اَبِیْ بَکْرٍ یَفْعَلُہٗ وَکَانَ عُثْمَانُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ بَعْدَ عُمَرَ یَفْعَلُ ذٰلِکَ (دلائل النبوۃ از علامہ بیہقی)

ترجمہ: تم پر سلامتی ہو۔ اس صبر کی وجہ سے جو تم نے کیا پس تمہارا آنے والا گھر کیا ہی خوب ہے۔ حضور ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر پھر ان کے بعد حضرت عمر پھر ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہم

ایسا ہی کرتے تھے۔

سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا ذکر اس لئے نہیں آیا کہ انھوں نے مرکز خلافت کوفہ کو بنالیا تھا۔

امام بیہقی علیہ الرحمہ کی دوسری روایات کے مطابق اور بھی بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس سنت پر عمل پیرا تھے مثلاً ام المومنین حضرت ام سلمہ سیدۃ النساء حضرت خاتون جنت (جو پردہ فرمالیتیں) حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابو ہریرہ، ابوسعید خدری وغیرہم اجمعین رضی اللہ عنہم

حیات شہدا: حیات شہدا کے سلسلے میں قرآن پاک فرماتا ہے

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝ (البقرہ۔۱۵۴)

ترجمہ: اور جو خدا کی راہ میں مارے جائیں انھیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں ہاں تمہیں خبر نہیں

یہاں شہداء کو مردہ کہنے کی ممانعت ہے تو دوسری آیت بھی ملاحظہ ہو

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ (آل عمران۔۱۶۹)

ترجمہ: اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہرگز انھیں مردہ خیال نہ کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور روزی پاتے ہیں۔

دیکھا آپ نے دوسری آیت میں کہنا تو کجا انھیں مردہ خیال کرنے کی بھی ممانعت ہے۔

اب سنئے بعض خصوصی روایات (جو شہدائے احد سے متعلق ہیں)

عبدالاعلیٰ بن عبداللہ بن ابن فروہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں

اِنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم زَارَ قُبُوْرَ شُهَدَاءِ اُحُدٍ فَقَالَ اللّٰهُمَّ اَنَّ

عَبْدُکَ وَ نَبِیُّکَ یَشْھَدُ اَنَّ ھٰؤُلَآءِ شُھَدَاءُ وَاَنَّہٗ مَنْ زَارَ
ھُمْ اَوْسَلَّمَ عَلَیْھِمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ رَدُّوْا عَلَیْہِ

ترجمہ: حضور نبی کریم ﷺ شہداء احد کی زیارت کے لئے تشریف لائے تو دعا فرمائی، اے اللہ تیرا بندہ اور تیرا نبی گواہی دیتا ہے کہ یہ شہدا ہیں اور جو لوگ قیامت تک ان کی زیارت کریں گے یا انھیں سلام عرض کریں گے، یہ انھیں جواب دیتے رہیں گے

اسی لئے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ یہاں آتے تو اپنے ساتھیوں سے فرماتے اَلَا تُسَلِّمُوْنَ عَلٰی قَوْمٍ یَرُدُّوْنَ عَلَیْکُمُ السَّلَامُ (کیا تم ان لوگوں کو سلام نہیں کہتے جو اس کا جواب دیتے ہیں) چنانچہ اسی دلائل النبوۃ میں بھی کئی ایسے واقعات ہیں کہ کسی نے سید الشہدا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے سلام عرض کیا تو انھوں نے جواب دیا اور لوگوں نے سنا۔

صاحب تفسیر مظہری حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یُعْطِیْ بِاَرْوَاحِھِمْ قُوَّۃَ الْاَجْسَادِ فَیَذْھَبُوْنَ مِنَ الْاَرْضِ وَالسَّمَآءِ وَالْجَنَّۃِ حَیْثُ یَشَاءُوْنَ وَیَنْصُرُوْنَ اَوْلِیَآءَ ھُمْ وَیُدَمِّرُوْنَ اَعْدَآئَھُمْ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ تَعَالٰی

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ان (یعنی شہیدوں) کی روحوں کو جسموں کی قوت دیتا ہے۔ وہ زمین، آسمان اور جنت میں جہاں چاہیں جاتے ہیں، اپنے دوستوں کی مدد کرتے ہیں اور اپنے دشمنوں کو تباہ کرتے ہیں انشاءاللہ۔ اب یہاں خود حضور پرنور ہادی اعظم رسول معظم ﷺ کا مشاہدہ جو شہداء احد کے متعلق ہے پیش کیا جاتا ہے

"وَقَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ

بِاُحُدٍ جَعَلَ اللّٰہُ اَرْوَاحَھُمْ فِیْ اَجْوَافِ طَیْرٍ خُضْرٍ تَرِدُ
اَنْھَارا الجنۃ............وانزل اللہ علی رسو لہ ھذہ الایات
ولا تحسبن الذین ....

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب تمہارے بھائیوں نے میدان احد میں شہادت پائی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو سبز پرندوں کے اندر رکھ دیا جو جنت کی نہروں پر سیاحت کیلئے آتے ہیں اور جنت کے باغات سے پھل کھاتے ہیں پھر سونے کی ان قندیلوں میں چلے جاتے ہیں جو عرش الٰہی کے ساتھ آویزاں ہیں۔ جب وہ اپنے کھانے پینے کی لطافت محسوس کرتے ہیں اور اپنی خوابگاہوں کی راحت اور نرم وگداز ہونے سے لطف اندوز ہوتے ہی ہیں تو کہتے ہیں کہ کاش ہمارے بھائی بھی جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کن نعمتوں سے مالا مال کر دیا ہے تا کہ وہ جہاد سے دست بردار نہ ہوں اور راہ حق میں جہاد کرنے سے پہلوتہی نہ کرنے لگیں۔ ان کی آرزو کو سن کر اللہ تعالیٰ نے فرمایا' میں تمہاری طرف سے انھیں یہ پیغام پہنچا دیتا ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں ولا تحسبن الذین (مسلم وابوداؤد)

شہیدوں کے بدن زندہ، کفن سلامت: اب یہاں الخصائص الکبریٰ کی [illegible] روایات کا ترجمہ کیا جاتا ہے۔ بعض کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت سیدنا امیر معاویہ [illegible] کے زمانے میں غزوہ احد کے [illegible] وقت نقل کیا گیا تو دیکھنے والوں [illegible]

ا۔ حضرت جابر بن [illegible]

زمانے میں ان کے والد ماجد کو قبر سے نکالا گیا تو وہ بالکل اسی طرح [illegible] کیے گئے تھے (بیہقی)

۲۔ انھیں سے ایک اور روایت کے مطابق اس وقت [illegible] تو سب کا وہی حال تھا جو دفن کے وقت تھا۔ نرمی سے [illegible] طرح مڑ رہے تھے (ابن سعد، بیہقی، ابو نعیم)

۳۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے جسم [illegible] جاری ہو گیا (بیہقی)

۴۔ حضرت جابر کے والد ماجد حضرت عبداللہ رضی اللہ [illegible] ہاتھ ان کے زخم پر تھا۔ ہاتھ زخم سے ہٹایا گیا تو خون جاری ہو [illegible] (بیہقی بطریق واقدی)

۵۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے اسی موقع [illegible] ہو چکا تو ان کی زندگی کے انکار کی کسے مجال ہو سکتی ہے [illegible]

۶۔ ایک روایت کے مطابق قبروں کو کھودا گیا تو مٹی [illegible] خوشبو ہر طرف پھیل گئی۔

۷۔ عطاف کے بقول ان کی خالہ نے ان سے [illegible] زیارت کی۔ میرے ساتھ صرف دو غلام تھے [illegible] شہداء کو سلام کیا اور سلام کا جواب سنا [illegible] ایک دوسرے کو۔ اس کے بعد [illegible]

۸۔ فاطمہ خزاعیہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے [illegible] کی قبر کی زیارت کی اور کہا السلام علیک [illegible] وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ [illegible]

۹۔ طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں ”میں اپنا بن والا مال لینے گیا تو وہیں رات ہو گئی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عمر بن حرام رضی اللہ عنہ کی قبر کے پاس ٹھہرا۔ قبر سے قرات کی ایسی آواز آرہی تھی کہ اس سے اچھی قرات میں نے نہیں سنی تھی۔ حضور پرنور ﷺ کی خدمت میں عرض کی تو فرمایا' وہ عبداللہ ہی تھے۔ کیا تجھے علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی روحوں کو قبض کر کے زبر جد و یاقوت کی قندیلوں میں رکھتا ہے' پھر ان کو جنت کے وسط میں لٹکا دیتا ہے۔ رات بھر کے لئے ان کی روحیں اپنے جسموں کے پاس آتی ہیں اور فجر تک یہاں رہ کر پھر اپنے مقامات پر واپس ہو جاتی ہیں“ (ابن مندہ)

ایک ضروری احتیاط: یہ دور مادر پدر آزادی کا دور ہے اور بعض لوگ بڑی بیباکی سے اللہ کے محبوبوں کے بارے میں جو منہ میں آتا ہے، کہہ جاتے ہیں۔ یہ انتہائی بدقسمتی کی علامت ہے۔ مجددین و مجتہدین تو ایک طرف ان کی زبان درازی عظمت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کے نہایت اہم تقاضوں کو بھی ملحوظ نہیں رکھتی بلکہ ایسے لوگ بعض دفعہ مزید کھل جاتے ہیں اور اللہ کے پاک و معصوم انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی ذات مقدسہ پر بھی معاذ اللہ عامیانہ و غیر متین تبصرے کرنے سے نہیں رکتے

اس قسم کے بدقسمت و بے ادب لوگوں کیلئے غزوہ احد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرز عمل بھی پسندیدہ موضوع ہے اور جو اس دن کے واقعات میں حکمتیں ہیں ان سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ وہ عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شدید جذبہ قربانی اور شوق شہادت سے بھی متاثر نہیں ہوتے اور میدان احد میں جس صبر و سکون سے وہ تیر پر تیر کھاتے رہے اور جس کیف و مستی سے وہ اپنے مالک حقیقی کی بارگاہ میں جان کا نذرانہ پیش کرتے رہے ہیں، اس سے بھی انھیں سروکار نہیں۔ ان کے سامنے صرف ایک دو پہلو ہوتے ہیں

ا۔ جب حضور پرنور ﷺ نے مدینہ منورہ کے اندر رہ کر کفار کا مقابلہ کرنے کو بہتر سمجھا تھا تو دوسروں نے اس کے خلاف کیوں رائے دی۔

۲۔ جنھیں درہ پر کھڑا رہنے اور کسی صورت بھی یہاں سے نہ سرکنے کی ہدایت تھی' وہ مال غنیمت کیلئے کیوں بھاگے۔

۳۔ جب حضور پرنور ﷺ کی شہادت کی خبر سنی تو انھوں نے معاذاللہ راہ فرار کیوں اختیار کی؟

جوابات: حقیقت یہ ہے کہ حضور ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے ذریعے بعد کے غلاموں کو مشاورت کی تربیت بھی دیا کرتے تھے اور یوں حکمرانوں نیز رہنماؤں کو عوام کی رائے کا احترام بھی سکھاتے تھے۔ محبوب خدا علیہ التحیۃ والثناء کا حامل وحی امام المرسلین علیہم الصلوۃ والسلام ہو کر بھی اپنے غلاموں کی ایسی حوصلہ افزائی انھیں شایان شان تھی، بادشاہوں کے ہاں پہلے دن سے زبانوں پر پہرے لگے رہتے کہ نوشیرواں جسے 'عادل' کا لقب دیا گیا' کے دربار میں کوئی بادشاہ کی رائے کے بات نہیں کرسکتا تھا۔ اللہ کے حبیب کریم علیہ التحیۃ والثنا غلاموں کو حریت فکر کی دولت عطا فرمانا چاہتے تھے چنانچہ حضور پرنور سیدنا رحمۃ للعالمین ﷺ نے دنیا کو جمہوری بادشاہت اور سچی حکومت میں جو فرق ہے، سکھانے کیلئے یہی نہیں بلکہ ہر مقام پر انھیں کھل کے مشورے دینے کا حوصلہ بخشا۔ پھر آپ گزشتہ اوراق دیکھیں صحابہ کرام میں معذور بیمار اور کمسن حضرات بھی شوق شہادت سے سرشار تھے بلکہ ... اس اعزاز کے منتظر تھے۔

بقول بیدم وارثی علیہ الرحمہ

ایک بیدم ہی نہیں تیار مرنے کے لئے
تیرے کوچے میں ہے جو جاناں کفن بردوش ہے

بلکہ غزوہ احد کے تناظر میں دیکھیں تو پہلا مصرع یوں ہونا چاہیے۔

ایک بیدم ہی نہیں بیتاب مرنے کیلئے

بظاہر مدینہ منورہ کے اندر رہ کر شاید ایسی صورت نہ بنتی حضور ...

کے خلوص عشق اور جذبہ سپاری سے آگاہ تھے لہذا انھیں مایوس کرنا شان رحمت کے خلاف تھا بالفاظ فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ

واہ کیا جود وکرم ہے شہ بطحا تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

پھر عشق خدا اور رسول علیہ الصلوۃ والسلام کے جو مظاہر غزوہ احد میں منظر عام پر آئے ہیں۔ رہتی دنیا تک اہل وفا کے لئے روشنی کا مینار بن گئے ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ ولولہ انگیز داستانیں گویا ملت کا بیش بہا سرمایہ ہیں۔

رہ گیا فتح وشکست کا مسئلہ تو مرد مومن کا ایک مخصوص نقطۂ نظر ہوتا ہے جسے دنیا والے نہیں سمجھ سکتے۔ عشق کے بندے 'پراسرار' ہوتے ہیں اور عقل والوں کی فہم ودانش سے ماورا۔ (گذشتہ صفحات میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی 'دعا' کا پھر مطالعہ کرلیں اور دیکھ لیں کہ وہ فلسفی کی عقل فلک پیما سے کتنے اونچے نکل گئے ہیں) حضرت اقبال نے عشق اور عقل کا جو فرق بتایا ہے' کاش اسے پیش نظر رکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شوق شہادت کا کچھ نہ کچھ اندازہ کرنے کی کوشش کی جاتی۔ صرف چند شعر ملاحظہ ہوں

مومن از عشق است و عشق از مومن است
عشق را ناممکن ما ممکن است
عشق در پیچاک اسباب و علل!!
عشق چوگاں باز میدان عمل!
عقل را سرمایہ از بیم و شک است
عشق را عزم و یقیں لاینفک است
آں کند تعمیر تا ویراں کند!!
ایں کند ویراں کہ آباداں کند

عقل محکم از لباس چون و چند !
عشق عریاں از لباس چون و چند
عقل می گوید کہ خود را پیش کن !
عشق گوید امتحان خویش کن
عقل گوید شاد شو آباد شو
عشق گوید بندہ شو آزاد شو

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسی 'عشق' کے علمبردار تھے اور غزوہ احد ان کے عشق کا مظہر کامل۔

پھر کیا یہ بات آپ بھول گئے کہ حضور پرنور ﷺ پہلے ہی ایک خواب کی تعبیر بیان فرماتے ہوئے جنگ کا حال اور انجام بیان فرما چکے تھے' یہ گویا تقدیر کا فیصلہ تھا۔ جیسے اللہ کے حبیب مکرم ﷺ نے بدر کے میدان میں جنگ سے پہلے بعض کافر سرداروں کے مرنے کے ٹھکانوں کی نشاندہی فرمادی تھی اور یونہی غزوہ احد سے پہلے اس کا عمومی نقشہ بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دکھادیا تھا لہٰذا یہ ہوکر رہنا تھا کیونکہ نبی (علیہ الصلوۃ والسلام) کی صداقت کا ایک اہم پہلو یہ بھی تھا۔ پھر اس حقیقت کو بھی سامنے رکھئے کہ مومن کی ترقی وعظمت کے دو اہم رازیا پر ہیں' صبر اور شکر۔

حضور پرنور ﷺ فرماتے ہیں

عَجَبًا لِاَمْرِ الْمُؤْمِنِ اِنَّ اَمْرَهٗ كُلَّهٗ لَهٗ خَيْرٌ وَّ لَيْسَ ذَالِكَ لِاَحَدٍ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ اِنْ اَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهٗ، وَاِنْ اَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهٗ (مسلم)

ترجمہ: مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے اس کا معاملہ اس کیلئے اچھا ہی اچھا ہے اور یہ شان اس کے سوا کسی کی نہیں۔ اگر اسے خوشحالی نصیب ہوتی ہے تو وہ شکر کرتا ہے سو وہ بھی اس کے لئے اچھا اور اگر تنگی و ترشی

ہو تو وہ صبر کرتا ہے سو یہ بھی اس کے لئے اچھا

ایک اور ارشاد عالی ہے:

مَا اُعْطِیَ اَحَدٌ عَطَآءً هُوَ خَيْرٌ وَّ اَوْسَعُ مِنَ الصَّبْرِ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: یعنی کسی شخص کو صبر سے بہتر اور زیادہ وسیع نعمت نہیں دی گئی

'صبر و شکر کا مقام دیکھ لیا، غزوہ بدر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شکر کا جو ایمان افروز مظاہرہ کیا وہ بھی رہتی دنیا تک امت مسلمہ کے لئے سبق آموز ہے اور یونہی غزوہ احد میں صبر کے مظاہر بھی لاجواب۔ بدن زخموں سے چور چور ہیں، تیروں کی بارش ہو رہی ہے، بازو شل ہو رہے ہیں، خون بہ رہا ہے مگر قربان جائیں اس جذبہ جاں سپاری کے کہ محبوب اکرم علیہ الصلوۃ والسلام کے گرد اگرد دیوار بن کے کھڑے ہیں۔ آخری دم ہیں اور پھر پوچھ رہے ہیں اللہ کے حبیب مکرم ﷺ کا کیا حال ہے، روح قفس عنصری سے پرواز کرنے والی ہے اور قوم کو وفا و استقامت کی تلقین کر رہے ہیں۔ حق یہ ہے کہ چشم فلک نے ایسا منظر اس سے پہلے دیکھا نہ بعد میں۔ چنانچہ ضروری تھا کہ کائنات کے سب سے بڑے انقلابی قائد ﷺ نے جس قسم کے 'پراسرار بندے' عشق و ایمان کی بھٹی میں ڈال کر کندن بنائے تھے' رہتی دنیا تک اسلام کی حقانیت کا اعلان کرتے رہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ پہلے دن سے یہ سلسلہ جاری رہا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی افواج کو کبھی عارضی شکست اور پھر مکمل فتح میسر آتی ہے۔ اور نبی آخر الزماں علیہ الصلوۃ والسلام چونکہ قیامت تک کے لئے نوع انسانی کیلئے 'اسوہ حسنہ' بن کر تشریف لائے تھے لہٰذا صبر و شکر کے روشن ترین مظاہر کی ضرورت تھی۔ چنانچہ چند سال بعد جب حضور پرنور ﷺ نے دنیا کے بادشاہوں کو دعوت اسلام کی غرض سے نامہ ہائے مبارک بھیجے تو اس وقت قیصر روم اور ابوسفیان کی جو بصیرت افروز گفتگو ہوئی، اس میں سے ایک سوال و جواب تبصرہ سمیت یوں تھا۔

ہرقل نے پوچھا: فَهَلْ قَاتَلْتُمُوْهُ ؟ (سوتم نے اس شخصیت سے کبھی جنگ کی ہے)
ابوسفیان بولا:نعم (ہاں)
ہرقل:فَكَيْفَ كَانَ قِتَالُهُ اِيَّاهُ (تو جنگ کا نتیجہ کیا نکلا؟)
ابوسفیان:اَلْحَرْبُ بَيْنَنَا وَ بَيْنَهُ سِجَالٌ يَنَالُ مِنَّا وَ نَنَالُ مِنْهُ (جنگ ہمارے اور ان کے درمیان ڈول کی طرح ہے کبھی ان کے ہاتھ میں اور کبھی ہمارے ہاتھ میں یعنی کبھی وہ فتح پاتے ہیں کبھی ہم)

یہاں تک کے الفاظ بخاری کے ہیں، یہاں باقی سوال وجواب پر ہرقل کا تبصرہ موجود ہے مگر اس لڑائی والے سوال پر نہیں) لہٰذا درج ذیل تبصرہ کی دوسری روایت ہے جو اسی واقعے کے متعلق بخاری کتاب الجہاد والسیر میں ہے)
ہرقل: كَذٰلِكَ الرُّسُلُ تُبْتَلٰى وَ تَكُوْنُ لَهَا الْعَاقِبَةُ (رسولوں کی اسی طرح آزمائش ہوتی رہی ہے لیکن آخر میں وہی کامیاب ہوتے ہیں)

اب آیئے سوال نمبر۲ اور نمبر۳ کی طرف اوپر کی تحریر سے بات بہت حد تک واضح ہو جاتی ہے کہ مخصوص حکمتوں کے پیش نظر شکست کی ایک عارضی سی صورت پیدا ہونی ضروری تھی۔ چنانچہ درے پر پہرے دینے والے حضرات نے جب غنیمت، غنیمت' کا شور سنا تو اکثریت کے ذہن سے یہ بات نکل گئی کہ اللہ کے پیارے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کس تاکید سے یہاں جمے رہنے کا حکم دیا تھا۔ وہ معاذ اللہ بدنیتی سے نہیں بلکہ غلط فہمی کی بنا پر تعمیل ارشاد میں قاصر رہے اور جو کچھ حضور پرنور ﷺ نے خواب میں دیکھا تھا، ہو کے رہا۔ پھر اس میں حکمت بھی تھی کہ مسلمانوں کی آنے والی نسلوں کے لئے یہ واقعہ تازیانہ عبرت بن سکے۔ یعنی حسن نیت سے بھی تعمیل ارشاد میں اگر کوتاہی ہو جائے تو لینے کے دینے پڑ جاتے ہیں اور واضح ترین فتح شکست میں تبدیل ہو جاتی ہے، اگر بدنیتی سے حضور پرنور ﷺ کی اطاعت سے روگردانی کی جائے تو پھر

نتیجہ کیا ہوگا۔ آج اپنے ملک کا نقشہ دیکھیں، ہمارے حکمرانوں کو خدا اور خدا کے رسول ﷺ کا ذرہ بھر خوف یا شرم نہیں خود ناچتے ہیں اور قوم کو نچا رہے ہیں اور نتیجہ یہ ہے کہ خود ذلیل ہیں اور قوم کو ذلیل کر رہے ہیں، امریکہ، برطانیہ، اسرائیل اور بھارت کے سامنے بھیگی بلی بنے ہوئے ہیں اور مسلمان رعایا کے سامنے شیر ہیں۔ زلزلہ ہاں ہاں ایسا ہولناک زلزلہ جو شاید صدیوں کے بعد آتا ہے پاکستان کے طول وعرض ہلا کے رکھ گیا مگر حکمرانوں کو توبہ کی توفیق پھر بھی نہیں ہوئی، بہر حال درے والوں کی غفلت دنیا کے لئے آئینہ عبرت بن گئی۔

اسی طرح میدان جنگ میں جب شیطان چیخا کہ حضور ﷺ کو شہید کر دیا گیا تو بعض عشاق پہلے سے بھی زیادہ بہادری سے لڑنے لگے، بعض افسردہ ہو کر بیٹھ گئے اور بعض حواس باختہ ہو گئے۔ ان میں سے کوئی ایک دوڑا تو دوسروں نے بھی اس حواس باختگی میں اس کی اقتدا کی۔ یہ سب کچھ سوچ سمجھ کر نہیں ہوا بلکہ انتہائی پریشانی میں ہوا اس لئے اللہ کریم نے چھوڑنے کی اور یوں بھاگنے والوں کی خطا بھی معاف فرما دی۔ چنانچہ جن آیات کریمہ میں غزوہ احد کا ذکر ہے ان میں دوبار معافی کا ذکر ہوا

آل عمران کی آیت نمبر ۱۵۲ میں درہ والوں سے مخاطب ہو کر فرمایا ولقد عفا عنکم اور بیشک اس نے تمہیں معاف فرمایا اور آیت نمبر ۱۵۵ میں بھاگنے والوں کا ذکر فرماتے ہوئے خود ان کی صفائی پیش کی۔

إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا وَاللَّهُ عَفَا عَنْهُمْ

ترجمہ: انھیں شیطان نے لغزش دی ان کے بعض اعمال کے باعث اور بیشک اللہ نے انھیں معاف فرما دیا

یاد رہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کے ذکر میں شیطان کے لغزش دینے کا ذکر ہے چنانچہ وہاں ہے

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ فرمایا یعنی شیطان نے ان دونوں کو لغزش دے دی۔

سب سے زیادہ محبت آفریں انداز یہ ہے کہ خود معاف فرما کر اپنے محبوب ﷺ کو بھی مائل بکرم کیا جا رہا ہے چنانچہ آیت نمبر ۱۵۹ میں فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ترجمہ: سو (اے حبیب) تم بھی انھیں معاف فرمادو اور ان کی شفاعت کرو اور کاموں میں ان سے مشورہ لیا کرو خیال فرمائیے مدینہ منورہ میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے جو مشورہ دیا اس کا نقصان بھی سامنے آگیا پھر بھی حکم ہو رہا ہے کہ ان سے مشورہ کر لیا کرو۔ کیا شان ہے محبوب اعظم ﷺ کے صحابہ کرام علیہم الرضوان کی اور پھر یہ بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظیم قربانیوں اور ان کے لاجواب شوق شہادت کا نتیجہ تھا کہ حضور سید عالم ﷺ نے اس روز فرمایا

اَمَا اِنَّ الْمُشْرِكِيْنَ لَنْ يُّصِيْبُوْا مِنَّا مِثْلَهَا اَبَدًا

(مشرکین آج کے بعد ایسی گزند کبھی نہیں پہنچا سکیں گے) (بیہقی)

اور دوسری روایت میں فرمایا لَنْ يَّنَالُوْا مِنَّا مِثْلَ هٰذَا الْيَوْمَ حَتّٰى نَسْتَلِمَ الرُّكْنَ (یعنی مشرکین ہم پر آج کی طرح کبھی غلبہ نہ پا سکیں گے یہاں تک کہ ہم رکن کو بوسہ دے لیں)۔

قسط 58

غزوۂ خندق

قسط نمبر 58

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گذشتہ قسط میں اس ارادے کا اظہار کیا گیا تھا کہ اب محبوب خدا علیہ التحیۃ و الثناء اور دوسرے محبوبان خدا علیہم الرضوان کے ان کمالات کا جن کا تعلق جہاد سے ہے ذکر شروع کیا جائے گا۔ چنانچہ اس (قسط) میں غزوہ احد سے اس تابناک سلسلے کا آغاز کیا گیا تھا۔ ماہ شوال کے شمارے کو اس تحریر سے یہ مناسبت بھی تھی کہ غزوۂ احد بھی شوال ہی میں ہوا تھا، اور اب ذی قعدہ کے شمارے میں غزوہ خندق کا ذکر اس لئے بھی ضروری ہے کہ ایک تو غزوہ احد کے بعد زیادہ اہم یہی (غزوہ) ہے نیز اس لئے بھی کہ ایک معتبر روایت کے مطابق یہ ذی قعدہ ۵ھ میں وقوع پذیر ہوا تھا۔

اس سلسلے کے تعارف کی وجہ دہرائے دیتے ہیں کہ اس سے قوم کی تربیت مقصود ہے اس وقت بھی ہمارے قومی عزووقار، شان وشوکت اور جاہ وجلال کی بقا کا دارومدار جذبۂ جہاد پر ہے اور ہمارے مسلمان حکمرانوں کا اگر وہ واقعی خود کو مسلمان سمجھتے ہیں تو فرض اولین ہے کہ قوم کی تربیت اس نہج پر کریں۔ اگر مختلف فرقوں کی فرقہ وارانہ مجاہد فوجیں خود ملی سلامتی اور امن وامان کی راہ میں حائل ہیں یا ہوسکتی ہیں تو بجا، مگر پاک

فوج میں تو یہ جذبہ برقرار ہی نہیں روز افزوں ہونا چاہئے۔ یارِ غارِ نبوت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سچ فرمایا تھا

مَا تَرَكَ قَوْمٌ الْجِهَادَ إِلَّا عَمَّهُمُ اللّٰهُ بِالْعَذَابِ (طبرانی)

ترجمہ: جو قوم جہاد چھوڑ دیتی ہے اللہ تعالیٰ ان پر ایسی آفت بھیج دیتا ہے جو ان سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔

چاہئے تو یہ تھا کہ ہمارے حکمران تاریخ اسلام کو سامنے رکھتے اور اسلامی فتوحات پر غور کر کے ان کی روشنی میں دین حق کی علمبرداری کے لئے نیز دنیا کو ظلم وستم سے پاک کرنے کے لئے پاک فوج کو ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح مضبوط و مستحکم کرنے کی تدبیریں سوچتے، اور انھیں جذبہ عشق رسول ﷺ سے سرشار کر کے شوق شہادت سے اس طرح معمور کر دیتے کہ ایک ایک سپاہی رگ باطل کے لئے نشتر بن جاتا بلکہ پوری قوم کو خوف غیر اللہ سے نجات دلا کر ایک ایک فرد کو یہ سمجھا دیا جاتا

مقامی بن کے آیا ہے نہ راہی بن کے آیا ہے
یہ دنیا رزمگہ ہے تو سپاہی بن کے آیا ہے
ترے لائق نہ دنیا دار کا جامہ نہ زاہد کا
ملا ہے درگہ حق سے تجھے رتبہ مجاہد کا

(حفیظ)

یہ دنیا جو ایک مدت سے استعمار کی چکی میں پستی چلی آرہی ہے اور جہاں بش جیسے خونخوار بھیڑیوں کو انسانیت کا خون پینے کی کھلی چھٹی ہے، سکھ کا سانس لیتی اور دور حاضر کے فرعونوں کے خوف و ہراس سے آزاد ہو کر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتی کہ

چڑھتی ہے جب فقر کی سان پر تیغ خودی
ایک سپاہی کی ضرب کرتی ہے کار سپاہ (حکیم الامت)

ہمارے حکمران جذبہ جہاد سے سرشار ہونے کے بجائے اس سے بیزار ہیں۔ انھوں نے قوم کو عیاشی وفحاشی کی ڈگر پر چلا دیا ہے۔ پاکستان کے اسلامی تشخص کو مٹا کر اسے عملاً ایک سیکولر سٹیٹ بنانے کے لئے کوشاں ہیں۔ دین کے یہ دشمن اپنی رعایا کو بے دین یا لادین بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔ انھیں اللہ کا ڈر نہیں، شیطان کا خوف کھائے جا رہا ہے۔ انھیں خدا اور رسول ﷺ کی رضا سے نہیں، امریکہ، نام نہاد اسرائیل اور بھارت کی رضا سے عشق ہے۔ غضب یہ کہ شامت اعمال جب آفات سماوی کے روپ میں سامنے آتی ہے تو بھی ان کے کان پر جوں نہیں رینگتی اور دل کچھ نرم ہو کر توبہ کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ نتیجہ یہ ہے کہ قوم روز بروز قعر مذلت میں گر رہی ہے اور عزت و وقار سے محروم ہوتی جا رہی ہے۔ کاش ہم دین حق کے سپاہی ہوتے اور اللہ جل مجدہ کے توکل پر دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت کا مقابلہ کرنے سے بھی نہ گھبراتے۔ مگر ہمارا حال یہ ہے جس ذات پاک سے ڈرنا چاہیے، اس سے بے خوف ہیں اور جس سے لڑنا چاہئے اس کے خوف سے لرزاں وترساں ہیں۔ اسی پس منظر میں ہم غزوہ خندق کے چند گوشوں کا ذکر کرتے ہیں جس سے چشم بینا اور قلب بیدار کے لئے کئی اسباق ہیں۔

افواج قاہرہ اور اہل ایمان: یہودیوں کے قبیلے بنی نضیر کو عہد شکنی اور بدترین شرانگیزی کی بنا پر مدینہ منورہ سے جلاوطن کیا گیا تو وہ خیبر میں جا کر آباد ہو گیا تھا۔ اس احسان کا کہ انھیں بدترین سازش وشرارت کے باوجود صرف بلکہ کچھ سامان بھی ساتھ لے جانے کی اجازت دی گئی تھی، انھوں نے یہ بدلا دیا کہ پہلے قریش کے پاس جا کر انھیں مدینہ منورہ پر چڑھ دوڑنے کے لئے مزید ہموار کیا اور پھر دوسرے قبائل کو بھی شریک جنگ ہونے پر آمادہ کر لیا۔ یوں مختلف قوموں اور قبیلوں کا یہ لشکر جرار جو ایک روایت کے مطابق چوبیس ہزار جنگجوؤں پر مشتمل تھا، اسلام کی شمع کو معاذ اللہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے گل کرنے کے لئے مدینہ منورہ کی طرف رواں دواں ہوا۔ بنی خزاعہ نے ان کی

جنگی تیاریوں کی مفصل رپورٹ بارگاہ رسالت میں پہنچادی۔حضور پر نور ﷺ نے مشاورت طلب فرمائی تو حضرت سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق خندق کھود کر دشمنوں کو مدینہ منورہ سے باہر روکنے کا فیصلہ طے ہوا۔

اس موقع پر نہایت ہی قابل ذکر فرق اہل ایمان اور منافقین کی نفسیات کا ہے۔مومنین اتنے بڑے لاؤلشکر کی خبر سن کر مطلقاً نہیں گھبرائے بلکہ ان کے ایمان میں مزید پختگی آ گئی۔البتہ منافقین کا برا حال تھا۔انھیں اللہ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کے وعدوں پر چونکہ ایمان نہیں تھا، اس لئے موت سے پہلے ہی بری طرح مرے جا رہے تھے۔دونوں فریقوں میں یہ فرق وہ ہے جو شروع سے آخر تک رہا بلکہ لحہ بہ لحہ نمایاں تر ہوتا گیا بالخصوص کفار جب اپنے کر وفر اور لشکر جرار کے ساتھ پہنچ گئے تو مسلمانوں کا کیا حال تھا۔قرآن پاک نے ان کی وفاداری اور ایمان وعشق پر مہر تصدیق یوں ثبت فرمائی۔

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا٥ (الاحزاب۔۲۲)

ترجمہ: اور جب مسلمانوں نے کافروں کے لشکر دیکھے، بولے یہ ہے وہ جو ہمیں وعدہ دیا تھا اللہ اور اس کے رسول نے اور سچ فرمایا اللہ اور اس کے رسول نے اور اس سے انہیں نہ بڑھا مگر ایمان اور اللہ کی رضا پر راضی ہونا۔

اس سے قبل امتحان کی سختی کے بارے میں خود فرمایا

هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا٥ (الاحزاب:۱۱)

ترجمہ: وہ جگہ تھی کہ مسلمانوں کی جانچ ہوئی اور خوب سختی سے جھنجھوڑے گئے

اس کے برعکس منافقین کا ردعمل کیا تھا یہاں صرف ایک آیت درج کی جاتی ہے

وَاِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا ○ (الاحزاب۔۱۲)

ترجمہ: اور جب کہنے لگے منافق اور جن کے دلوں میں روگ تھا ہمیں اللہ اور رسول نے وعدہ نہیں دیا مگر فریب کا

محبوب خدا علیہ التحیۃ والثناء کے عاشقان صادق حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جذبہ ایمان رنگ لایا اور آخر کار اللہ نے خصوصی نصرت آسمانی وفضائی سے نواز کر انھیں سرخرو فرمایا

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا ○ (الاحزاب۔۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو، جب تم پر کچھ لشکر آئے تو ہم نے ان پر آندھی اور وہ لشکر بھیجے جو تمہیں نظر نہ آئے اور اللہ تمھارے کام دیکھتا ہے

تفصیل تو آگے آئے گی، مختصر یہ کہ ٹھنڈی ہوا کے چلنے اور فرشتوں کے اترنے سے کفار میدان جنگ سے بھاگ نکلے تو بھی منافقین خوف وہراس سے پاگل ہورہے تھے ان کی ذہنیت کا پردہ قرآن پاک نے یوں چاک فرمایا ہے

یَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ یَذْهَبُوْا وَاِنْ یَّاْتِ الْاَحْزَابُ یَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِی الْاَعْرَابِ یَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآىِٕكُمْ وَلَوْ كَانُوْا فِیْكُمْ مَّا قٰتَلُوْۤا اِلَّا قَلِیْلًا ○ (الاحزاب۔۲۰)

ترجمہ: وہ سمجھ رہے ہیں کہ کافروں کے لشکر ابھی نہ گئے اور اگر لشکر

دوبارہ آئیں تو ان کی خواہش ہوگی کہ کسی طرح گاؤں میں نکل کر
تمھاری خبریں پوچھتے اور اگر وہ تم میں رہتے جب بھی نہ لڑتے مگر
تھوڑے۔

غور فرمائیے اگر توحید انسان کو ماسوئٰی کے خوف سے آزاد کردیتی ہے اور ایمان کی قوت سے وہ بڑے سے بڑے فرعون کو بھی خاطر میں نہیں لاتا تو اس کے مقابلے میں بے یقینی اسے ایسے حالات سے دوچار کردیتی ہے جہاں وہ گویا ہر وقت گومگو کی کیفیت ہی میں نہیں رہتا بلکہ اس سے امید وآرزو کا سلسلہ منقطع کر کے اسے یاس و ہراس میں مبتلا کئے رکھتی ہے۔اسی لئے حضرت اقبال علیہ الرحمہ نے اس کو سب سے بڑی لعنت قرار دیا ہے

یقیں مثل خلیل آتش نشینی
یقیں ، اللہ مستی ، خود گزینی
سن ، اے تہذیب حاضر کے گرفتار
غلامی سے بدتر ہے بے یقینی

لہذا اسلام اور ایمان کا کوئی اور فائدہ کسی کی سمجھ میں آئے نہ آئے ، کیا یہی کم ہے کہ انسان ہجوم آفات وبلیات میں بھی مطمئن اور پرسکون رہتا ہے اور کسی موقعے پر بھی زندگی سے نفرت نہیں کرتا ، بلکہ یہی قوت ایمانی ہے جس سے اس کی زندگی (worth living) ہوجاتی ہے، اور جب اللہ کے نام پر اسے قربان کرنے کا وقت آجائے تو اس کے سکون وسرور میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے اور ہنسی خوشی ہی شہادت قبول نہیں کرتا بلکہ یہی اس کا مطمح نظر بن جاتی ہے۔اللہ اللہ! حسن یقین اسے کتنا بلند و بالا کردیتا ہے کہ موت بھی اسے چھو نہیں سکتی۔

لحد میں بھی یہی غیب و حضور رہتا ہے

اگر ہو زندہ تو دل ناصبور رہتا ہے
مہ و ستارہ، مثال شرارہ یک دو نفس
مئے خودی کا ابد تک سرور رہتا ہے
فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا
ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے

محبوبان خدا انبیاء و مرسلین علیہم السلام یا اولیاء و شہدا علیہم الرضوان سب کے حالات و واقعات اسی نکتۂ ایمان کی تفسیریں ہیں۔ چنانچہ غزوہ بدر ہو کہ معرکہ احد، ہر کہیں ایمان و یقین کے تابندہ مظاہر بھی نظر آئیں گے اور اس کے برعکس کفر و نفاق کے تاریک اثرات بھی۔ آیئے اب اپنے موضوع غزوہ خندق کی طرف اور مطالعہ کریں کہ اس میں خدا کے محبوب اعظم ﷺ کے اہل بیت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے صبر و شکر اور سکون و اطمینان کی کیا کیفیت تھی اور مدینہ منورہ کے کم نظر اور پست ہمت منافقین کا کیا طرز فکر و عمل تھا۔

خندق کی کھدائی: جس طرف سے دشمنوں کی آمد کا امکان تھا ادھر خندق کے نشانات لگا کر مختلف حضرات کو کھدائی پر متعین فرما دیا گیا۔ ہر دس آدمی کو چالیس گز خندق جو پانچ گز گہری اور پانچ گز چوڑی کھودنے کا فریضہ سونپا گیا۔ ساری کائنات کے والی و مختار حضور سید ابرار ﷺ خود اپنے غلاموں کے ساتھ مصروف کار تھے۔ روایات کے مطابق شکم مبارک کے بال مبارک مٹی سے اٹ گئے تھے اور اس مقدس گرد و غبار نے جسم اقدس کی جلد مبارک کو ڈھانپ لیا تھا۔ اللہ کے محبوب اعظم ﷺ اپنے عاشقان بلند ہمت رضی اللہ عنہم کو دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔ کون ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس کیف و سرور کا اندازہ کر سکے جو انھیں محبوب گدا نواز ﷺ کی اس مبارک دعا سے حاصل ہو رہا تھا

اَللّٰھُمَّ اِنَّ الْعَیْشَ عَیْشُ الْاٰخِرَۃِ
فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَ الْمُھَاجِرَۃِ

ترجمہ: بیشک اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے ۱؎ ۔(میرے اللہ!) انصارومہاجرین کی مغفرت فرما۔

اس صدائے دلنواز سے صحابہ کرام علیہم الرضوان پراور بھی سرمستی چھا جاتی تھی اوروہ بیک زبان اپنے عشق وایمان کا اظہار یوں کرتے تھے

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا
عَلَی الْجِھَادِ مَا بَقِیْنَا اَبَدًا

ترجمہ: ہم وہ (وفا سرشت) ہیں جو حضور محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو چکے ہیں (یا بک چکے ہیں) کہ جب تک زندہ رہیں گے جہاد سے منہ نہیں موڑیں گے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق حضور جانِ نور ﷺ خندق کھودتے اور مٹی اٹھا اٹھا کر پھینکتے تھے، پھر اس موقع پر بھی نہایت ہی دلنواز لہجے میں اپنے ایک جاں نثار جناب حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے یہ اشعار بھی پڑھتے تھے

وَاللّٰہِ لَوْ لَا اللّٰہُ مَا اھْتَدَیْنَا (۱) وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّیْنَا
فَاَنْزِلَنْ سَکِیْنَۃً عَلَیْنَا (۲) وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَّاقَیْنَا
اِنَّ الْاُوْلٰی قَدْ بَغَوْا عَلَیْنَا (۳) اِذَا اَرَادُوْا فِتْنَۃً اَبَیْنَا

۱؎: یہ ہے انقلابِ مصطفوی (علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام) کا ایک بنیادی تصور، یعنی یہ اصل زندگی دنیوی زندگی نہیں بلکہ آخرت کی زندگی ہے لہذا یہاں کا دکھ سکھ، عزت وذلت، کامیابی وناکامی سب عارضی ہے، انسان کو اگلی زندگی ملحوظ رکھنی چاہئے آج بھی اقبال علیہ الرحمہ کے بقول وہی امام برحق ہے جو قوم کو اس جذبے سے سرشار کردے

ہے وہی تیرے زمانے کا امامِ برحق — جو تجھے حاضر وموجود سے بیزار کرے
موت کے آئنے میں تجھ کو دکھا کر رخِ دوست — زندگی تیرے لئے اور بھی دشوار کرے

ترجمہ: ۱۔ اللہ کی قسم! اگر اللہ کا فضل وکرم نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے اور نہ صدقہ دیتے اور نہ نماز پڑھتے

۲۔ لہذا اے اللہ! تو ہم پر سکون واطمینان اتار دے اور جنگ میں ہمیں ثابت قدم رکھ

۳۔ یقیناً ان (کافروں) نے ہم پر ظلم کیا اور جب بھی انھوں نے فتنے کا ارادہ کیا، ہم نے (صاف) انکار کردیا

اس مبارک موقع پر حضور ہادی سبل صلے اللہ علیہ وسلم ابینا ابینا بلند آواز سے بار بار فرماتے تھے بعض روایات کے مطابق حضور پرنور ﷺ نے دست مبارک سے پہلی بار جب کدال زمین پر ماری تو یہ کلمات مبارکہ زبان مبارک پر جاری ہوئے

بِسْمِ اللّٰهِ وَ بِهٖ بَدَيْنَا وَلَوْ عَبَدْنَا غَيْرَهٗ شَقِيْنَا

حَبَّذَا رَبًّا وَ حَبَّذَا دِيْنًا (فتح الباری ج ۷)

ترجمہ: اللہ کے نام سے اور اسی کے بھروسے پر شروع کرتے ہیں۔ اگر اس کے سوا کسی اور کی عبادت کرتے تو بدنصیب ہوتے۔ وہ کیا ہی اچھا رب ہے اور اس کا دین کیا ہی اچھا ہے

تین چار میل لمبی یہ خندق جس میں بعض مقامات پر زمین کی تری بھی آ گئی تھی، چھ دن میں مکمل ہو گئی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے صبر وہمت پر قربان جنھوں نے تین تین دن تک کچھ نہ کھا کر بھی اسے نہایت ہی تیزی سے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

محبوب خدا علیہ التحیۃ والثنا کی برکات: یوں تو ساری مخلوق حضور رحمۃ للعلمین ﷺ کی روز اول سے مہمان ہے کہ اللہ نے انھیں ہر نعمت ودولت کا قاسم وخازن بنایا ہے۔ مگر یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو اپنی ساری متاع حیات اس محبوب دلنواز ﷺ کے ایک ایک اشارہ ابرو پر بصد ذوق وشوق قربان کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے تھے،

ان کا اور ہی مقام تھا۔ سچ پوچھو تو ان کا سب سے بڑا انعام یہی کمال حلاوت ایمان' یہی صبر و شکر اور یہی کیف و سرور تھا۔ عشق رسول ﷺ نے انھیں اس خاکدانِ ہستی، اس عالم رنگ و بو، اس دنیائے شام و سحر اور تصورات سود و زیاں سے ہی وراء الورا کر دیا تھا ان نفوس قدسی پر فرشتوں کا تقدس قربان ہو جاتا تھا اور ان کی رفعت پرواز پر مکینانِ عالم بالا حیرت زدہ تھے۔ حکیم الامت مردِ مومن کی شان میں فرمایا ہے

ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں، کار کشا، کارساز
خاکی و نوری نہاد، بندۂ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی، اس کا دلِ بے نیاز

یوں سمجھئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور پرنور ﷺ کے فیض صحبت سے اس مقام کی انتہا پر تھے۔ انھیں ضرور بھوک لگتی تھی اور یہ تقاضائے بشریت ہی نہیں تھا بلکہ تسلیم و رضا کا امتحان بھی تو اسی صورت میں ممکن تھا۔ (کیونکہ اگر بھوک نہ لگتی تو صرف فرشتوں تک پہنچتے مگر ان کی منزل تو کہیں آگے تھی لہذا بھوک لگنے اور پھر اسے برداشت کرنے ہی سے انھیں فوقیت حاصل ہوناتھی اور اسی صورت میں انھیں بعد والوں کے لئے 'مثالی' بننا تھا) چنانچہ اس کا مظاہرہ نہایت آب و تاب سے غزوہ خندق کے موقعے پر ہوا۔ خندق کھودتے جا رہے ہیں، کیف و سرور میں ڈوب کر جانِ حسن و خوبی حضور اصل نور ﷺ کے دیدار کے مزے لوٹ رہے ہیں اور از حد والہانہ انداز میں اپنی وابستگی و عشق و مستی کا اعلان کئے جا رہے ہیں۔ محبوب خدا تاجدار لولاک لما علیہ التحیۃ والثناء ان کے کام کی نگرانی ہی نہیں فرما رہے بلکہ خود کدال لئے ان کے ساتھ کھدائی میں مصروف ہیں کہ شکم اقدس سے کپڑا کچھ سرکتا ہے تو اس پر دو پتھر بندھے نظر آتے ہیں۔ اس صورت حال سے عاشقانِ وفا پیشہ جو خود تین دن سے بھوکے تھے اور

پیٹ پر ایک ایک پتھر باندھے ہوئے تھے مضطرب ہو جاتے ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی دعوت: حضرت جابر رضی اللہ عنہ اس صورت حال کی تاب نہیں لاتے، اجازت لے کر گھر جاتے ہیں۔ گھر میں موجود چند سیر جو ہیں اور ایک بکری کا بچہ۔ چند آدمیوں کے کھانے کا اہتمام کر کے حضور پر نور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں اپنے ہاں تشریف لے جانے کی درخواست کرتے ہیں۔ نیز ایک دو مزید ساتھیوں کی گنجائش کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ''دیکھو میرے آنے سے پہلے ہنڈیا نیچے نہ اتارنا اور نہ روٹیاں پکانا' پھر خود ہی اس پیکر عطا و سخا ﷺ نے بلند آواز سے اعلان فرمایا' اے خندق والو! جابر رضی اللہ عنہ نے تمھارے لئے کھانا پکایا، آؤ سب کھاؤ'۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کثرت افراد اور قلت طعام پر پریشان ہیں تو زوجہ محترمہ فرماتی ہیں' اگر دعوت حضور پر نور ﷺ نے خود دی ہے تو گھبرانے کی ضرورت نہیں، چنانچہ شہنشاہ ارض و سما ﷺ تشریف فرما ہوتے ہی آٹے اور ہنڈیا میں لعاب دہن شریف ڈالتے ہیں اور روٹیاں پکانے کا حکم صادر فرماتے ہیں۔ دس دس آدمیوں کو بلا کر ضیافت ہو رہی ہے اور یوں باری باری ایک ہزار نفوس نے کھانا کھایا مگر ہنڈیا میں کمی آئی نہ آٹے میں۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا' اب خود بھی کھاؤ اور رشتہ داروں اور دوستوں کو بھی تحفہ بھیجو (کہ یہ سب قحط سالی کا شکار ہیں۔) دیر تک تقسیم جاری رہی' پھر رحمت عالم ﷺ تشریف لے گئے تو ہر چیز بھی ختم ہو گئی (بخاری و مسلم)

دوسری دعوت: اسی دوران ایک روز حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ ان کی والدہ ماجدہ کی طرف سے کھجوروں کا ایک ڈونگا اپنے باپ اور ماموں حضرت عبداللہ بن رواحہ (رضی اللہ عنہم) کے لئے لاتی ہیں۔ حضور پر نور ﷺ نے وہ کھجوریں بچی سے لے کر ایک چادر پر بکھیر دیں اور بلند آواز سے اعلان کرا دیا کہ سب اہل خندق کھانے کے لئے آجائیں۔ چنانچہ سب نے سیر ہو کر کھایا مگر کھجوریں بڑھتی ہی گئیں

تیسری دعوت: ایک دن حضرت ام عامر اشہلیہ رضی اللہ عنہا نے ایک برتن میں ایک قسم کا حلوہ ڈال کر سرورداریں علیہ الصلوۃ والسلام کی بارگاہ بیکس پناہ میں بھیجا تو اندر خیمے میں حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنی مرضی کے مطابق تناول فرمالیا تو باقی کا حضور پرنور ﷺ نے باہر لا کر اعلان کرادیا کہ لشکر والے رات کا کھانا حضور ﷺ کے ہاں کھائیں۔ سب نے خوب سیر ہو کر کھایا مگر حلوے میں کوئی کمی نہ آئی

کیا اس قسم کے واقعات اس ایمان افروز حقیقت کی توضیح کے لئے کافی نہیں کہ انسانیت دامن رحمت عالم ﷺ سے وابستہ ہو جائے تو بھوک کا مسئلہ ہی نہیں، سب مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ ہم اہل پاکستان کو غیر مسلموں کے ہاں قومی عزت ووقار بیچ کر منہ مانگے سود پر قرض حاصل کرنا دو جہان کا وبال ہے مگر افسوس عقل عیار، کے بچھائے ہوئے جال بڑے خوبصورت ہیں۔ جو ہم پر حقیقت حال کھلنے نہیں دیتے۔ آیئے محبوب خدا علیہ التحیۃ والثنا کے آگے جھولی پھیلا کر دین بھی مانگیں، دنیا بھی' ایمان بھی مانگیں، سامان بھی، باغ جنت بھی مانگیں، دنیوی شوکت بھی، عرش معلیٰ سے یہی آواز آرہی ہے، کاش اس پر کان دھر سکیں

عقل ہے تیری سپر، عشق ہے شمشیر تری
مرے درویش! خلافت ہے جہانگیر تری
ماسوی اللہ کے لئے آگ ہے تکبیر تری
تو مسلمان ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری
کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

خندق بھی تو ایک تدبیر ہی تھی مگر دیکھو اس کی برکت کہ کفار کے ناپاک عزائم کو اس نے خاک میں ملا کے رکھ دیا اور تقدیر نے انھیں ذلت ورسوائی کے سوا کچھ نہ دیا۔

مگر یہ تو محبوب خدا علیہ التحیۃ والثناء کے غلاموں کی تدبیر تھی، دوسری طرف اسلام اور اہل اسلام کو معاذ اللہ نیست و نابود کرنے کے لئے عرب بھر کے شعوب وقبائل کو متحد و منظم کرنا بھی ایک تدبیر تھی مگر کن کی دشمنان مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی، جو نتیجہ نکلا ظاہر ہے اور پھر آخرکار بنی قریظہ کو بھی شامل شیطنت کرنا اس ناپاک تدبیر کو حتمی طور پر کامیاب کرنے ہی کی غرض سے تھا مگر پھر بھی

ع الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا

غور کریں تو رحمۃ للعلمین ﷺ کی رحمت عامہ کا ظہور اس خندق کی صورت میں بھی خوب ہوا۔ کفار کینہ توز کا مقصد تھا اہل ایمان کو معاذ اللہ تہس نہس کرنا اور ان کی کثردم صفت (یعنی بچھو مارکہ) فطرت کا تقاضا ایسی ہی منصوبہ بندی تھی مگر رحمت عالم ﷺ کا مقصد تھا پوری انسانیت کی حفاظت، اپنوں کا دفاع ہی نہیں، دشمنوں کا تحفظ بھی۔ چنانچہ خندق نے ان کا خون بہنے دیا نہ اُن کا۔ ہلاکت خیزی کی اتنی بڑی شیطانی سازش کے برعکس مسلمانوں سے صرف چھ یا آٹھ صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے اور کفار کے صرف تین افراد فنا فی النار۔ اسی قسم کے واقعات کو سامنے رکھ کر جارج برنارڈ شا جیسے عیسائی فلسفی نے حضور پرنور ﷺ کو Saviour of humanity (یعنی انسانیت کا محافظ) کہا ہے۔

قصہ ایک چٹان کا: کھدائی کے دوران ایک چٹان نہایت سخت تھی۔ حضرت سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ نے حضور فریادرس کون ومکاں ﷺ کی بارگاہ میں اسے توڑنے میں اپنی بے بسی کی شکایت کی تو حضور پرنور ﷺ نے خود گینتی پکڑی اور اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر اس پر ضرب لگائی۔ روشنی ہوئی اور اس کا تیسرا حصہ ٹوٹ کر الگ جا گرا۔ محبوب خدا علیہ التحیۃ والثناء نے فرمایا.........اَللّٰہُ اَکْبَرُ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ الشَّامِ (مجھے ملک شام کی چابیاں دے دی گئیں) دوسری ضرب پر اس طرح روشنی کے ساتھ دوسرا حصہ

ٹوٹ گیا تو فرمایا اللہ اکبر اعطیت مفاتیح فارس (مجھے ایران کی کنجیاں بخش دی گئیں) تیسری ضرب سے اسی طرح باقی چٹان بھی ریزہ ریزہ ہوگئی تو فرمایا اَللّٰہُ اَکْبَرُ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ الْیَمَنِ (مجھے یمن کی چابیاں عطا کی گئیں) گویا ان تین ضربوں سے چٹان ہی نہیں ٹوٹی، تین ممالک کی فتح کا مژدہ سنا گیا (دوسرے الفاظ میں مجھے دیئے جانے سے مراد ہے امت کو عطا کی گئیں چنانچہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں یہ ملک فتح ہوئے جس سے ان کی خلافت راشدہ کی حقانیت واضح ہوگئی)

منافقین کا طرزِ فکر: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی اس مژدہ جانفزا پر شک وشبہ کا اظہار نہیں کیا البتہ منافقین نے بڑا زہریلا تبصرہ کیا چنانچہ ان کے الفاظ دیکھئے

اَلَا تَعْجَبُوْنَ مِنْ مُّحَمَّدٍ یُمَنِّیْکُمْ وَیَعِدُکُمُ الْبَاطِلَ وَ یُخْبِرُکُمْ اَنَّہٗ یُبْصِرُ مِنْ یَثْرِبَ قُصُوْرَ الْحِیْرَۃِ وَ مَدَائِنَ کِسْرٰی وَاِنَّھَا تُفْتَحُ لَکُمْ وَ اَنْتُمْ اِنَّمَا تَحْفِرُوْنَ الْخَنْدَقَ مِنَ الْفَرَقِ لَا تَسْتَطِیْعُوْنَ اَنْ تَبْرُزُوْا (ضیاء النبی جلد۴ بحوالہ السیرۃ النبویہ از ابن کثیر)

ترجمہ: کیا تم کو محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی ان باتوں سے تعجب نہیں ہوتا کہ وہ تمہیں امیدیں دلا رہا ہے اور جھوٹے وعدے کر رہا ہے کہ تم قیصر وکسریٰ کے ملکوں کو فتح کرو گے حالانکہ تم دشمن کے خوف سے خندقیں کھودنے پر مجبور ہو اور تم قضائے حاجت کے لئے باہر بھی نہیں جاسکتے۔

ازراہ کرم، بار بار ان الفاظ پر غور کیجئے اور فرمایئے کیا دور اول کے منافقین اور دور حاضر کے منافقین کے طرز فکر میں رتی بھر فرق ہے۔ ہاں اتنا فرق ضرور ہے کہ وہ اس قسم کے دعووں کا انکار تو کرتے تھے مگر اسے شرک سے تعبیر نہیں کرتے تھے۔ ترقی

پسند' منافقین اس قسم کے دعویٰ کو شرک قرار دیتے ہیں اور اپنی بات کو مضبوط انداز میں پیش کرنے کے لئے آیات وروایات سے اسے 'مزین' بھی کرتے ہیں۔ یاد رہے فضائل رسول ﷺ کا انکار ہی کفر ونفاق کی اصل پہچان ہے اور قرآن وحدیث کے حوالے سے اس کا انکار کرنا تو ستم بالائے ستم' یا کفر بالائے کفر' ہے۔ (کیونکہ قرآن پاک کا تو مشن ہی اعلان فضل رسول اور رفعت ذکر حضور ﷺ ہے) پھر یہ بھی سوچئے حضور ﷺ کوئی دعویٰ فرمائیں اور بعض بدبختوں کے نزدیک مضمون دعویٰ ہی شرک ہو تو مشرک (معاذ اللہ) کون ہوگا۔

اس واقعے میں ممالک مذکورہ کی چابیوں کا جو ذکر ہے اس سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فتوحات ہی ہیں، ورنہ حضور پر نور ﷺ کو تو سارے جہان کی چابیاں روز اول ہی عطا فرما دی گئی تھیں۔ میلاد شریف کی روایات ملاحظہ فرمائیں اور پھر آخری ایام کا ایک خطبہ مقدسہ جو صحیحین میں مذکور ہے، اس کے ایک جملے پر غور کریں، حضور ﷺ قسم کھا کر فرماتے ہیں۔

وَاِنِّیْ قَدْ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنَ الْاَرْضِ

ترجمہ: اور مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں دی گئیں۔

غرض علم رسول کی بات ہو کہ اختیار رسول کی، شہود ومشاہدہ رسول کا ذکر ہو کہ حمایت واعانت رسول کا (ﷺ) منافق کے پاس 'انکار' کے سوا کچھ نہیں۔ یہ بغض کا بیمار ہے اور یہ مرض لاعلاج ہے۔

شیر خدا کی تیغ آزمائی: ایک دن عرب کا مشہور شہسوار و جنگجو عمرو بن عبدود نے جو اکیلا ایک ہزار بہادروں کے برابر سمجھا جاتا تھا، ایک جگہ خندق کو نسبتاً تنگ دیکھ کر گھوڑے کو ایڑ لگائی اور دوسرے کنارے پہنچ کر للکارا ھل من مبارز (ہے کوئی میرے ساتھ مقابلہ کرنے والا)۔ شیر خدا اور سول سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اپنے آقا

ومولا ﷺ کی اجازت سے اس کے سامنے جا کھڑے ہو گئے اور فرمایا' اے عبدودّ کے بیٹے! میں نے تیرا یہ اعلان سنا ہوا ہے کہ اگر کوئی قریشی تجھ سے دو چیزوں کا مطالبہ کرے تو ان میں سے ایک ضرور مان لیتا ہے'۔ بولا ہاں ضرور' فرمایا' میں تجھے اللہ' اس کے رسول ﷺ اور اسلام کی طرف بلاتا ہوں'۔ بولا' مجھے اس کی ضرورت نہیں'۔ پھر شیر خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا' آ اور میرے ساتھ مقابلہ کر'۔ بولا' تیرا باپ ابوطالب میرا دوست تھا۔ میں تجھے اپنی تلوار سے قتل نہیں کرنا چاہتا، آپ نے فرمایا' مجھے تیرا قتل بہت پسند ہے' یہ سن کر وہ غصہ سے پاگل ہو گیا' گھوڑے سے کودا، اس کی کونچیں کاٹ کر پنجہ آزمائی شروع کر دی۔ حضور ﷺ اپنے شیر کے لئے دعا فرما رہے تھے۔ دونوں لڑتے لڑتے گرد و غبار میں چھپ گئے۔ غبار چھٹا تو دنیا نے دیکھا کہ شیر خدا رضی اللہ عنہ اس پیکر غرور و نخوت کی چھاتی پر بیٹھا اس کا سر تن سے جدا کر رہا ہے۔ اگرچہ پہلے آپ کے رخ پرنور پر بھی زخم آ گیا تھا مگر اس کے بعد آپ کی تلوار اس کے فولادی خود اور زرہ کو چرتی ہوئی دشمن خدا کے دو ٹکڑے کر کے زمین پر آ کر ہی رکی تھی۔

زرقانی شریف (ج ۲) کی روایت کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اے علیؓ! آپ نے عمرو بن عبدود کی زرہ کیوں نہیں اتاری حالانکہ سارے عرب میں اس سے اچھی زرہ کوئی نہیں تھی۔ جواب دیا' اے عمر! ذوالفقار کے وار سے وہ زمین پر گرا تو اس کی شرمگاہ کھل گئی۔ اس لئے حیا کی وجہ سے میں نے منہ پھیر لیا۔

حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کا اعزاز: ایک رات مشرکین کے سوار خندق کے گرد پھر کر کسی تنگ جگہ کی تلاش میں تھے کہ پار ہو کر اہل ایمان پر حملہ کر دیں۔ حضور ﷺ اپنے پہرہ دار حضرت عباد بن بشر کو کچھ ساتھی لے کر ابوسفیان اور اس کے ساتھی گھڑسواروں کو روکنے کا حکم دیا چنانچہ مجاہدین کے تیروں کی بارش سے حملہ آور بدحواس ہو کر فرار ہو گئے۔ حضرت عباد تازہ رپورٹ لے کر حاضر ہوئے تو اللہ کے محبوب اعظم ﷺ

پھر نماز میں مصروف ہو گئے تھے ام المومنین حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں

يَرْحَمُ اللّٰهُ عِبَادَ بْنِ بَشْرٍ فَاِنَّهٗ كَانَ اَلْزَمَ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بِقُبَّتِهٖ يَحْرُسُهَا اَبَدًا

ترجمہ: اللہ تعالیٰ عباد پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے، یہ ہر وقت حضور ﷺ کے خیمے کے پاس رہتے تھے اور اس کا پہرہ دینے میں ذرا غفلت نہ کرتے تھے (ضیاء النبی ج۴ ملخصا)

ملعون نوفل کا انجام: ملعون نوفل بن عبداللہ حضور سرور کائنات جان حیات علیہ افضل الصلوات واکمل التسلیمات کو شہید کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ چنانچہ گھوڑے پر سوار ہو کر خندق کو پھاندنا چاہتا تھا کہ خندق ہی میں گر پڑا، گردن ٹوٹ گئی اور جہنم میں پہنچ گیا ایک روایت کے مطابق اس نے اپنا مقابل طلب کیا تو سیدنا حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ اس پر بجلی کی طرح جھپٹے اور ایسی تلوار ماری کہ وہ دو ٹکڑے ہو گیا اور تلوار زین کو کاٹتی ہوئی گھوڑے کی کمر تک پہنچ گئی۔ لوگوں نے داد دی 'زبیر! تیری تلوار کی مثال نہیں (يَا اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ مَارَاَيْنَا مِثْلَ سَيْفِكَ) فرمایا 'تلوار کی کیا حقیقت ہے اصل تو تلوار چلانے والی کلائی ہے (وَاللّٰهِ مَاهُوَ السَّيْفُ وَلٰكِنَّهَا السَّاعِدُ)

رحمۃ للعلمین ﷺ اور دشمنوں کی لاشیں: کفار نے عمرو بن عبدود اور نوفل کی لاشوں کی واپسی کیلئے دس دس ہزار درہم معاوضہ پیش کیا لیکن رحمۃ للعلمین ﷺ نے فرمایا

لَا نَاكُلُ ثَمَنَ الْمَوْتٰى

ترجمہ: ہم مردوں کو بیچ کر ان کی رقم نہیں کھایا کرتے اور ان کی لاشوں کو بلا معاوضہ واپس کر دیا (ضیاء النبی)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا خصوصی اعزاز: علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی علیہ الرحمہ

کتاب سیرت مصطفیٰ میں لکھتے ہیں

حضور ﷺ نے جنگ خندق کے موقع پر، جبکہ کفار مدینہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے اور کسی کے لئے شہر سے باہر نکلنا دشوار تھا، تین دفعہ ارشاد فرمایا کہ 'کون ہے جو کفار کی خبر لائے؟ تینوں مرتبہ زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ نے جو حضور ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے فرزند ہیں، یہ کہا کہ 'میں یارسول اللہ (ﷺ) خبر لاؤں گا۔' حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی اس جاں نثاری سے خوش ہو کر تاجدار دو عالم ﷺ نے فرمایا

لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيٌّ وَإِنَّ حَوَارِيَّ الزُّبَيْرُ (بخاری ج۲ص۵۹۰)

ترجمہ: ہر نبی کے لئے کوئی نہ کوئی حواری ہوتا ہے اور میرا حواری زبیر ہے

(ترجمہ بتغیر لفظی۔ آسی)

اسی طرح حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بارگاہ رسالت سے حواری کا خطاب ملا، جو کسی دوسرے صحابی کو نہیں ملا۔ (سیرت مصطفیٰ ﷺ ص۲۶۴)

ایک روایت کے مطابق یہ خطاب آپ کو اس سے پہلے غزوہ احد میں بھی مل چکا تھا جیسا کہ گذشتہ قسط میں گزرا۔ غالباً اب کے یہ ارشاد دوبارہ فرمایا گیا۔

بے مثال رسول ﷺ کی بے مثال پھوپھی رضی اللہ عنہا: کفار کی اجتماعی یلغار کا منصوبہ جب انتہا کو پہنچ گیا تو یہودیوں کے پانچ پانچ یا دس دس آدمی بھی ٹولیوں کی صورت میں ان قلعوں کے اردگرد چکر لگانے لگے جہاں مسلم خواتین اور بچے ٹھہرے ہوئے تھے نبی کریم ﷺ کی پھوپھی حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے ایک یہودی کو مشکوک حالت میں اپنے قلعے کے اردگرد گھومتے دیکھا تو آپ نے خیال فرمایا کہ یہ یہودیوں کا جاسوس ہے، انھیں جا کے بتائے گا کہ یہاں کوئی پہرہ دار نہیں چنانچہ جب وہ قریب آیا تو آپ نے اس کے سر پر ایک شمشیر مار کر اس کا کام تمام کر دیا اور اس کا سر کاٹ کر

یہودیوں کی طرف پھینک دیا۔اس سے انھیں پہرہ داروں کی موجودگی کا یقین ہو گیا اور پھر انھیں حملہ کرنے کی جرات نہیں ہوئی۔

حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی جرات و دلیری کا یہ ایمان افروز واقعہ پڑھ رہا تھا تو مجھے حضرت امام ربانی سیدنا مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کا ایک جملہ یاد آ گیا۔ آپ حبیب یکتا حضور پرنور ﷺ کے مخصوص فضائل و کمالات بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

بلے محبوب رب العلمین چنیں باید (دفتر سوم حصہ نہم مکتوب نمبر ۱۲۱)

ترجمہ: کیوں نہیں ہو رب العلمین کا محبوب ایسا ہی ہونا چاہئے

پھر میں کچھ دیر تک اس ایمان افروز واقعے سے کیف و سرور میں کھویا رہا اور دل بار بار کہتا رہا۔واقعی بے مثل رسول ﷺ کی پھوپھی صاحبہ کو بھی بے مثل ہی ہونا چاہئے (رضی اللہ عنہا) اور ساتھ ہی یہ دعا کرتا رہا اے اللہ ارحم الراحمین حواری رسول ﷺ کی والدہ محترمہ اور شیر خدا اور سول سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی ہمشیر مکرمہ حضرت سیدہ صفیہ بنت سیدنا عبد المطلب رضی اللہ عنہما کے طفیل مجھ ایسے ناقص و ناکس سگ بارگاہ مرشد آسی کو بھی غیرت ایمان کی کوئی جھلک اور ذرۂ عشق کی کوئی چمک عطا فرمادے، آمین۔افسوس ہمیں تو مانگنا ہی نہیں آتا ورنہ اس مقدس خاتون رضی اللہ عنہا کا صدقہ تو ساری ملت سے خوف و ہراس اور نحوست و ذلت کے منحوس سائے دور کرنے کیلئے کافی ہے۔

آسمانی لشکر اور ہوائے تند: اس تحریر کی ابتدا میں سورہ احزاب کی آیت نمبر ۹ درج ہے۔اس کا ترجمہ پھر ملاحظہ فرمالیجئے۔

''اے ایمان والو! اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو، جب تم پر کچھ لشکر آئے، تو ہم نے ان پر آندھی اور وہ لشکر بھیجے جو تمہیں نظر نہ آئے اور اللہ تمھارے کام دیکھتا ہے''

چنانچہ حضور ﷺ نے دعا فرمائی

اَللّٰھُمَّ مُنْزِلَ الْکِتَابِ وَ سَرِیْعَ الْحِسَابِ اھْزِمِ الْاَحْزَابَ اَللّٰھُمَّ اھْزِمْھُمْ وَ زَلْزِلْھُمْ (بخاری، کتاب الجہاد)

ترجمہ: اے اللہ کتاب نازل فرمانے والے جلد، حساب لینے والے ،توان کفار کے لشکروں کو شکست دے دے، اے اللہ انہیں شکست دے اور ہلا کے رکھ دے

اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور قریش وغطفاان پر سخت آندھی مسلط کردی جس سے ان کے خیمے اکھڑ گئے ، رسیاں اور طنابیں ٹوٹ گئیں، ہڈیاں الٹ گئیں گردوغبار سے آنکھیں اٹ گئیں اور کفار بدحواس وسراسیمہ ہو کر بھاگنے لگے

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو قریش کی خبر لانے کا حکم ہوا تو عرض کی کہیں پکڑا نہ جاؤں

اِنَّکَ لَنْ تُؤْسَرَ

تو ہرگز پکڑا نہیں جائے گا

انھیں سخت سردی سے بھی ڈر آرہا تھا تو محبوب خدا علیہ التحیۃ والثناء نے یہ دعا بھی فرمائی

اَللّٰھُمَّ احْفَظْہُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْہِ وَمِنْ خَلْفِہٖ وَ عَنْ یَّمِیْنِہٖ وَعَنْ شِمَالِہٖ وَمِن فَوْقِہٖ وَ مِنْ تَحْتِہٖ

ترجمہ: اے اللہ اس کے آگے، پیچھے سے، دائیں، بائیں سے، اوپر نیچے سے اس کی حفاظت فرما۔

اس دعا کی برکت سے سارا خوف جاتا رہا بلکہ شدید سردی میں بھی آتے جاتے گرمی محسوس ہوتی تھی جیسے گرم حمام میں چل رہے ہوں۔ ساتھ ہی یہ بھی ارشاد ہوا کہ کوئی نئی بات نہ کرنا۔ ان کے لشکر میں پہنچے تو ہوا کی تیزی کے سامنے کوئی چیز نہیں

ٹھہرتی تھی اور تاریکی ایسی تھی کہ کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ یہ صورت حال تھی کہ ابوسفیان نے اعلان کر دیا' اے گروہ قریش یہ ٹھہرنے کا مقام نہیں۔ ہمارے جانور ہلاک ہو گئے بنو قریظہ نے ساتھ چھوڑ دیا ہوا نے ایسا سراسیمہ و پریشان کر دیا ہے کہ چلنا پھرنا تو کجا بیٹھنا بھی دشوار ہو گیا ہے۔ بہتر ہے کہ فوراً لوٹ چلو'

ابوسفیان کی اپنی بدحواسی کا یہ عالم تھا کہ اونٹ پر سوار تو ہوا مگر اس کی رسی بھی کھونٹے سے کھولنا بھول گیا۔ اب یاد آیا تو اسے تلوار سے کاٹا اور سر پٹ بھاگ نکلا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اسے تیر مارنا چاہا مگر سرکار دو عالم ﷺ کا کسی نئی بات سے منع فرمانا یاد آ گیا۔ آندھی کی شدت اور اس میں ابوسفیان کی نفسیاتی کیفیت کیا تھی، اس سلسلے میں شاہنامہ اسلام (ج ۴) کے چند متفرق اشعار ملاحظہ ہوں

رواں تھا ایک سیلاب عظیم الشان آندھی کا
اچانک آ پڑا تھا فوج پر طوفان آندھی کا
اڑتی ، دوڑتی ، اٹھتی ہوئی ، بڑھتی ہوئی آندھی
زمیں کو روندتی ، افلاک پر چڑھتی ہوئی آندھی
توے الٹے، اوندھیں چولھوں میں ہنڈیاں، بجھ گئیں آگیں
جھلس کر رہ گئے منہ اور کپڑوں میں لگیں آگیں
ابوسفیاں کا دل تھا اب ہول کے مارے
گنہ جتنے کئے تھے آ رہے تھے سامنے
خبیب رضی اللہ عنہما و زید دو اللہ کے بندے تھے تصور میں
ابوسفیان تھا اور پھانسی کے پھندے تھے تصور میں
ستم ڈھائے تھے جتنے بھی مسلمانوں کی جانوں پر
وہ آندھی بن کے چھائے تھے زمینوں آسمانوں پر

تصور میں ہوا محسوس اپنا سانس بند اس کو
تو اپنی ہی رگ گردن نظر آئی کمند اس کو
یہاں اب ایک ساعت بھی کھڑے رہنے میں خطرہ ہے
مری ہی جستجو میں ذرہ ذرہ، قطرہ قطرہ ہے
ضمیر جرم آلودہ کو تھا احساس تنہائی
ابوسفیان نے آخر بھاگ چلنے کی ہی ٹھہرائی
پکارا جو کوئی بھی سن رہا ہو غور سے سن لے
سپہ سالار کا اعلان پورے طور سے سن لے
یہاں اب ایک ساعت بیٹھنا بھی جان کھونا ہے
نتیجہ کچھ نہیں بے فائدہ برباد ہونا ہے،
قریشی قوم کے ہر فرد کو جا کر خبر کردو
اندھیرے میں گھروں کی راہ لو فوراً جوانمردو
بھلا اب کون رکتا کس میں باقی تھا یہ دل گردہ
قریشی فوج پہلے ہی سے تھی افسردہ و مردہ
اندھیری رات میں آندھی کے آگے سب کے سب بھاگے
وہ اس سے دس قدم آگے، یہ اس سے دس قدم آگے
اڑا کر لے گئی اندھوں کو آندھی اس اندھیرے میں
سحر تک خاک اڑتی رہ گئی باطل کے ڈیرے میں

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی رپورٹ کے مطابق یہ تندو تیز ہوا لشکر تک ہی محدود تھی، اس سے باہر نہیں جاتی تھی۔

اس وقت عجیب صورت حالات پیدا ہوگئی جب آپ لشکر کفار میں بیٹھے ہوئے

تھے کہ کسی نے کہا' خبردار! تمھارے پاس کوئی جاسوس آ گیا ہے لہذا ہر شخص اپنے ساتھ والے کا ہاتھ پکڑے'' حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فوراً اپنے پاس والے ایک آدمی کا ہاتھ پکڑ لیا اور پوچھا'' تم کون ہو؟ اس نے کہا سبحان اللہ! تم مجھے جانتے نہیں۔ میں فلاں ولد فلاں ہوں تو وہ بنی ہوازن کا آدمی نکلا۔ گویا حضور پرنور ﷺ کی دعا کی برکت تھی کہ آپ حاضر دماغی سے کام لے کر گرفت سے بچ گئے (دلائل النبوۃ، حافظ ابونعیم)

فرماتے ہیں، جب میں وہاں سے لوٹا تو راستے میں کچھ سوار دیکھے جنھوں نے مجھ سے کہا' تم اپنے صاحب کو خبر کر دو کہ اللہ نے مشرکین سے ہوا اور لشکروں سے کفایت کی''

حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان اور اس کے لشکر کا آنکھوں دیکھا حال بارگاہ رسالت میں عرض کیا تو رحمت مجسم ﷺ خوشی سے ہنس پڑے حتیٰ کہ دانداں مبارک کی سفیدی جلوہ گر ہوگئی۔

صبح سویرے مسلمانوں نے دیکھا کہ کفار و مشرکین کا وہاں نام و نشان تک بھی نہیں۔ اس موقع پر اللہ کے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ خوشخبری سنائی

اَلْاٰنَ نَغْزُوْهُمْ وَلَا يَغْزُوْنَنَا نَحْنُ نَسِيْرُ اِلَيْهِمْ

ترجمہ: اب ہم ان پر حملہ کریں گے وہ ہم پر حملہ آور نہیں ہو سکیں گے۔ اب ہم ان کی طرف جائیں گے

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی غیرت عشق: حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نہایت مختصر سی زرہ زیب تن کئے ہوئے تھے، دیکھنے والے تو اس کے خطرناک نتیجے سے گھبرا جاتے تھے مگر وہ عشق رسول ﷺ سے ایسے سرشار تھے کہ انھیں قطعاً احساس نہیں تھا۔ چنانچہ حبان بن قیس العرقہ نے تاڑ کر تیر مارا جس سے بازو کی شہ رگ کٹ گئی۔ ساتھ ہی بولا' خذها و انا ابن العرقه (یہ تیر لو میں عرقہ کا بیٹا ہوں) اس کے جواب میں خود محبوب دلنواز ﷺ نے فرمایا عرق الله وجهک فی النار

(اللہ تعالیٰ تیرے چہرے کو آگ میں عرق آلود کرے زخم خطرناک تھا، چنانچہ اس کی شدت محسوس کرتے ہوئے آپ نے غیرت عشق سے لبریز دعا فرمائی

اے اللہ! اگر قریش کے ساتھ مزید جنگ مقدور ہے تو پھر مجھے اس کے لئے زندہ رکھ کیونکہ اس قوم سے جنگ کرنا مجھے بہت پسند ہے جس نے تیرے رسول ﷺ کو ایذا پہنچائی، اسے اپنے وطن سے نکالا اور جھٹلایا۔ اے اللہ! اگر یہ آخری جنگ ہے تو اس زخم کو میرے لئے شہادت کا سبب بنادے اور مجھے اس وقت تک موت نہ دے جب تک میری آنکھیں بنوقریظہ سے ٹھنڈی نہ ہو جائیں۔

(پیکر غیرت کی یہ دعا حرف بحرف پوری ہوئی اللہ کے پاک اور ہمہ دان نبی ﷺ نے بنی قریظہ کے بارے میں انھیں سے فیصلہ کرا کے ان کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیں اور پھر شہید ہو گئے۔ شہادت کا کچھ تفصیل سے ذکر انشاء اللہ آگے آئے گا)

آخری بات اسوہ حسنہ:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ○ (الاحزاب۔۲۱)

ترجمہ: بیشک تمھاری رہنمائی کے لئے رسول اللہ (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے، یہ نمونہ اس کے لئے ہے جو اللہ تعالیٰ سے ملنے اور قیامت کے آنے کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کو یاد کرتا ہے

گویا اللہ کے محبوب اعظم ﷺ بنی نوع انسان کے ہر فرد کے لئے بہترین نمونہ ہیں اور حضور پرنور ﷺ فضائل و کمالات کا ایسا حسین مجموعہ و سرچشمہ ہیں کہ زندگی کے کسی بھی شعبے سے تعلق رکھنے والا کوئی بھی انسان اگر خلوص سے کامیاب ترین زندگی گزارنا چاہتا ہے تو اس شہنشاہ عرش مکین و بوریا نشین ﷺ کے نقوش پائے

مبارک سے روشنی حاصل کرے۔ اللہ جل مجدہ کے حبیب اعظم ﷺ، انوار رحمت کے پیکر جمیل، اسرار قدرت کے امین لاثانی اور ساری کائنات کے لئے منبع فیض و برکت ہیں۔ اس سورت میں اعلان ہونے کی بنا پر خصوصیت سے دنیا بھر کے سپہ سالاروں کو ان سے رہنمائی حاصل کرنی چاہئے۔

ہم نہایت اختصار سے عرض کرتے ہیں کہ کامیاب سپہ سالار وہی ہوسکتا ہے جو اپنے اور دشمن کے حالات پر گہری نظر رکھتا ہو، مشکل ترین حالات میں بھی صبر و سکون سے محروم نہ ہو، اس کے سپاہی اس پر اعتماد ہی نہ کرتے ہوں بلکہ اس کی محبت میں ہر شے قربان کرنے کے لئے ہمہ تن اور ہمہ وقت تیار رہتے ہوں، مختلف مواقع پر ضرورت کے مطابق مختلف دفاعی حربے منصوبے اختیار کرنے کی صلاحیت سے بالا مال ہو، بندہ حق ہونے کے ناتے اگرچہ مخالفین کے سامنے جرات و بسالت کا ہمالہ ہو، مگر اس کا تو کل اپنی ذات، کمالات یا فوج پر نہ ہو بلکہ اللہ قادر مطلق کی نصرت و حمایت پر ہو، اور وہ مخلوق خدا پر ایسا مہربان ہو کہ کم سے کم جانی و مالی نقصان سے زیادہ سے زیادہ کامیابی کے حصول کا متمنی ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔ اگر ان اوصاف و خصائص کو گویا جو اچھا سپہ سالار ہونے کے لئے شرائط کا درجہ رکھتے ہیں، دیکھا جائے تو تاریخ کے تمام کامیاب سپہ سالاروں کے اوصاف و کمالات کے مجموعے کو بھی محبوب خدا سرور انبیا علیہم السلام کے اوصاف و کمالات ان اوصاف و کمالات کے سامنے یوں نظر آئیں گے جیسے بحر زخار کے سامنے ایک حقیری بوند۔ ظاہر ہے حضور پرنور ﷺ کے یہ اوصاف و کمالات سید المرسلین ہونیکی حیثیت سے ہیں۔ بلکہ اب دوسرے سپہ سالاروں کی کامیابی کا راز ہی یہ ہے کہ وہ اس محبوب و مقصود ہستی ﷺ کے نمونہ سیرت کو پیش نظر رکھیں، چنانچہ جو جتنا اس پر چلے گا، اتنا ہی کامیاب ہوگا۔

سفر ہجرت کے دوران بظاہر انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں تعاقب کرنے

والے سراقہ بن مالک کو یہ خزائن الہیہ کی چابیاں رکھنے والا آقا (ﷺ) ایران کے کسریٰ کے سونے کے کنگن پہننے کی بشارت دیتا ہے تو خندق کے موقعے پر بھی ہزاروں کافروں کے اجتماعی لشکر کی آمد کی خبر سے بھی مطلق پریشان نہیں ہوتا بلکہ کدال چلاتے چلاتے بھی یمن، فارس اور شام کی فتوحات کی نوید سناتا ہے (کیا زمانہ گواہ نہیں جس کو جو نوید سنائی پوری ہو کے رہی) اس سے بھی قابلِ غور وہ خط و کتابت ہے جو اس موقع پر ابوسفیان سے ہوئی۔ وہ لشکر جرار لے کر مدینہ منورہ کے قریب پہنچ گیا تھا، جب اس نے یہ خط ابواسامہ الجشمی کے ہاتھ بھیجا۔ یہاں صرف اردو ترجمہ دیا جاتا ہے

''اے اللہ تیرے نام کے ساتھ! لات وعزیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں آپ کی طرف ایک لشکر جرار لایا ہوں۔ ہم نے یہ پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ ہم اس وقت تک واپس نہیں لوٹیں گے جب تک تمھاری جڑیں اکھاڑ کر نہ رکھ دیں۔ میں نے دیکھا ہے آپ نے ہمارے سامنے آنے کو برا سمجھا اور خندقیں کھود دی ہیں۔ بڑے تعجب کی بات ہے یہ چیز آپ کو کس نے سکھائی ہے۔ (سوا اس کے اگر ہم واپس چلے گئے تو بھی پھر آ کر احد کی یاد تازہ دیں گے

دیکھا عزم صمیم کے باوجود اگر مگر، جائیں گے اور پھر آئیں گے، گویا یقین کامیابی نہیں

اب اس کے جواب میں جانِ جمال ﷺ کا اندازِ جلال دیکھئے

مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰى اَبِىْ سُفْيَانَ بْنِ حَرْبٍ اَمَّا بَعْدُ فَقَدِيْمًا غَرَّكَ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ اَمَّا ذَكَرْتَ اَنَّكَ سِرْتَ اِلَيْنَا فِىْ جَمْعِكُمْ وَاَنَّكَ لَا تُرِيْدُ اَنْ تَعُوْدَ حَتّٰى تَسْتَاْصِلَنَا فَذٰلِكَ اَمْرٌ يَحُوْلُ اللّٰهُ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ وَيَجْعَلُ لَنَا الْعَاقِبَةَ حَتّٰى لَا تُذْكَرَ اللَّاتَ وَالْعُزّٰى وَاِسَافُ وَنَائِلَةَ وَهُبَل

حَتّٰی اُذَکِّرَکَ ذٰلِکَ یَا سَفِیْہَ بَنِیْ غَالِبَ

ترجمہ: یہ خط محمد رسول (ﷺ) کی طرف سے ابوسفیان بن حرب کے نام ہے۔ امابعد

بڑی مدت سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں شیطان تجھے دھوکا دے رہا ہے اور یہ بات جوتو نے لکھی ہے کہ تم اپنا لشکر جرار لے کر ہماری طرف آئے ہو اور تم نے یہ پختہ ارادہ کرلیا ہے کہ اس وقت تک واپس نہیں جاؤ گے، جب تک ہمارا خاتمہ نہ کردو تو یہ ایسی بات ہے اللہ تعالیٰ تیرے درمیان اور اس کے درمیان خود حائل ہو جائے گا اور آخر فتح ہماری ہوگی ۔ یہاں تک کہ لات وعزیٰ کو کوئی یاد نہیں کرے گا اور یقیناً وہ دن آئے گا جب میں لات ،عزیٰ ، اساف ، نائلہ اور ہبل کو توڑ کر ریزہ ریزہ کروں گا اور اے خاندان بنی غالب کے احمق، میں تجھے اس روز یہ بات یاد کراؤں گا'۔

دیکھا آپ نے بڑے سے بڑا سپہ سالار بھی اس قسم کا یقین واعتماد کیونکر ظاہر کرسکتا ہے ۔اس میں خندق ہی میں ابوسفیان کی ناکامی ہی کی نہیں بلکہ فتح مکہ اور معبودان باطلہ کی شکست وریخت کی بلکہ ابوسفیان کی زندگی اور اس موقعے پر موجود ہونے کی پیشگوئی بھی ہے۔ہاں ایسی بات وہی کرسکتا ہے جو ماضی و مستقبل سب کو ایک ہی وقت ملاحظہ فرمارہا ہو۔ سچ فرمایا حکیم الامت اقبال نے

شعور نبوت کو تو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس میں زمانے کی ساری وسعتیں سمٹ کر ایک نقطے پر آجاتی ہیں' ماضی وحال اور مستقبل کا امتیاز قائم نہیں رہتا۔ لہذا ہمارے لئے جو بات آنے والی ہوتی ہے، شعور نبوت کو پہلے ہی سے اس کا علم ہوتا ہے' اس طرح جیسے اس کا ظہور ہورہا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام ہر حقیقت اور ہر صداقت کو اپنے سامنے عیاں دیکھتے ہیں اور یہی وجہ ہے وحی الہیٰ

میں ان کے یقین کامل کی۔(اقبال کے حضور۔ص ۶۲)

ازراہ انصاف، یہ مشاہدہ جو نبی کو غیر نبی سے ممتاز کرتا ہے، اسی کا انکار کرنے والا منافق نہیں تو کیا ہے۔ پھر یہ بھی سوچئے سپہ سالاروں کے نمونہ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ دنیا بھر کے سپہ سالاروں سے زیادہ جنگ کے تقاضوں کا علم رکھتا ہو، ورنہ تھوڑے علم والا بڑے علم والے کے لئے کیونکر نمونہ ہوسکتا ہے۔ یونہی جب اللہ کے حبیب اعظم ﷺ زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے افراد کے لئے نمونہ ہیں تو اس کے لیے ضروری ہے کہ ہر شعبے کے ساتھ تعلق رکھنے والے علوم میں حضور ﷺ ایسے بلند مقام پر ہوں کہ کسی اور کو کسی اعتبار سے ان سے کوئی نسبت ہی نہ ہو ورنہ 'اسوۂ حسنہ' کے قرآنی اعلان کا کیا مفہوم رہ جائے گا۔ غور کیجئے منافق جو بظاہر سنت سنت کا شور مچاتے اور 'اسوۂ حسنہ' کی رٹ لگاتے ہیں، دراصل 'اسوۂ حسنہ' کے مفہوم کو بھی نہیں سمجھتے

حضور ﷺ اللہ کا مظہر قدرت ہونے کے باوجود بار بار اللہ کی بارگاہ میں دعاوالتجا کرنا اور رات بھر نماز میں مشغول رہنا اس لئے بھی تھا کہ امت جان رکھے کہ ہم اللہ کے نام پر بڑے سے بڑے دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے بھی تیار ہیں مگر ہمارا اصل بھروسا اپنی قوت اور ساز وسامان پر نہیں بلکہ اللہ کی نصرت وحمایت پر ہے۔

اقبال فرماتے ہیں

درآ سجدہ ویاری زخسرواں مطلب
کہ روز فقر نیاگان ما چنیں کردند!

اللہ کی طرف سے آسمان سے لشکروں کا آنا اور ہوائے تند وتیز کا چلنا اسی توکل و توحید کا ثمرہ ہے۔

یوں تو سپہ سالار کی کامیابی کے لئے جن اوصاف وخصائل کا ذکر اوپر آیا ہے۔ غزوہ خندق پر ہی غور کرلیں تو آپ پکار اٹھیں گے، واقعی کسی وصف جمیل میں کسی کو بھی

اللہ کے اس حبیب اعظم واکرم ﷺ سے قطعاً کوئی نسبت نہیں، یہاں صرف ایک بات کر کے اس مضمون کو ختم کرتا ہوں وہ یہ کہ رحمۃ للعلمین ﷺ میدان جنگ میں بھی رحمۃ للعلمین ہے۔ اپنے تو اپنے حضور ﷺ جان کے دشمنوں اور خون کے پیاسوں کا نقصان بھی برداشت نہیں کرتے۔ شیطان کا مطمح نظر یہ ہے کہ انسان کو ورغلا کر آخرا سے کسی نہ کسی طرح جہنم پہنچا کر دم لے اور اس کے برعکس اللہ والوں کی اور بالخصوص حضور رحمۃ للعلمین ﷺ کا مشن یہ ہے کہ یہاں انسانوں کو کفر و شرک ونفاق سے بچایا جائے اور آخرت میں عذاب سے۔ اللہ نے تمام بنی نوع انسان کو مخاطب کر کے فرمایا

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ (التوبہ۔۱۲۸)

ترجمہ: بیشک تشریف لایا ہے تمھارے پاس ایک برگزیدہ رسول تم میں سے، گراں گزرتا ہے اس پر تمھارا مشقت میں پڑنا، بہت ہی خواہش مند ہے تمہاری بھلائی کا مومنوں کے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والا اور بہت رحم فرمانے والا ہے (ضیاء القرآن)

مفسرین کے نزدیک عزیز اور حریص کا مفہوم یہ ہے

عَزِيْزٌ عَلَيْهِ اَنْ تَدْخُلُوا النَّارَ وَ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ (یعنی اے انسانو! تمھارا جہنم میں جانا ان پر گراں اور تمھارا جنت میں جانا انھیں مطلوب ومحبوب ہے)

چنانچہ اوپر گزرا خندق کھودنے سے بھی حضور ﷺ کا مقصود اپنوں کا ہی نہیں دشمنوں کا تحفظ بھی تھا تاکہ فریقین کا کم سے کم جانی نقصان ہو۔ اب ایک اور بات سنئے جو مشہور مفسر علامہ ابن کثیر نے فرمائی ہے۔ یعنی

''اللہ تعالیٰ نے اگر حضور ﷺ کو رحمۃ للعلمین بنا کر نہ بھیجا ہوتا تو یہ

آندھی لشکر کفار کے ہر سپاہی کو ہلاک کر دیتی۔ حضور ﷺ کی شان رحمۃ للعلمین کے طفیل کفار کو بھی عذاب الٰہی سے پناہ ملی (ضیاء النبی۔ ج ۴)

سچ فرمایا اللہ کریم نے

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ (الانفال۔۳۳)

ترجمہ: اور اللہ کا کام نہیں کہ ان پر عذاب کرے جب تک اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو۔

جب دشمنوں پر ان کی نظر عنایت کا یہ عالم ہے تو وہ خوش نصیب غلام جن پر ان کی رافت ورحمت کے بادل ہر وقت برستے ہیں کیا کیا انعام نہ پاتے ہوں گے۔ حقیقت ہے کہ ان کا ذوق وشوق، کیف وسرور اور جذبہ قربانی خود اسی محبوب دلنواز ﷺ کے خصوصی عطیات ہیں۔ پھر ذرا سوچئے جس محبوب ومطلوب ﷺ کی یاد سے سارے غم دور ہو جاتے ہیں اور جس کے نام پاک سے ساری بلائیں ٹل جاتی ہیں وہ خود بنفس نفیس نظروں کے سامنے جلوہ گر ہو، تو کیا خطرہ اور کیسا کھٹکا۔ ہاں ہاں امت کا معمول ہمیشہ سے یہی رہا ہے کہ ہر چھوٹی بڑی مشکل میں اللہ ارحم الراحمین کے ساتھ ساتھ اسی سرکار رحمۃ للعلمین ﷺ کی دہائی دیں بلکہ اس کی دہائی خود رب کی دہائی اور رب کو پکارنا اس کو پکارنا ہے جیسا کہ اس کی اطاعت رب کی اطاعت اور اس کی رضا خدا کی رضا ہے چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عین گھمسان کے رن میں اس کے نام کے نعرے لگاتے اور جنگ کا پانسہ پلٹ جاتا، نہیں بلکہ چھوٹی سے چھوٹی پریشانی مثلاً پاؤں کے سن ہونے کی صورت میں بھی اسی محبوب علیہ الصلوۃ والسلام کو یاد کرتے ہیں۔ چنانچہ آج بھی بچہ ماں کو اتنا یاد نہیں کرتا جتنا سچے غلامان رسول ﷺ اپنے آقا ومولا ﷺ کو یاد کرتے ہیں۔ حضرت حکیم الامت فرماتے ہیں

دوپہر کی آگ میں وقت در و دہقان پر
ہے پسینے سے نمایاں مہرِ تاباں کا اثر
جھلکیاں امید کی آتی ہیں چہرے پر نظر
کاٹ لیتا ہے مگر جس وقت محنت کا ثمر
یا محمد ﷺ کہہ کے اٹھتا ہے وہ اپنے کام سے
ہائے کیا تسکین اسے ملتی ہے تیرے نام سے

اسی لئے مجدد ملت اعلیحضرت بریلوی فرماتے ہیں

ان کے نثار کوئی کیسے ہی رنج میں ہو
جب یاد آگئے ہیں، سب غم بھلا دیئے ہیں

لہذا جس جنگ و جہاد میں حضور پرنور ﷺ خود جلوہ گر ہوں، عاشقانِ حبیب ﷺ کے کیف و سرور اور سکون و اطمینان کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔

ہاں ایک اور بات بھی قابل غور ہے، حضور پرنور ﷺ نے خندق کھدوا کر اپنی امت کو یہ بھی سمجھا دیا کہ ضرورت کے مطابق جدید سے جدید ہتھیار بھی ضرور استعمال کرو، ایسا نہ ہو کوئی کم نظر 'بدعت' کے بہانے تمہیں ہر دور کی نئی نئی ایجادات سے محروم رکھ کر ہلاکت کا باعث بنے۔ سچ فرمایا قرآن پاک نے

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ (٦٠)

ترجمہ: اور ان کے لئے تیار رکھو جو قوت بن پڑے۔

☆......☆......☆

قسط 59

غزوۂ خیبر

قسط نمبر 59

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(نوٹ: غزوۂ خندق کے بعد، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ غزوۂ خیبر کے چند گوشوں کا ذکر بھی ہدیۂ ناظرین کیا جائے تا کہ کائنات کے سپہ سالارِ اعظم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا بیان قوم کے خوابیدہ جذبات کی بیداری کا باعث بنے اور فکر و نظر کے گھٹا ٹوپ اندھیروں کو عشق و ایمان کے اجالوں میں تبدیل کر دے۔ مجھے سخت افسوس ہے کہ موجودہ حکمران عوام کو جس ڈگر پر چلا رہے ہیں اس کا نتیجہ ہلاکت کے سوا کچھ نہیں۔ اس ضمن میں مفکرِ پاکستان حضرت حکیم الامت علامہ اقبال کی یہ ہدایت ہمیشہ اہل پاکستان کے پیش نظر رہنی چاہیے تھی مگر افسوس بوجوہ ایسا نہ ہو سکا

بمنزل کوش مانند مہِ نو
دریں نیلی فضا ہر دم فزوں شو
مقامِ خویش اگر خواہی دریں دیر
بحق دل بند و راہِ مصطفےٰ رو علیہ التحیۃ والثناء

اس مختصر سی تحریر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے 'عقیدۂ رسالت' کی کچھ جھلکیاں بھی علم و تحقیق کے مسافروں کے لئے نشانِ راہ کا کام دے سکیں گی۔ آسی)

یہودیوں کی فساد انگیز فطرت اور غزوۂ خیبر کا پس منظر: یہودی قوم آغاز ہی سے مفسد و فتنہ انگیز رہی ہے۔ اس کی ساری تاریخ گویا کفر و شرک، فسق و فجور، کفرانِ نعمت، تمرد و سرکشی، بغض و حسد، قتل و غارت، حق اور ظلم وستم کی داستان ہے۔ انہوں نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام جیسے محسن سے بار بار بغاوت کی، وہ طور پر گئے تو انھوں نے بچھڑے کو خدا مان کر اس کی پوجا شروع کر دی، جہاد کا حکم ہوا تو صاف انکار کر دیا، من وسلویٰ اترا تو انھوں نے ساگ پات کا مطالبہ کر دیا، تورات مقدس کے واضح احکام کو پس پشت ڈالا، سینکڑوں انبیاء کرام علیہم السلام کو قتل کیا، سبت کی بے حرمتی کی، چنانچہ بار بار سزائیں دی گئیں، کبھی بندر بنا دیئے گئے اور کبھی بدترین غلامی کی زنجیروں میں جکڑے گے۔ مگر افسوس ذلت ورسوائی کے گھپ اندھیروں میں ڈوب کر بھی انھیں ایمان و اخلاص اور تسلیم ورضا کے سویروں کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ اپنی اس تاریک ترین فطرت کی بنا پر یہ 'مغضوب' قوم قرار دی گئی اور قرآن پاک نے جب فاتحۃ الکتاب میں اپنے بندوں کو دعا کا طریقہ سکھایا تو آخر میں فرمایا

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ O (الفاتحہ:۷)

ترجمہ: نہ ان کا (راستہ ہمارے لئے مقدر فرما) جن پر غضب ہوا اور نہ بھٹکے ہوؤں کا۔

جمہور مفسرین کے نزدیک مَغْضُوْبُ عَلَيْهِمْ سے مراد یہودی اور الضالین سے مراد 'عیسائی' ہیں حضور تاجدار ختم نبوت ﷺ ساری کائنات کیلئے رحمت (رحمۃ للعلمین) بن کر جلوہ فرمائے خاکدانِ ہستی ہوئے تو انھیں از حد اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنی صدیوں پرانی تاریخ سے سبق سیکھ کر تلافی مافات کرنی چاہئے تھی اور تورات مقدس کی واضح ترین نشانیوں کی روشنی میں پیغمبر آخر الزماں ﷺ کو پہچان کر سب سے پہلے اس کا حلقہ بگوش ہونا چاہئے تھا۔ مگر افسوس!

جنھیں ہو ڈوبنا وہ ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں

کے مصداق انھوں نے اچھی طرح پہچان کر بھی اس 'نورِ خدا' علیہ التحیۃ والثناء

کے انوار سے اپنی شقاوتوں کو سعادتوں سے بدلنے کی کوشش نہیں کی۔ حضور پرنور سرکار رحمۃ للعلمین ﷺ نے مدینہ منورہ میں تشریف لاتے ہی یہود سمیت شہر اور گرد ونواح کے سب قبائل سے امن کا معاہدہ فرمایا اور انھیں مکمل طور پر مذہبی آزادی سے نوازا۔ مشرکین 'یثرب' کی ہی نہیں، یہودیوں کی باہمی لڑائیوں کا بھی خاتمہ ہوگیا اور پورے طور سے امن و امان کی فضا قائم ہوگئی۔ مگر ان بدبختوں نے حضور پرنور ﷺ کی رحمت و شفقت کا جواب ہمیشہ محسن کشی اور غداری و شرانگیزی سے دیا۔ یہاں تفصیل کا موقع نہیں، غزوۂ بدر کے موقع پر یہودیوں کے قبیلے بنوقینقاع نے فتنہ کھڑا کیا اور انھیں صرف شہر بدر کیا گیا۔ غزوۂ احد کے بعد بنونضیر کو سر اٹھانے کا اچھا موقع نظر آیا اور انھوں نے معاذ اللہ اپنی بدترین شرارت سے شمع نبوت ﷺ کو ہی بجھانے کا لائحہ عمل تیار کرلیا۔ بہرحال انھیں بھی یہاں سے ان کی خواہش کے مطابق نکلنے کی اجازت دی گئی اور یہ خیبر میں مقیم ہوگئے۔ اب ان کی شرارتوں اور قساوتوں میں مزید اشتعال آگیا اور انھوں نے قریش مکہ کو بھڑکایا اور مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کیلئے آمادہ کرلیا، مشہور روایات کے مطابق انھوں نے اس حد تک ذلالت اختیار کی کہ بت پرستوں کو اہل اسلام کے مقابلے میں برتر بھی بتایا اور انھیں خوش کرنے کیلئے خود بھی بتوں کو سجدہ کردیا۔ یہ لوگ اپنے مذہب سے بھی انحراف وارتداد تھے۔ جب قریش اور دوسرے قبائل کا لشکر جرار مدینہ منورہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے، یہودیوں کا تیسرا قبیلہ بنوقریظہ بھی حی بن اخطب (سردار بنونضیر مقیم خیبر) کے اکسانے پر ان کے ساتھ ہوگیا اور جب انھیں سمجھانے اور معاہدہ یاد دلانے کی کوشش کی گئی تو انھیں صاف انکار کردیا بلکہ غداری کا حق ادا کردیا۔ خیال رہے کہ یہ سب کچھ اس حال میں ہوا کہ ان کو یقین تھا حضور پرنور ﷺ اللہ کے رسول اور خاتم الانبیاء علیہم السلام ہیں۔ ذرا سوچئے اس یقین کے بعد گویا ان کی لڑائی حضور پرنور ﷺ سے نہیں تھی، اللہ قادر مطلق کے ساتھ تھی اور ان کی سرکشی حضور پرنور ﷺ سے ہی نہیں تھی، موسیٰ علیہ السلام اور توراۃ مقدس سے تھی۔ دوسرے لفظوں میں یہ اللہ کے مقابلے میں

کھڑے ہوگئے تھے اور معاذ اللہ یہ سمجھ کر کھڑے ہوئے تھے کہ ہمارے مقابلے میں اللہ کی قدرت ونصرت بھی اپنے سچے، برگزیدہ اور آخری نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کام نہیں آسکتی۔ ان کی اس باغیانہ ذہنیت کا تقاضا تھا کہ ان کی پہلی تاریخ 'مغضوبیت' کو دہرایا ہی نہ جائے بلکہ ان کو رہتی دنیا تک کیلئے نشانِ عبرت بنایا جائے۔ مگر ان کی سرکشی کے باوجود اس کائنات کی نہایت چمکتی ہوئی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا محبوب اعظم واکرم ﷺ سراپا رحمت وشفقت ہے۔ چونکہ ایک مجرم کو سزا دینے سے کئی لوگ سبق سیکھ کر جرم وطغیان سے باز آجاتے ہیں اور یہ 'سزا' بھی دوسروں کے لئے رحمت بن جاتی ہے لہذا یہ بھی حضور رحمۃ للعلمین ﷺ کی رحمت کا تقاضا تھا کہ ایسے عادی باغیانِ خدا جو خدا کی تقدیر کے مقابل آئیں۔ اپنے ہی نبی (موسیٰ علیہ السلام) کے نافرمان ہوں اور اپنی ہی کتاب تورات کو پس پشت ڈالیں، ان کے بدترین کرتوتوں کی کم ازکم سزا تو ضرور دی جائے

صلح حدیبیہ کے اثرات: ان 'باغیانِ خدا' کو سزا کون دے، ظاہر ہے جو خدا کا نائب اعظم، کائنات کا اس کے فضل سے مالک ومختار اور ارض وسما کا سپہ سالار ہے، اس منصبِ عظیم کا وہی اہل ہے۔ اس کی فوج ہی اللہ کی فوج ہے اور اس کا ہر سپاہی اللہ کا سپاہی ہے۔ ہر سپہ سالار اپنی فوج کا مورال بلند کرنے کیلئے اس کو روشن مستقبل کی امید دلاتا ہے اور اس سے کچھ وعدے کرتا ہے، اس پس منظر میں جب میں سورۃ الفتح کی ان آیات پر غور کرتا ہوں تو دل جھوم جھوم اٹھتا ہے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ○ وَّ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ○ (الفتح:۱۸،۱۹)

ترجمہ: بے شک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ اس پیڑ کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے تو اللہ نے جانا جو ان کے

دلوں میں ہے تو ان پر اطمینان اتارا اور انھیں جلد آنے والی فتح کا
انعام دیا۔اور بہت سے غنیمتیں جن کو لیں اور اللہ عزت وحکمت والا
ہے۔(کنزالایمان)

اس کے بعد کی آیات میں بھی ایسے ہی خوشنما اور روشن مستقبل کے وعدے ہیں۔ یہ ساری سورۃ الفتح صلح حدیبیہ سے واپس مدینہ منورہ کو جاتے ہوئے راستے میں نازل ہوئی۔بات دراصل یہ تھی کہ صلح حدیبیہ کی شرائط بظاہر مسلمانوں کے حق میں کمزوری اور مغلوبی کی علامت تھیں چنانچہ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اپنے ایمان اور اخلاص کے باوجود افسردہ و پژمردہ تھے۔وہ پورے خلوص کے باوجود خداوند قدیر وحکیم اور حضور محبوب خبیر وعلیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے اسرار کو پوری طرح سمجھ نہیں سکتے تھے،اور تو اور خود حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی پریشان ہوگئے تھے۔اس موقع پر عکس آئینہ فضل رسول سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی استقامت اور صبر وسکون از حد ایمان افروز اور نصیحت آموز ہے۔(اس کا ذکر بعد میں آتا ہے)اللہ جل مجدہ نے اپنے محبوب مکرم ومعظم ﷺ کے غلاموں کو تسلی دیتے ہوئے سورۃ کا آغاز ہی ایسا فرمایا کہ سب کے غم غلط ہوگئے اور افسردگی و پژمردگی کی بجائے مسرت وتہنیت کا سماں بندھ گیا۔سب غلام اپنے آقا ومولا ﷺ کو مبارکباد دینے لگے اور سورت کیا اتری، مسلمانوں کو دین ودنیا کی بشارتوں کی نوید مل گئی۔چنانچہ پہلی ہی آیت تھی

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝ (الفتح:1)

ترجمہ:بے شک ہم نے تمہارے لئے روشن فتح فرمادی

گویا صلح حدیبیہ اپنے ثمرات وبرکات کے اعتبار سے فتح ہی نہیں فتح مبین ہے اور آئندہ فتوحات کا پیش خیمہ۔اب آیئے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ارشاد کی طرف۔

ضیاء الامت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

"حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ

اسلام میں کوئی فتح فتح حدیبیہ سے بڑی نہیں۔ لیکن لوگوں کی عقلیں اس راز کو سمجھنے سے قاصر تھیں جو محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپ کے رب کے درمیان تھا۔ بندے جلد بازی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بندوں کی طرح جلد بازی نہیں کرتا یہاں تک کہ سارے امور اپنے انجام تک پہنچ جائیں۔ آپ نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ میں نے حجۃ الوداع کے موقع پر سہیل بن عمرو کو دیکھا کہ جب حضور ﷺ قربانی کر کے جانور ذبح کر رہے تھے تو وہ جانوروں کو پکڑ کر حضور ﷺ کے قریب لے آتا تھا اور جب حجام نے حضور سرورِ عالم ﷺ کا حلق کیا تو میں نے دیکھا وہی سہیل ان موہائے مبارک کو چن رہا ہے اور میں دیکھتا تھا کہ وہ انھیں اپنی آنکھوں پر رکھتا تھا۔ اس وقت مجھے سہیل کا وہ انکار یاد آ گیا جو حدیبیہ کے دن اس نے کیا تھا بسم اللہ شریف لکھنے سے بھی اس نے انکار کیا اور محمد رسول اللہ لکھنے سے بھی اس نے انکار کیا۔ میں نے اللہ تعالیٰ کی اس بات پر حمد و ثنا کی جس نے اس کو اسلام قبول کرنے کی توفیق بخشی۔

فَصَلَوٰتُ اللّٰهِ تَعَالٰى وَبَرَكَاتُهٗ عَلٰى نَبِيِّ الرَّحْمَةِ الَّذِىْ هَدَانَا بِهٖ وَاَنْقَذَنَا بِهٖ مِنَ الْهَلَكَةِ

''اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں، اس نبی رحمت پر جس کے طفیل اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت دی اور ہمیں ہلاکت سے نجات عطا فرمائی''۔ (ضیاء النبی جلد:۴)

یہودیوں کے ناپاک عزائم: ذرا سوچئے اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب اکرم و اعظم ﷺ کے جن اسرار کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسے پاکدل و پاکباز حضرات نہیں سمجھ سکے، بد باطن و بدسرشت یہودی کیا سمجھتے۔ انھوں نے اور ان کے ہمنواؤں نے یہ سمجھا کہ صلح

حدیبیہ کر کے مسلمانوں نے اپنی کمزوری کو تسلیم کرلیا ہے، ان کے حوصلے پست ہو چکے ہیں اور اب انھیں 'توحید' اور 'اسلام' کی سزا دینا مشکل نہیں۔ اس سے پہلے بھی جیسا کہ اوپر مذکور ہوا یہودی اہل ایمان کو پریشان کرنے اور نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے بلکہ رات دن ان کے خلاف سازشوں کے جال میں لگے رہتے تھے۔ غزوۂ خندق کے بعد جب اکثر و بیشتر کفار و مشرکین کے حوصلے پست ہو گئے تو بھی یہود کی شقاوت و سرکشی میں کوئی فرق نہ آیا اور انھوں نے قریش مکہ سے ساز باز کر کے انھیں اس حد تک منوالیا کہ اگر مسلمان خیبر کی طرف رخ کریں تو قریش پیچھے سے مدینہ منورہ پر چڑھائی کر دیں گے اور اگر وہ قریش پر حملہ کریں تو یہودی مرکز اسلام کو معاذ اللہ تہس نہس کر دیں گے۔ صلح حدیبیہ سے انھیں قریش مکہ سے تو مایوسی ہو گئی البتہ بنوغطفان جو پہلے بھی غزوۂ خندق کے موقع پر ناکام لوٹے تھے ان کے ساتھ ہی تھے۔ بلکہ وہ دوسرے قبائل کو بھی ساتھ ملانے کی تگ و دو کرتے جاتے تھے۔ ان کے اپنے جنگجو بھی ایک روایت کے مطابق بیس ہزار کے لگ بھگ تھے۔ کہتے ہیں ہر روز صبح سویرے دس ہزار یہودی قلعوں سے نکل کر کھلے میدان میں پریڈ کرتے تھے۔

ہادیٔ اعظم ﷺ کی بصیرت: ایسی صورت حال میں کچھ دیر توقف کرنا بھی ریاست کے باغیوں کو مہلت دینے اور جنگی تیاریوں کے لئے موقع دینے کے مترادف تھا۔ کائنات کے ہادیٔ اعظم ﷺ سے زیادہ اس (صورت حال) کا احساس کس کو ہو سکتا تھا۔ چونکہ اللہ نے فتح قریب اور غنائم کثیرہ کا وعدہ بیعت رضوان والوں یعنی شرکائے حدیبیہ سے فرمایا تھا، اس لئے حضور انور ﷺ نے ان کے سوا کسی اور کو ساتھ لیجانا زیادہ مناسب نہ سمجھا۔ چنانچہ اعلان کر دیا کہ ان کے علاوہ وہی ساتھ جائیں جو مال غنیمت کیلئے نہیں بلکہ کلمۂ حق بلند کرنے کیلئے جانا چاہئیں۔ چنانچہ اپنے جانثاروں کے ساتھ (یعنی چودہ سو پیادوں اور دو سو گھوڑ سواروں) خیبر جو مدینہ منورہ سے ۹۶ میل کے فاصلے پر تھا کی طرف روانہ ہو گئے اور تین راتوں میں منزل مقصود پر نہایت رازداری کے

ساتھ پہنچ گئے۔

مدینہ منورہ میں حضرت سباع بن عرفطہ انصاری یا بقول ابن ہشام یا نمیلہ بن عبداللہ لیثی رضی اللہ عنہما کو نائب مقرر کیا۔اس سفر میں ام المومنین حضرت سیدہ ام مسلمہ رضی اللہ عنہا کو معیت کا شرف بخشا گیا۔

بنو غطفان خیبر والوں کا ساتھ دینے کیلئے ایک منزل طے کر چکے تھے تو انھیں ایک شور سنائی دیا جیسے ان کے اہل وعیال پر کسی نے حملہ کر دیا ہو، اس لئے وہ پریشان ہو کر لوٹ گئے۔ایک روایت کے مطابق خود حضور اکرم ﷺ نے بھی ایک دستہ ان کی طرف بھیج دیا تھا کہ انھیں خیبر کی طرف جانے کا حوصلہ نہ ہو۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عقیدۂ رسالت: اعلیحضرت فاضل بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

غزوہ خیبر شریف میں خیبر کو جاتے ہوئے حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کے حضور میں رجز پڑھتے چلے

اَللّٰھُمَّ لَوْ لَا اَنْتَ مَا اھْتَدَیْنَا — وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّیْنَا
فَاغْفِرْ فِدَاءً لَّکَ مَا اَبْقَیْنَا — وَاَلْقِیَنْ سَکِیْنَۃً عَلَیْنَا
وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَّاقَیْنَا — وَنَحْنُ عَنْ فَضْلِکَ مَا اسْتَغْنَیْنَا

ترجمہ: خدا گواہ ہے یارسول اللہ اگر حضور نہ ہوتے تو ہم ہدایت نہ پاتے نہ زکوٰۃ دیتے نہ نماز پڑھتے تو بخش دیجئے

ہم حضور پر قربان جو گناہ ہمارے رہ گئے ہیں اور ہم پر حضور سکینہ اتاریں اور جب ہم دشمنوں سے مقابل ہوں

تو حضور ہمیں ثابت قدم رکھیں، ہم حضور کے فضل سے بے نیاز نہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم۔یہ حدیث صحیح بخاری وصحیح مسلم وسنن ابی داؤد وسنن ونسائی ومسند امام احمد وغیرہا میں سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ

سے بطرق عدیدہ ہے اور پچھلا مصرع زیادات صحیح مسلم و امام احمد
سے ہے۔(الامن والعلی حدیث:۹۲،۹۳)

اس کے بعد اعلیحضرت قدس سرہ نے ارشاد الساری (شرح بخاری از امام قسطلانی قدس سرہ) کے حوالے سے ثابت کیا کہ یہ خطاب حضور پرنور ﷺ کی خدمت میں ہے‘ اللہ جل مجدہ سے دعا نہیں۔اس کی دلیل امام صاحب کے نزدیک ہے فداء لک (یعنی تجھ پر فدا)۔یہ لفظ اللہ کے بارے میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا (آپ کے الفاظ میں اِذْ لَا یُتَصَوَّرُ اَنْ یُقَالَ مِثْلُ ھٰذَا الْکَلَامِ لِلْبَارِیْ تَعَالٰی وَقَوْلُہٗ اَللّٰھُمَّ لَمْ یَقْصُدْ بِھَا الدُّعَاءَ وَ اِنَّمَا اِفْتَتَحَ الْکَلَامَ یعنی ایسے کلام کا باری تعالیٰ کے لئے تصور بھی نہیں ہو سکتا اور اللھم سے ان کا مقصود دعا نہیں تھا بلکہ برکت کے لئے آغاز کلام یوں کیا)

اصل میں ’فدا‘ کا لفظ اس وقت اختیار کیا جاتا ہے‘ جب کسی کو بچانے کے لئے اپنی جان قربان کرنا مطلوب ہو‘ ظاہر ہے اللہ کے لئے یہ مفہوم سخت بے ادبی ہے) حضرت شیخ محقق سیدنا شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ نے بھی مدارج النبوت میں یہی ارشاد فرمایا ہے۔اس بحث میں آپ کا یہ جملہ از حد قابل حفظ و غور ہے۔

”اگر ایں دعا و سوال از حضرت رسالت کہ وکیل و سفیر جناب عزت و قدرت ست و بدست تصرف و تمکن اوست تدبیر کار و زمام اختیار اگر چہ فاعل حقیقی اوست تعالیٰ شانہٗ پس در حقیقت ایں معنیٰ راجع است بتاویل و احتمال اخیر و لیکن احتیاج بتقدیر در کلام نیست فافہم و باللہ التوفیق“۔

رہ گیا یہ کہ بخشنے اور ثابت قدم رکھنے کے تصورات کیا غیر خدا کے ساتھ قائم کئے جا سکتے ہیں تو اس مضمون کی ابتدائی قسطوں میں قرآن پاک کی آیات سے اس قسم کے خدشات کا جواب دیا جا چکا ہے ویسے بھی جسے اللہ نے رحمۃٌ للعلمین بنایا ہے (ﷺ) اس سے نہ مانگنا اسے رحمۃٌ للعلمین نہ ماننے کی دلیل ہے۔حقیقت یہ کہ جیسے خدا کو

سجدہ تو فرشتے اور شیطان سب کرتے تھے مگر'اصل سجدہ' کرنے والا کون ہے اس کا امتحان سجدۂ آدم علیہ السلام سے ہوا۔ جس نے اللہ کے خلیفے کو سجدہ کیا اس کے پہلے سجدے بھی قبول اور جس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا، اس کے پہلے سجدے بھی نامقبول۔ اسے ذہن نشین کرلیا جائے تو یہ سمجھنا دشوار نہیں کہ رب سے اصل مانگنے والا وہی ہے جو اس کے حبیب رؤف ورحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے مانگتا ہے، اور جو ان سے نہیں مانگتا، وہ دراصل اس سے بھی نہیں مانگتا۔ دوراول کے مومنین یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور منافقین میں یہ ایک بہت بڑا فرق تھا۔

یہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا رجز تھا۔ اب آگے واقعہ سنئے۔ حضور پرنور ﷺ نے آواز سنی تو فرمایا مَنْ هٰذَا السَّائِقُ (یہ کون اونٹوں کو رواں کرتا ہے) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا عامر بن اکوع۔ حضور ﷺ نے فرمایا یَرْحَمُهُ اللّٰهُ (اللہ اس پر رحمت کرے) مسند احمد وصحیح مسلم کی روایت کے مطابق فرمایا غفر لک ربک (تیرا رب تیری مغفرت فرمائے)۔ ایسے مواقع پر حضور پرنور ﷺ کا کسی کیلئے ایسی دعا فرمانا اس کی شہادت کا سبب بن جاتا تھا) چنانچہ ایک صحابی نے اور مسلم شریف کی روایت کے مطابق حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عرض کی

وَجَبَتْ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ لَوْ لَا اَمْتَعْتَنَا بِهٖ

ترجمہ: (اس کے لئے شہادت) واجب ہوگئی۔ حضور نے (اسے زندہ رکھ کر) کیوں نہ ہمیں اس سے فائدہ اٹھانے دیا

چنانچہ حضرت عامر رضی اللہ عنہ خیبر میں شہید ہوگئے۔

دیکھا آپ نے حضور پرنور شافع یوم النشور ﷺ کے تربیت یافتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا آپ کے اختیارات وتصرفات وکمالات کے بارے میں دوٹوک تصور اور واضح عقیدہ۔ اس حسن عقیدت کو سامنے رکھئے اور دور حاضر کی فرقہ وارانہ فضا میں فیصلہ فرمایئے کس کا عقیدہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مطابق ہے۔

دستر خوان بچھتا ہے: حضور اکرم نور مجسم ﷺ نے خیبر کے قریب ہی مقام صہبا میں عصر کی نماز ادا کی۔ پھر دستر خوان بچھا کر کھانا لایا گیا۔ ستو کے سوا کچھ نہ تھا۔ یہی ستو حضور رحمۃ للعلمین ﷺ اور سارے لشکر اسلام نے تناول فرمائے۔ پھر کلی کر کے مغرب کی نماز ادا فرمائی۔

مذہب اور اس کی حقیقت پر غور کرنے والے، مسلمانوں کی بے سروسامانی، ان کے جذبۂ عشق، ان کے شوق جہاد اور پھر سب سے زیادہ ان کے آقا و مولا علیہ التحیۃ والثناء کے حسن مساوات پر غور کریں۔

حدود خیبر میں داخلے کے وقت کی دعا: لشکر اسلام حدود خیبر میں داخل ہوا تو سپہ سالار اعظم ﷺ نے سب کو ٹھہرا کر یہ دعا فرمائی

اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمٰوَاتِ السَّبْعِ وَمَا اَظْلَلْنَ وَرَبَّ الْاَرْضِیْنَ السَّبْعِ وَمَا اَقْلَلْنَ وَرَبَّ الشَّیٰطِیْنِ وَمَا اَضْلَلْنَ وَرَبَّ الرِّیَاحِ وَمَا اَذْرَیْنَ فَاِنَّا نَسْئَلُکَ مِنْ خَیْرِ ھٰذِہِ الْقَرْیَۃِ وَخَیْرِ اَھْلِھَا وَخَیْرِ مَا فِیْھَا وَنَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّھَا وَشَرِّ اَھْلِھَا وَشَرِّ مَا فِیْھَا

اے اللہ! ساتوں آسمانوں کے اور جن پر ان کا سایہ ہے، ان سب کے رب اور ساتوں زمینوں کے اور جنھیں وہ اٹھائے ہوئے ہیں، ان سب کے رب اور اے شیاطین کے جنھیں انھوں نے گمراہ کیا ہے، ان سب کے رب اے ہواؤں کے اور جنھیں وہ اڑا رہی ہیں، ان سب کے رب سو ہم تجھ سے اس بستی کی خیر، اس کے رہنے والوں کی خیر اور اس کی ہر چیز کی خیر مانگتے ہیں اور اس کے شر سے، اس کے باشندوں کے شر سے اور اس کی ہر چیز کے شر سے تیری پناہ مانگتے ہیں

اس دعائے خیر پر غور کیجئے اور عقیدہ توحید کی وضاحت کے علاوہ زور کلام اور فصاحت و بلاغت پر بھی غور کیجئے۔

حضور جانِ خیر ﷺ یہ دعا مانگ کر ہی کسی بستی میں داخل ہوتے تھے، چنانچہ یہ دعا مانگ لی تو فرمایا اَقْدِمُوْ بِسْمِ اللّٰہِ بڑھو اللہ کا نام لے کر

ایک عجیب تصرف: یہودیوں کو یقین تھا کہ مسلمان کبھی ان پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں کریں گے۔ ان کی دس ہزار جنگجوؤں کے لشکر جرار پر اور اسلحہ کے ڈھیروں پر نظر تھی۔ ہر صبح ان کا لشکر پریڈ کیلئے جمع ہوتا اور وہ اسے چاق و چوبند دیکھ کر کہتے

مُحَمَّدٌ یَغْزُوْنَا ھَیْھَاتَ! ھَیْھَاتَ!

(کیا محمد ﷺ ہم پر حملہ کریں گے، ناممکن، ناممکن)

مگر حضور پرنور ﷺ کی تشریف آوری کی رات وہ نیند کے خمار میں بے سدھ پڑے رہے یہاں تک کہ

لَمْ یَتَحَرَّکُوْا تِلْکَ اللَّیْلَۃَ وَلَمْ یَصِحْ لَھُمْ دِیْکٌ حَتّٰی طَلَعَتِ الشَّمْسُ

ترجمہ: نہ انھوں نے ساری رات کوئی حرکت کی اور نہ طلوع آفتاب تک ان کا کوئی مرغا ہی چیخا

صبح حسب معمول اپنے اپنے کام کیلئے کسیاں کدالیں ٹوکرے وغیرہ اٹھائے، باہر نکلے تو لشکر اسلام کو دیکھ کر ان کی چیخیں نکل گئیں اور محمد والخمیس یعنی محمد (ﷺ) لشکر لے کر آ گئے۔ کا شور مچاتے خوف وہراس سے اپنے قلعوں میں بھاگ گئے۔

سپہ سالار اعظم ﷺ کی جنگی حکمت عملی: حضور پرنور ﷺ نے حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کے مشورے سے 'رجیع' کو لشکر اسلام کی قیام گاہ بنایا۔ یہ مقام غطفان اور خیبر کے درمیان تھا، اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا غطفان اب یہود خیبر کی مدد کو نہ آ سکیں۔ پھر حضور ﷺ نے فوج کے چھوٹے چھوٹے دستے بنا کر خیبر کے متعدد قلعوں میں سے ایک ایک قلعے پر ایک ایک دستہ متعین کر دیا تا کہ ہر قلعہ اپنے تک محدود

رہے اور اس کے رہنے والے کسی دوسرے قلعے کی طرف مدد کیلئے نہ جا سکیں۔ بڑا لشکر اپنے ساتھ رکھا اور یوں ایک کے بعد دوسرا قلعہ فتح ہوتا گیا۔

سب سے پہلے قلعہ' ناعم' کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کے محاصرے کے دوران حضور پرنور ﷺ نے جو ہدایات ارشاد فرمائیں، وہ اسلام کے جنگی نقطہ نظر کو سمجھنے میں بڑی مدد دیتی ہیں، فرمایا

'دشمن سے مقابلے کی تمنا نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت اور سلامتی کا سوال کرتے رہو، کیونکہ تم نہیں جانتے کہ دشمن کے مقابلے میں تمہیں کس طرح آزمایا جائے گا لیکن جب دشمن سے مقابلہ کئے بغیر کوئی چارہ نہ ہو اور آمنا سامنا ہو جائے تو یہ دعا مانگو' اے اللہ! ہمارا بھی تو ہی رب ہے اور ان کا بھی تو ہی رب ہے۔ ہماری پیشانیاں اور ان کی پیشانیاں تیرے ہاتھ میں ہیں۔ تو ہی ان کو موت کے گھاٹ اتارنے والا ہے۔ یہ دعا مانگنے کے بعد زمین پر جم کر بیٹھ جاؤ، جب وہ تم حملہ کریں تو کھڑے ہو جاؤ اور نعرۂ تکبیر بلند کرو اور جنگ شروع کردو۔ (ضیاء النبی: جلد ۴)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اعزاز: حضور پرنور ﷺ کو درد شقیقہ تھا۔ پہلے دن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اور دوسرے دن حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو پرچم عطا ہوا، مگر شدید جنگ کے باوجود قلعہ فتح نہ ہو سکا۔ بارگاہ رحمۃ للعلمین ﷺ میں عرض کی گئی تو ارشاد ہوا

لَاُعْطِیَنَّ ھٰذِہِ الرَّایَۃَ غَدًا رَجُلًا یَفْتَحُ اللّٰہُ عَلٰی یَدَیْہِ یُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیُحِبُّہُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ (بخاری و مسلم)۔

ترجمہ: کل یہ جھنڈا میں ایسے شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ فتح دے گا، وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے نیز اللہ اور اس

کا رسول اس سے محبت رکھتے ہیں۔

اگلے روز صبح کے وقت ہر آدمی ہر صحابی یہی امید رکھتا تھا کہ جھنڈا اسی کا دیا جائے گا۔ سو فرمایا علی بن ابی طالب کہاں ہیں۔ لوگ عرض گزار ہوئے یا رسول اللہ! ان کی آنکھیں دکھتی ہیں، ارشاد ہوا، انھیں بلاؤ۔ وہ لائے گئے

فَبَصَقَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ عَیْنَیْہِ فَبَرَأَ حَتّٰی کَاَنْ لَّمْ یَکُنْ بِہٖ وَجْعٌ فَاَعْطَاہُ الرَّایَۃَ

ترجمہ: تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی آنکھوں میں لعاب دہن شریف لگایا سو وہ درست ہو گئے گویا کوئی تکلیف ہی نہ رہی۔

حضرت علی عرض گزار ہوئے یا رسول اللہ! ان سے لڑوں یہاں تک کہ ہمارے جیسے ہو جائیں۔ فرمایا' نرمی اختیار کرو' یہاں تک کہ ان کے میدان میں اتر جاؤ۔ پھر انھیں اسلام کی دعوت دو اور اللہ تعالیٰ کے جو حقوق ان پر لازم ہیں، وہ انھیں بتاؤ، خدا کی قسم، تمہارے ذریعے اگر اللہ تعالیٰ نے ایک بھی آدمی کو ہدایت فرما دی تو یہ تمہارے لئے اس سے بہتر ہے تمہارے پاس سرخ اونٹ ہوں (اور تم انھیں صدقے میں دے دو) (بخاری و مسلم)

"مدارج النبوت میں شیخ محقق قدس سرہ نے دوسری روایات کی روشنی میں حضور پرنور ﷺ کے اگلے دن جھنڈا دینے کے اعلان میں یہ الفاظ بھی شامل تھے۔ (یعنی جسے جھنڈا دیا جائے گا وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا محب و محبوب ہونے کے علاوہ)

رَجُلٌ کَرَّارٌ غَیْرُ فَرَّارٍ

"یعنی دشمن پر پلٹ پلٹ کر حملہ کرنے والا شخص ہوگا، جو بھاگنے والا نہیں ہوگا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی امید و آرزو کا یہ عالم تھا کہ حضرت سعد بن وقاص کی روایت کے مطابق حضور پرنور ﷺ کے حضور دو زانو بیٹھ کر آ گئے کہ جھنڈا عطا ہو (گویا یہ توجہ حاصل کرنے کی ایک صورت تھی)۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس دن کے سوا کبھی امارت کو پسند نہ کیا۔ قریش کے کچھ لوگ آپس میں کہتے تھے کہ اس

شرف سے علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے ہمکنار ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ ان کی آنکھ میں درد ہے اور وہ پاؤں کے سامنے کی چیز کو بھی نہیں دیکھ سکتے۔حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بھی یہ اعلان سن لیا تھا، وہ بھی توکل وامید فضل کی بنا پر کہتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ

ترجمہ: اے اللہ تو عطا فرمائے تو کوئی روکنے والا نہیں اور تو روکے تو کوئی عطا کرنے والا نہیں۔

حال یہ تھا کہ آپ حضور پرنور ﷺ کی مدینہ شریف سے روانگی کے وقت دردِ چشم کی بنا پر گھر ہی میں رہ گئے تھے مگر بعد میں جذبہ عشق نے گوارا نہ کیا کہ حضور پرنور ﷺ تو جہاد پر روانہ ہوں اور میں محروم رہوں۔افتاں وخیزاں رات کو خیبر پہنچے تو صبح سویرے حضور ﷺ نے فرمایا'علی کہاں ہیں؟'عرض کیا گیا'ہیں تو یہیں مگر دردِ چشم کا یہ عالم ہے کہ پاؤں کے سامنے بھی نہیں دیکھ سکتے'فرمایا'انھیں میرے پاس لاؤ'حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ گئے ہاتھ پکڑ کر انھیں بارگاہ عرش پناہ میں لے آئے'حضور پرنور ﷺ نے ان کا سر اپنے ران مبارک پر رکھا اور اپنا لعاب دہن شریف ان کی چشم مبارک میں ڈالا اور دعا فرمائی۔چنانچہ اسی وقت شفائے کلی ایسی ملی کہ پھر انھیں عمر بھر کبھی دردِ سر اور دردِ چشم کی شکایت نہ ہوئی۔ایک روایت کے مطابق یہ دعا بھی فرمائی اَللّٰھُمَّ اَذْھِبْ عَنْہُ الْحَرَّ وَالْبَرْدَ (یعنی الٰہی ان سے گرمی وسردی دور فرمادے) اس کا اثر بھی عمر بھر رہا چنانچہ آپ گرمیوں میں روئی کا لباس اور سردیوں میں ہلکا پھلکا لباس پہنتے تھے۔

شیخ محقق قدس سرہ کی تحقیق کے مطابق قموص کا قلعہ تھا جس کے باہر ایک پتھریلے ٹیلے پر آپ نے جھنڈا گاڑا۔اس وقت ایک یہودی عالم نے قلعے کے اوپر سے پوچھا،'اے جھنڈے والے' تو کون ہے اور کیا نام ہے'ارشاد ہوا'میں علی بن ابی طالب ہوں'۔وہ یہودی اپنی قوم سے کہنے لگا'تورات کی قسم'تم شکست کھا جاؤ گے،یہ شخص فتح کئے بغیر نہیں لوٹے گا'۔ظاہر ہے اس نے حضرت سیدنا حیدر کرار رضی اللہ عنہ کا ذکرو

وصف تورات میں پڑھا ہوگا اور یونہی پہلی کتابوں میں حضور ﷺ کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر بھی تھا۔ لڑائی شروع ہوئی تو مرحب کا بھائی حارث آیا' اسے جلد ہی مولائے کائنات کرم اللہ وجہہ نے دوزخ میں پہنچا دیا' پھر مرحب آیا جو خیبر کا بے مثال بہادر تھا۔ اس دن دو زرہ پہن کر' دو تلواریں حمائل کر کے اور سر پر دو عمامے باندھ کر' پھر ان سب پر خود سے آراستہ ہو کر یہ رجز پڑھتا ہوا میدان میں آدھمکا

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ اَنِّيْ مَرْحَبٌ
وَ شَاكِي السِّلَاحِ بَطَلٌ مُّجَرَّبٌ

ترجمہ: خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں' ہتھیاروں سے مسلح ہوں' جنگ آزمودہ ہوں (بخاری شریف میں رجز کا تیسرا مصرع بھی ہے اور وہ یوں ہے اذ الحروب اقبلت تلھب۔ یعنی جب لڑائی کی آگ بھڑکتی ہے تو میں بھی جوش سے بھڑک اٹھتا ہوں)

اس کے مقابلے میں حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ بھی رجز پڑھتے ہوئے مگر وہ لڑائی میں اپنی ہی تلوار سے شہید ہو گئے (گویا حضور ﷺ کا فرمان پورا ہو گیا)

پھر جناب سیدنا علی المرتضی کرم اللہ وجہہ رجز پڑھتے آئے۔

اِنَّ الَّذِيْ سَمَّتْنِيْ اُمِّيْ حَيْدَرَهْ
ضَرْ غَامُ اٰجَامٍ وَلَيْثٌ قَسْوَرَةْ

مرحب نے آپ کے سر پر وار کرنا چاہا مگر آپ نے پہلے ہی اس ملعون غدار کے سر پر ذوالفقار اس زور سے ماری کہ خود دستار سے گزرتی ہوئی حلق تک' اور بروایت دیگر رانوں تک اور ایک اور روایت کے مطابق زین تک پہنچ گئی۔ اب دوسرے مجاہد بھی مل گئے اور سب نے مل ملا کر سات بڑے بڑے یہودی سردار تہ تیغ کر دیئے۔ باقی شکست کھا کر قلعے کی طرف بھاگ گئے۔ ایک یہودی کے وار سے مولا علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ سے ڈھال گر پڑی اور دوسرا یہودی اسے اٹھا کر بھاگ گیا۔ آپ نے چھلانگ لگا کر خندق پار کر لی اور قلعے کے ایک آہنی دروازے کو اکھاڑ کر اپنی ڈھال بنا لیا۔ اور

جنگ میں مشغول ہو گئے۔سیدنا امام باقر علی جدہ وعلیہ السلام سے منقول ہے کہ جب حیدر کرار رضی اللہ علیہ نے دروازہ اکھاڑنے کے لئے ہلایا تو تمام قلعہ ہل گیا حتیٰ کہ صفیہ بنت حیی ابن اخطب بھی چار پائی سے گر پڑیں اوران کے چہرے پر زخم آ گیا۔غالباً اس میں خصوصی مناسبت یہ تھی کہ وہ صداقت اسلام کو سمجھ جائیں۔ممکن ہے اسی بنا پر انھیں بعد میں ام المومنین ہونے کا شرف حاصل ہوا۔مواہب میں ہے کہ جنگ کے بعد اس دروازے کو ستر آدمیوں نے مل کر بڑی مشکل سے ہلایا۔

یہ ہے اسد اللہ الغالب حضرت سیدنا امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کی شان شجاعت وبسالت۔مجدد ملت اعلیحضرت بریلوی قدس سرہ نے اسی کی روشنی میں بارگاہ مرتضوی میں فریاد واستمداد کی ہے' چند چیدہ وآسان اشعار آپ بھی ملاحظہ فرمالیں۔

مرتضیٰ، شیر خدا، مرحب کشا، خیبر کشا
سرورا لشکر کشا مشکلکشا امداد کن

ضیغما ، غیظ غما ، زلیغ و فتن رارا غما
پہلوان حق ، امیر لافتیٰ امداد کن

اے خدارا تیغ واے اندام احمد را سپر
یاعلی ، یابوالحسن ، یا بوالعلیٰ امداد کن

یا یداللہ، یا قوی ، یا زور بازوئے نبی
من ز پا افتادم اے دست خدا امداد کن

اے تنت در راہ مولیٰ خاک و جانت عرش پاک
بوتراب اے خاکیاں را پیشوا امداد کن

اے شب ہجرت بجائے مصطفیٰ بررخت خواب
اے دم شدت فدائے مصطفیٰ امداد کن

اے عدوئے کفر ونصب ورفض وتفضیل وخروج
اے علوئے سنت و دین ہدیٰ امداد کن
شمعِ بزم و تیغِ رزم و کوہِ عزم وکانِ حزم!
اے کذا واے فزوں تر از کذا امداد کن

اہلِ نظر اس ذوقِ محبت، رنگِ عقیدت، جوشِ بیان اور حسنِ زبان کو ملاحظہ کریں اور انصاف سے بتائیں جناب شیرِ خدا رضی اللہ عنہ کی شان میں جو مناقب آپ نے سنے یا پڑھے ہیں، ان کی روشنی میں کیا اور بھی ایسی طاقت وفصاحت وبلاغت نظر آئی ہے۔ یہ ہے وہ حبِ اہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم، جو اہلِ سنت ہی کا خاصہ ہے۔ حکیم الامت حضرت اقبال علیہ الرحمہ نے مثنوی اسرارِ خودی میں ایک طویل نظم لکھی ہے۔ جس کا عنوان ہے "در شرح اسرار اسمائے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ"، تبرک کے طور پر، اس کے بھی چند شعر ملاحظہ ہوں

مرد کشور گیر از کراری است
گوہرش را آ برو خود داری است
زیر پاش اینجا شکوہ خیبر است
دست او آنجا قسیم کوثر است
از خود آگاہی ید اللٰہی کند
از ید اللٰہی شہنشاہی کند!
ذات او دروازہ شہر علوم
زیر فرمانش حجاز و چین و روم

کوئی کہاں تک بیان کرے۔ واللہ ہمیں ان فضائل سے بے حد خوشی ہے جو اللہ جل مجدہ نے اپنے حبیب لبیب ﷺ کے طفیل جناب سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو عطا فرمائے اور واللہ ہمارے نزدیک ان کی محبت علامتِ ایمان ہے۔ (جیسا کہ امام

ربانی سیدنا مجدد ومنور الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رضی اللہ عنہ نے فرمایا' محبت اہل بیت سرمایہ اہل سنت است، یعنی اہل بیت کی محبت اہل سنت کا سرمایہ ہے) ہم خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کو اس لئے بھی مانتے ہیں کہ جناب مولائے کائنات سمیت اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم نے انھیں خلیفہ مانا اور امیر المومنین مانا۔ بعض لوگوں کی یہ عجیب حالت ہے کہ اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم سے محبت کا دعویٰ بھی کرتے ہیں مگر ان کے فیصلے کو مانتے بھی نہیں اور انھیں شیر خدا، خیبر شکن مرحب فگن اور کرار وغیر فرار جانتے ہوئے ان کو معاذ اللہ تقیے سے ملوث کرتے ہیں۔ اللہ ہمیں جھوٹوں کی جھوٹی عقیدت سے بچائے اور اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کی سچی محبت وغلامی سے نوازے۔ آمین۔

اب آیئے پھر ذکر خیبر کی طرف!

بیکسوں کا سہارا ہمارا نبی ﷺ: اب یہاں پھر حضرت ضیاء الامت علیہ الرحمہ کے 'رشحات قلم' کا ایک نورانی اقتباس ملاحظہ فرمایئے۔

'امام بیہقی نے حضرت جابر، حضرت انس، حضرت عروہ اور حضرت موسیٰ بن عقبہ رضی اللہ عنہم سے مندرجہ ذیل واقعہ نقل کیا ہے۔

اہل خیبر میں سے کسی یہودی کا ایک سیاہ فام غلام تھا جو اس کا ریوڑ چرایا کرتا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ اس کے مالک کے قبیلہ والوں نے ہتھیار سجائے ہیں اور جنگ کے لئے تیار ہوگئے ہیں تو اس نے ان سے پوچھا، تمھارا کیا ارادہ ہے؟ انھوں نے اسے بتایا کہ ہم اس شخص سے لڑنا چاہتے ہیں جو یہ خیال کرتا ہے کہ وہ نبی ہے۔ ان یہودیوں کی زبان سے اس حبشی غلام نے نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کا ذکر سنا۔ اس نے ریوڑ لیا اور چرانے کے لئے باہر لے گیا۔ مسلمانوں نے اسے پکڑ لیا اور رسول کریم ﷺ کے پاس لے آئے۔ ابن عقبہ کہتے ہیں کہ وہ خود اپنی بھیڑوں کو لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے اس سے گفتگو فرمائی۔ اس آدمی نے پوچھا، آپ کیا کہتے ہیں اور کس بات کی دعوت دیتے ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا' میں

تمہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں اور کہتا ہوں کہ تم یہ گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی خدا نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی اور کی عبادت نہ کرنا۔اس غلام نے پوچھا، اگر میں یہ شہادت دے دوں اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آؤں تو مجھے کیا ملے گا؟ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا، اگر تو ایمان لے آیا تو تجھے جنت ملے گی۔ وہ غلام مسلمان ہو گیا اور عرض کی:

'اے اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول ﷺ! میں ایسا شخص ہوں جس کی رنگت کالی ہے' جس کا چہرہ بدصورت ہے' جس سے بدبو اٹھ رہی ہے' میرے پاس کوئی مال بھی نہیں۔اگر میں ان یہودیوں کے ساتھ جنگ کروں اور قتل کر دیا جاؤں تو کیا میں جنت میں داخل ہو جاؤں گا؟ حضور ﷺ نے فرمایا 'بے شک' اس نے پھر عرض کی، اے اللہ کے پیارے رسول! یہ بکریاں میرے پاس ان کے مالکوں کی امانت ہیں، میں ان کا کیا کروں؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ان کو لشکر سے نکال کر لے جاؤ اور انھیں کنکریاں مار کر ان کے مالک کی طرف بھگا دو۔اللہ تعالیٰ تیری امانت تیری طرف سے ادا فرمائے گا۔اس نے ایسا ہی کیا۔وہ بکریاں اکٹھی ہو کر بڑی تیزی سے اپنے مالکوں کی طرف چل پڑیں۔یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی چرواہا انھیں ہانک کر لے جا رہا ہے۔چنانچہ ہر بکری اپنے مالک کے پاس پہنچ گئی۔پھر وہ حبشی غلام میدان جنگ کی طرف گیا اور یہودیوں سے لڑنا شروع کیا۔اسے ایک تیر لگا جس سے وہ شہید ہو گیا۔مسلمان ہونے کے بعد اسے ایک سجدہ کرنے کی مہلت نہیں ملی تھی۔مسلمان اسے اٹھا کر اپنے لشکر کی طرف لے گئے۔رحمت عالم ﷺ نے فرمایا 'اسے میرے خیمے میں لے جاؤ' چنانچہ اسے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے خیمے میں داخل کر دیا گیا۔جب رسول اللہ ﷺ فارغ ہوئے تو خیمہ میں اس کے پاس گئے۔ارشاد فرمایا

لَقَدْ حَسَّنَ اللّٰهُ وَجْهَكَ وَطَيَّبَ رِيْحَكَ وَ كَثَّرَ مَالَكَ

ترجمہ: (اے حبشی غلام) تیرے چہرے کو اللہ تعالیٰ نے خوبصورت بنا دیا

ہے، تیری بدبو کو خوشبو سے بدل دیا اور تیرے مال کو بڑھا دیا ہے۔

حضور نے فرمایا' میں نے دو حوروں کو دیکھا کہ اس کے چہرے پر لگی گرد و غبار کو جھاڑ رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں' اللہ تعالیٰ اس شخص کے چہرے کو خاک آلود کرے جس نے تیرے چہرے کو غبار آلود کیا ہے اور اس شخص کو ہلاک کرے جس نے تجھے شہید کیا'۔

(ضیاء النبی: جلد: ۴)

ام المومنین رضی اللہ عنہا کی کہانی: جنگ کے بعد قیدی حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کئے گئے تو ان میں جناب زینب بھی تھیں جو یہودیوں کے بادشاہ کنانہ بن ابی الحقیق کی زوجہ' ان کے دوسرے رئیس اعظم حیی بن اخطب کی بیٹی تھیں اور حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھیں۔ حضور ﷺ نے بندہ نوازی اور قدر شناسی کرتے ہوئے انھیں اپنے لئے منتخب فرما کر اختیار دے دیا کہ چاہیں تو آزاد ہو کر اپنے باقی رشتہ داروں کے پاس چلی جائیں یا اسلام قبول کر کے رحمت عالم ﷺ کی زوجیت سے مشرف ہوں۔ انھوں نے عرض کی اختار اللہ و رسولہ (یعنی اللہ اور اس کے رسول کو پسند کرتی ہوں) حضور ﷺ نے انھیں آزاد کر کے اپنی زوجیت سے نوازا اور زینب کی بجائے صفیہ نام عطا فرمایا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی ایک آنکھ سبز ہو چکی تھی۔ حضور ﷺ کے پوچھنے پر انھوں نے بتایا کہ میں نے کچھ پہلے ایک خواب میں دیکھا کہ آسمان کا چاند میری گود میں آ گرا ہے۔ میں نے یہ خواب اپنے پہلے خاوند کنانہ کو سنایا تو وہ غصے سے بے قابو ہو کر کہنے لگا

مَا هٰذَا اِلَّآ اَنَّکَ تَمَنِّیْنَ مَلِکَ الْحِجَازِ مُحَمَّدًا

ترجمہ: اس سے صاف ظاہر ہے کہ تو حجاز کے بادشاہ محمد (ﷺ) کی بیوی بننا چاہتی ہے۔ چنانچہ اس نے میرے چہرے پر تھپڑ مارا اور ایک آنکھ سبز ہو گئی۔

تورات کے نسخے واپس: مسلمانوں کو مال غنیمت میں تورات کے متعدد نسخے

ملے تھے۔یہودیوں نے حضور ﷺ سے ان کی واپسی کی التجا کی تو رحمۃ للعلمین ﷺ کے حکم سے تمام نسخے بصد ادب واحترام واپس کردیئے گئے ۔

پیغمبراسلام ﷺ کی اس عالی ظرفی کا اعتراف ڈاکٹر اسرائیل ویلفنسن نے بھی تاریخ الیہود فی بلاد العرب میں بھی کیا ہے۔اس نے واضح طور پر اعتراف کیا ہے کہ رومیوں نے ۷۰ء میں یروشلم پر قبضہ کر کے ان کی مقدس کتابوں کو اور نصاریٰ نے سپین میں یہودیوں کے خلاف ان کی کتابوں کو نذر آتش کیا'۔

یہودی عورت کی سازش: فتح کے بعد حضور پرنور ﷺ یہودیوں کو اپنی رحمت و شفقت سے قریب کر کے ان کی دلجوئی کرنا چاہتے تھے،اس بنا پر ان کی دعوت بھی قبول فرمالیتے تھے۔حارث کی بیٹی اور مرحب کی بہن زینب نے دعوت کی اور حضور ﷺ کی پسند کا گوشت معلوم کر کے بکری کے سارے گوشت خصوصاً بازو کے گوشت میں زیادہ زہر ملادیا۔حضور ﷺ نے ایک ٹکڑا چبانے کے بعد تھوک دیا اور فرمایا اِنَّ هٰذَا الْعَظْمَ لَيُخْبِرُنِىْ اَنَّهٗ مَسْمُوْمٌ (اس بازو نے مجھے خبر دی ہے کہ زہر آلودہ ہے) چند صحابہ رضی اللہ عنہم بھی شریک طعام تھے۔ان میں حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ نے ٹکڑا چبایا' یہ محسوس کرنے کے باوجود کہ زہر آلودہ ہے،حضور ﷺ کے حضور تھوکنا خلاف ادب جانا اور کھا کر جان دے دی۔عورت نے اعتراف کیا۔کہ زہر اس لئے ملایا گیا تھا کہ نبی ہوں گے تو زہر خود انھیں بتادے گا بادشاہ ہوں گے جان چھوٹ جائے گی۔بہر حال حضرت بشر رضی اللہ عنہ کے قصاص میں اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

یعفور اور عقیدہ ختم نبوت: اعلیحضرت فاضل بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

ابن حبان وابن عساکر حضرت ابو منظور اور ابو نعیم بروجہ آخر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی' جب خیبر فتح ہوا،رسول اللہ ﷺ نے ایک دراز گوش سیاہ رنگ دیکھا،اس سے کلام فرمایا،وہ جانور بھی تکلم میں آیا۔ارشاد ہوا' تیرا نام کیا ہے'؟ عرض کی' یزید بیٹا شہاب کا،اللہ تعالیٰ نے میرے دادا کی پشت سے ساٹھ دراز گوش پیدا کئے۔ كُلُّهُمْ لَا

يَرْكَبُهٗ اِلَّا نَبِيٌّ ان سب پر انبیاء سوار ہوئے۔ وَقَدْ كُنْتُ اَتَوَقَّعُكَ اَنْ تَرْكَبَنِيْ لَمْ يَبْقَ مِنْ نَسْلِ جَدِّيْ غَيْرِيْ وَلَا مِنَ الْاَنْبِيَاءِ غَيْرُكَ مجھے یقینی توقع تھی کہ حضور مجھے اپنی سواری سے مشرف فرمائیں گے کہ اب اس نسل سے میرے سوا اور انبیاء میں سوا حضور کے کوئی باقی نہیں۔ میں پہلے ایک یہودی کے پاس تھا، اسے قصداً گرا دیا کرتا، وہ مجھے بھوکا رکھتا اور مارتا۔ حضور اقدس ﷺ نے اس کا نام یعفور رکھا۔ جسے بلانا چاہتے، اسے بھیج دیتے۔ چوکھٹ پر سر مارتا، جب صاحب خانہ باہر آتا، اسے اشارے سے بتاتا کہ حضور اقدس ﷺ یاد فرماتے ہیں۔ جب حضور پرنور ﷺ نے انتقال فرمایا، وہ مفارقت کی تاب نہ لایا۔ ابوالہیثم بن التیہان رضی اللہ عنہ کے کنوئیں میں گر کر مرگیا۔

......☆......

قسط ۶۰

دو محبوب

یعنی امام حسن و حسین

رضی اللہ عنہما

قسط نمبر 60

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دومحبوب: آج ہم ان دومحبوبان خدا کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جن کی محبوبیت کا ذکر شرق وغرب ہی میں نہیں، ارض وسما کی قدوسی محفلوں میں بھی گونج رہا ہے، یہ وہ محبوب ہیں جن کو خدا کا بھی اور رسول خدا ﷺ کا بھی محبوب کہا جاتا ہے اوران کی محبوبیت اس درجہ نمایاں ہے کہ جوان سے محبت کرے وہ خود بھی محبوب خداورسول بن جاتا ہے بلکہ ان کی محبت ایمان ونفاق میں وجہ امتیاز ہے۔ یہ دوعظیم محبوب کون ہیں؟ سیدنا امام حسن، سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہما یہ دونوں اللہ جل مجدہ کے محبوب عظیم ﷺ کے مقدس نواسے ہیں۔ بضعۃ الرسول سیدہ کا خاتون جنت حضرت بتول زہرا سلام اللہ علی ابیہا وعلیہا کے جگر پارے ہیں اوراسداللہ الغالب مولائے کائنات حضور سیدنا علی المرتضیٰ مشکلکشا حاجت رواکے فرزند ہیں۔ یہ دونوں سراپا حسن ہیں اوران کا حسن فطری وجبلی ہے۔ انھیں کے جد کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہیں جنھیں جان حسن، اصل حسن، مرکز حسن، مطلع حسن اورمنبع حسن کہا جاتا ہے، ہر حسن جن پر نثار، ہر زیبائی جن پر قربان، ہر جمال جن کا گدا اورہر کمال جن پر فدا ﷺ۔

حسن کھاتا ہے جس کے نمک کی قسم
وہ ملیح دلآرا ہمارا نبی ﷺ

اعلیحضرت قدس سرہ کے اس شعر پر (فقیر در مرشد) آسی کی تضمین ملاحظہ ہو۔

شاہ عرب وعجم، ماہ حل و حرم!
وہ عطا ہی عطا ، وہ کرم ہی کرم !!
جس کا احسان ،احسان کا ہے بھرم
حسن کھاتا ہے جس کے نمک کی قسم
وہ ملیح دلآرا ہمارا نبی ﷺ

ہاں ہاں یہ دونوں شہزادے اس ذات پاک کے جو نور من نور اللہ ہے، کے آئینہ حسن ہیں۔آئینہ حسن ذات بھی ،آئینہ حسن صفات بھی ،آئینہ حسن صورت بھی آئینہ حسن سیرت بھی ،اس لئے نور ہی نور ہیں ،ظاہر بھی نور، باطن بھی نور، جسم بھی نور، جان بھی نور، خلق بھی نور، خلق بھی نور، اعلیحضرت مجدد ملت قدس سرہ نے خوب فرمایا اور خدا انھیں اس خوب فرمانے پر خوب نوازے، واقعی یہ بات وہی کہہ سکتا ہے جس کے جسم کا ذرہ ذرہ اللہ، اس کے حبیب یکتا علیہ التحیۃ والثنا اور اہل بیت حبیب ﷺ کے عشق میں رچا بسا ہو۔

معدوم نہ تھا سایہ شاہ ثقلین ﷺ
اس نور کی جلوہ گہ تھی ذات حسنین
تمثیل نے اس سایہ کے دو حصے کئے
آدھے سے حسن بنے ہیں آدھے سے حسین رضی اللہ عنہما

اس کی مزید تفصیل

ایک سینہ تک مشابہ ،اک وہاں سے وہ پاؤں تک

حسن سبطین ان کے جاموں میں نیا نور کا
صاف شکل پاک ہے دونوں کے ملنے سے عیاں!
خطِ تو ام میں لکھا ہے یہ دو ورقہ نور کا

(صلی اللہ علیہ وعلیہما وسلم)

اطمینان قلب کے لئے اب آیئے ان روایاتِ حدیث کی طرف جن سے یہ مضامین اخذ کئے گئے ہیں۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق حضور رحمت عالم ﷺ نے ان دونوں شہزادوں کے بارے میں دعا کی

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّھُمَا فَاَحِبَّھُمَا وَاَحِبَّ مَنْ یُّحِبُّھُمَا (ترمذی شریف)

ترجمہ: اے اللہ میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں اس لئے تو بھی ان سے محبت فرما اور ان دونوں سے محبت رکھنے والوں کو بھی محبوب بنالے۔

کتنا دلکشا اور ایمان افروز نسخہ ہے اللہ کی محبوبیت کا۔ اللہ کریم فرماتا ہے

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَ یَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (آل عمران)

ترجمہ: اے محبوب! تم فرمادو اے لوگو! اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ، اللہ تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا' اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

قرآن پاک کی صراحت کے مطابق حضور پرنور ﷺ کی اتباع اللہ کا محبوب بنادیتی ہے اور سرور دو عالم ﷺ کی دعا اعلان فرما رہی ہے کہ نور خدا ﷺ کے ان دو نور پاروں کی محبت بھی انسان کو اللہ کا محبوب بنا دیتی ہے کیوں نہ ہو، ان کی محبت بھی تو اتباع مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کی جان ہے۔ دور حاضر کے باغی و مفسد لوگ خوب سمجھ لیں اگر انہیں اتباع رسول ﷺ سے کوئی دلچسپی ہے تو انہیں حضور پرنور ﷺ کے

ان دونوں شہزادوں سے بھی محبت کرنا ہوگی، اگر انھیں دعویٰ اتباع رسول ﷺ کے باوجود ان شہزادوں سے بغض ہے یا ان کے اعدا یزید وشمر وغیرہ سے محبت ہے تو ان کا دعویٰ اتباع رسول یقیناً جہاں فریبی ہے بلکہ خود فریبی ہے۔ جب یہ دونوں مل کر اس حد تک آئینہ جمال مصطفیٰ ہیں (ﷺ) کہ اس سے زیادہ کا تصور بلکہ اس انداز کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تو پھر مومن اپنی جو فطرت ایمان کی سے وجہ عاشق مصطفیٰ (علیہ التحیۃ والثنا) ہے، اسی مناسبت سے عاشق حسنین کریمین (رضی اللہ عنہما) کیوں نہ ہوگا۔ اور اگر معاذ اللہ اس حقیقت مظہریت کے باوجود وہ حضور پرنور ﷺ کے ان جگر پاروں کی محبت سے محروم ہے تو ماننا ہوگا وہ خود حضور ﷺ کی محبت سے محروم ہے اور ایمان سے نا آشنا ہے۔ سنئے یہ شان دنیا میں اور کس کو عطا ہوئی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

لَمْ یَکُنْ اَحَدٌ اَشْبَهَ بِالنَّبِیِّ ﷺ مِنَ الْحَسَنِ بْنِ عَلِیٍّ وَقَالَ فِی الْحُسَیْنِ اَیْضًا کَانَ اَشْبَهَهُمْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ (بخاری شریف)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ کے ساتھ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے زیادہ مشابہت رکھنے والا کوئی نہیں تھا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی فرمایا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے بہت زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔

اور تفصیل اس مشابہت کی؟ سنئے خود مولائے کائنات سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی فرماتے ہیں۔

اَلْحَسَنُ اَشْبَهُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَابَیْنَ الصَّدْرِ اِلَی الرَّاْسِ وَالْحُسَیْنُ اَشْبَهُ النَّبِیَّ ﷺ مَا کَانَ اَسْفَلَ مِنْ ذٰلِكَ (ترمذی شریف)

ترجمہ: حضرت حسن رضی اللہ عنہ سینے سے سر تک رسول اللہ ﷺ سے مشابہت رکھتے تھے اور حسین اس سے نیچے نبی کریم ﷺ سے مشابہت

رکھتے تھے۔

آیئے محبوب خدا علیہ التحیۃ والثنا کا اپنے ان نور پاروں کے ساتھ پیار کا ایک جلوہ مزید دیکھیں

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک دن حضور ﷺ کے ساتھ نکلا۔ آپ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رہائش گاہ پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا منا کہاں ہے منا کہاں ہے؟ (اثم لکع ، اثم لکع) مراد تھی حسن کہاں ہیں کہاں ہیں۔ پھر حسن دوڑتے ہوئے آگئے یہاں تک کہ ایک دوسرے سے گلے سے لپٹ گئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اے اللہ میں اس سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اس سے محبت رکھ اور اس سے بھی جو اس سے محبت رکھے (اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّہٗ فَاَحِبَّہٗ وَاَحِبَّ مَنْ یُّحِبُّہٗ)

(بخاری شریف۔ مسلم شریف)

آیئے اس سلسلہ محبت کی ایک اور کڑی ملاحظہ کریں۔

حضرت یعلی بن مرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق حضور پرنور ﷺ نے فرمایا

حُسَیْنٌ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْ حُسَیْنٍ اَحَبَّ اللّٰہُ مَنْ اَحَبَّ حُسَیْنًا حُسَیْنٌ سِبْطٌ مِّنَ الْاَسْبَاطِ (ترمذی شریف)

ترجمہ: حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں (یہ انتہائی قرب کی طرف اشارہ ہے) اللہ اس سے محبت فرمائے جو حسین سے محبت کرے حسین اسباط میں سے ایک سبط ہے

بشارت: دونوں شہزادوں کو بارگاہ ربوبیت میں کیا وجاہت حاصل ہے اور آخرت میں یہ کس مقام پر فائز ہوں گے۔

اس سلسلے میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت ملاحظہ ہو

اِنَّ هٰذَا مَلَكٌ لَمْ يَنْزِلِ الْاَرْضَ قَطُّ قَبْلَ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ اِسْتَاْذَنَ رَبَّهٗ اَنْ يُّسَلِّمَ عَلَيَّ وَيُبَشِّرَنِيْ بِاَنَّ فَاطِمَةَ سَيِّدَةُ نِسَاءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاَنَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ (ترمذی شریف)

ترجمہ: یہ فرشتہ اس رات سے پہلے کبھی زمین پر نہیں اترا، اس نے اپنے رب سے اجازت مانگی کہ مجھ پر سلام عرض کرے اور مجھے بشارت دے کہ فاطمہ جنتی عورتوں کی سردار ہے اور حسن و حسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔

روایت کے الفاظ پر غور کیجئے، اللہ رب العلمین کے حبیب حضور رحمۃ للعلمین ﷺ کی بارگاہ میں سلام عرض کرنا اتنی بڑی سعادت ہے کہ فرشتے اس کے حصول کے لئے بارگاہ رب العزۃ میں التجاو دعا کرتے ہیں اور جب انھیں پذیرائی مل جاتی ہے تو پھر کوئی نہ کوئی بشارت تحفہ بھی نذر کرنے کی اجازت طلب کرتے ہیں، اللہ اکبر، کیا عظمت ہے سلطان کشور کائنات کی، کیا سطوت ہے تاجدار لولاک لما کی، کیا ہیبت ہے اس مرجع موجودات ومکنونات کی۔ ﷺ۔

پھر ذرا دیکھئے فرشتہ خصوصی بشارت عرض کرنے کے لئے حاضر ہوا ہے اور وہ بشارت کیا ہے محبوب اعظم واکرم ﷺ کی لخت جگر جنتی عورتوں کی سردار ہے اور ان کے دونوں شہزادے جنت کے جوانوں کے سردار وسالار۔۔۔۔۔

خدارا انصاف کیجئے، جن کی اخروی کامیابی کی بشارت ہی نہیں دی جارہی بلکہ یہ آسمانوں زمینوں میں یہ اعلان کیا جارہا ہے۔ حسن بھی جنت کے نوجوانوں کا سردار ہے اور حسین بھی، اس ایمان افروز اعلان کو سن کر بھی کوئی بدنصیب سیدنا امام

حسین رضی اللہ عنہ کو معاذ اللہ باغی یا ظالم قرار دے اور رئیس المجرمین امام الظالمین، مقدام الفاسقین یزید کو معاذ اللہ مظلوم اور حق پر سمجھتا ہے تو اس کی ازلی وابدی، فطری و اصلی شقاوت میں کیا شک ہوسکتا ہے۔ اللہ فیصلہ فرما چکا۔ اس کے حبیب ﷺ فیصلہ سنا چکے مگر پھر بھی کوئی شخص منکر ہے تو اب مقامِ حسین علیہ السلام ہی کا منکر نہیں، اللہ کا منکر ہے اور حبیب ﷺ صادق ومصدوق کا بھی باغی طاغی ہے۔ واقعی کربلا کی جنگ اہلِ جنت اور اہلِ جہنم کی لڑائی تھی۔ جنت والے فرات کے کنارے بھوکے پیاسے زخم کھا کھا کر گلے کٹوا کٹوا کر جنت میں پہنچ گئے اور جہنم والے آلِ رسول ﷺ پر ظلم وستم کی قیامتیں ڈھا کر جہنم میں کود گئے۔ اور یہ بچارا قسمت کا ہارا شیطان کا مارا جہنم کا شرارہ چودہ سو سال بعد میں پیدا ہو کر رضا کاری سے یزید، شمر ابن زیاد، عمرو ابن سعد کے جہنمی ٹولے میں شامل ہو رہا ہے۔ ہاں ہاں یہ اللہ کے حبیب ﷺ کا اللہ کے دشمنوں سے مقابلہ تھا اور محبوب خدا یہ فیصلہ پہلے ہی صادر فرما چکے تھے۔ چنانچہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ لِعَلِیٍّ وَ فَاطِمَةَ وَ الْحَسَنِ وَ الْحُسَیْنِ اَنَا حَرْبٌ لِمَنْ حَارَبَھُمْ وَ سَلْمٌ لِمَنْ سَالَمَھُمْ

(ترمذی)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے (حضرات) سیدنا علی، سیدہ فاطمہ، سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہم سے فرمایا 'میں ان سے لڑنے والا ہوں جو ان سے لڑیں اور میں ان سے صلح کرنے والا ہوں جو ان سے صلح کریں۔

اس اعلان حق کی روشنی میں یقیناً کربلا میں ایک طرف پیارے مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کا لشکر تھا اور دوسری طرف یزید پلید طرید ومرید کی جہنمی فوج تھی۔

میری عاجزانہ دعا ہے کہ اللہ آل رسول ﷺ خصوصاً میرے مرشد حضور نقش لاثانی قدس سرہ کے صدقے شیران اسلام کو حضور سید وسالار انبیاء حضور سیدنا احمد مصطفیٰ محمد مجتبیٰ علیہ وعلیہم التحیۃ والثنا کے لشکر میں شامل رکھیں اور دو جہاں میں ان گنہگار بندوں کی یہی حیثیت قائم رہے، آمین بجاہ سیدنا رحمۃ للعلمین ﷺ اور نجدی و دیوبندی چاہئیں تو شمری و یزیدی وزیادی بنے رہیں۔

ہمیں ان کے انتخاب سے کیا گلہ ہو سکتا ہے۔

بال بازاں راسوئے سلطان برد
بال زاغاں بگورستاں برد

مگر یہ کب ایک دوسرے سے جدا ہوئے اور کیونکر جدا ہو سکتے ہیں۔ یہ ایک ہی چمنستان کرم ہیں، خوب فرمایا مجدد دین وملت نے

کیا بات رضا اس چمنستان کرم کی !!
زہرا ہے کلی جس میں حسین اور حسن پھول

پنجتن پاک: ان کا 'ایک ہونا' ایسا مسلم ہے کہ جو انہیں ایک نہ سمجھے اور تفریق ڈالے' وہ ایمان سے بے خبر اور بے تعلق ہے۔ سنئے حدیث معطر ومعنبر، نور افشاں ودر افشاں

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ غَدَاةً وَعَلَيْهِ مِرْطٌ مُرَحَّلٌ مِنْ شَعْرٍ اَسْوَدَ فَجَآءَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَادْخَلَهُ ثُمَّ جَآءَ الْحُسَيْنُ فَدَخَلَ مَعَهُ ثُمَّ جَآءَتْ فَاطِمَةُ فَادْخَلَهَا ثُمَّ جَآءَ عَلِيٌّ فَادْخَلَهُ ثُمَّ قَالَ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ○ (مسلم شریف)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی

کریم ﷺ ایک روز صبح کے وقت باہر تشریف لے گئے، آپ کے اوپر سیاہ بالوں سے مخلوط چادر تھی۔ پس حسن بن علی آئے تو انھیں اس میں داخل کر لیا۔ پھر حسین آئے تو وہ بھی ان کے ساتھ داخل ہو گئے، پھر فاطمہ آئیں تو انھیں بھی داخل کر لیا پھر علی آئے تو انھیں بھی داخل کر لیا پھر قرآن پاک کی آیت۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ تلاوت کی، یعنی بیشک اللہ یہی چاہتا ہے کہ اے گھر والو تم سے گندگی دور کر دے اور تمہیں خوب پاک صاف کر دے، (الاحزاب)

یاد رہے یہ آیت کریمہ جو سورۃ الاحزاب کی زینت ہے، بنیادی طور پر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے اور انھیں خطاب فرما کر گندگی سے دور رکھنے نیز خوب پاک صاف کرنے کا ارادہ خداوندی ظاہر کیا گیا ہے۔ سیاق وسباق سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ازواج مطہرات ہی کو یہاں اہل بیت فرمایا گیا ہے۔ حضرت مولائے کائنات سیدہ خاتون جنت اور ان کے صاحبزادوں کو حضور پرنور ﷺ نے اپنے خداداد اختیارات سے ازواج مطہرات کے ساتھ اہل بیت میں شامل فرمایا جیسا کہ ام المومنین حضرت صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ عنہما کی اس روایت سے ظاہر ہے۔ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت سیدہ صدیقہ اور حضرت سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہما میں قطعاً کوئی مخالفت یا باہمی بغض وحسد نہیں تھا۔ یہ سب ایک دوسرے کی شان وعظمت بڑھ چڑھ کر ذوق وشوق سے بیان فرما دیتے تھے۔

پھر آیہ تطہیر کی طرف آیئے۔ اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم (ازواج مطہرات ہوں یا آل عبا ان سب) کی تطہیر کا اعلان خود قادر مطلق فرما رہا ہے۔ سبحان اللہ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر قیامت تک آنے والے اہل ایمان کو پاک کرنا حضور پرنور ﷺ کے منصب نبوت کا ایک چمکتا ہوا عنوان ہے چنانچہ قرآن پاک نے اس حقیقت کے

اظہار کے لئے فرمایا

یُزَکِّیۡهِمۡ (آل عمران۔۱۶۴) وہ انھیں پاک کرتا ہے

مگر غور فرمائیے محبوب مزکی ﷺ کی دلجوئی اور دلنوازی کے لئے حضور پرنور ﷺ کے اہل بیت کی تطہیر کا معاملہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا۔ اب جو شخص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اخلاص وایمان وزہد وتقویٰ پر اعتراض کرتا ہے وہ دراصل محبوب خدا علیہ التحیۃ والثناء کی محبت کی برکات اور روحانی اثرات فیوضات کا منکر ہے۔ پھر وہ جو شخص اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم پر حرص وہوس اور طلب دنیا واقتدار وغیرہ کسی قسم کی بھی فکری اخلاقی کوتاہی کا الزام لگاتا ہے وہ خدا کو قادر مطلق نہیں سمجھتا۔ اب اگر اتنی حقیقت واضح ہوگئی ہے تو ماننا ہوگا کہ سیدنا امام حسین علی جدہ وعلیہ السلام کا سفر کوفہ کسی دنیوی لالچ یا حصول اقتدار کی غرض سے نہیں تھا، بلکہ محض اللہ جل مجدہ اور اس کے حبیب مکرم ﷺ کی رضا کے لئے تھا اور مقصود محض کلمہ حق کی سربلندی اور شریعت اسلامی کی پاسبانی تھی۔ ورنہ اللہ کے قادر مطلق ہونے پر حرف آئے گا۔ اس سلسلے میں مزید وضاحت کے لئے درج ذیل واقعے پر غور کیجئے

ہوا یہ کہ نواسہ رسول علی جدہ وعلیہ السلام مکہ معظمہ سے کوفہ کی طرف تشریف لے جارہے تھے کہ پیچھے سے حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما گورنر مکہ کا امان نامہ لے کر بھی آملے مگر آپ نے رکنا قبول نہ کیا اور سفر جاری رکھا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس حد تک پختگی ارادہ کی وجہ پوچھی تو فرمایا

اِنِّیۡ رَاَیۡتُ رَسُوۡلَ اللّٰهِ ﷺ فِی الۡمَنَامِ وَقَدۡ اَمَرَنِیۡ فِیۡهَا بِاَمۡرٍ وَاَنَا مَاضٍ لَهٗ عَلَیَّ کَانَ اَوۡلِیۡ فَقَالَ وَمَا تِلۡکَ الرُّؤۡیَا؟ قَالَ مَا حَدَّثۡتُ بِهَا اَحَدًا وَمَا مُحَدِّثٌ بِهَا حَتّٰی اَلۡقٰی رَبِّیۡ (شام کربلا بحوالہ۔ طبری، ابن اثیر۔ البدایہ)

ترجمہ: میں نے خواب میں رسول ﷺ کی زیارت کی ہے۔ آپ

نے اس خواب میں مجھے ایک حکم دیا ہے جس کو میں ضرور پورا کروں گا۔خواہ وہ میرے خلاف پڑے یا موافق، پوچھا وہ خواب کیا ہے۔
فرمایا' میں نے اب تک کسی سے بیان کیا ہے اور نہ کروں گا، یہاں تک کہ اپنے رب تعالٰی سے جاملوں۔

ہاں ہاں وہ ذات جسے اللہ ارحم الراحمین نے اپنے لطف خاص سے پاک فرمایا، اس کی بات بھی اپنی مرضی سے نہیں ہوئی بلکہ اس کا ایک ایک قدم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کے مطابق ہی اٹھنا چاہیے اور یہ تو وہ ہیں جو فطرتاً حسن اور حسین یعنی سراپا حسن ہیں۔ جب حضور الصادق اور الامین ﷺ نے ان کا نام ہی حسن وحسین رکھا ہے، انھیں عیب وشین سے کیونکر واسطہ ہوسکتا ہے۔ بلکہ حقیقت تو وہ ہے جو حضرت حسن رضا خاں علیہ الرحمہ نے بیان فرمائی ہے۔

ان کی ذریت کا ہر ذرہ نہ کیوں ہو آفتاب
سر زمین حسن سے نکلی ہے کان جمال

آیت مباہلہ: بہرحال یہ آل عبا ہیں اور آل عباس جدائی کیونکر متصور ہوسکتی ہے۔ یہ ہمیشہ ایک ہے۔ یہ ہمیشہ ایک ہیں۔ یقین نہ آئے تو آیہ مباہلہ پر غور کرلیں۔ ہوا یہ کہ نجران کے عیسائی بارگاہ رسالتمآب ﷺ میں حاضر ہوئے۔ آقائے علیم وخبیر ﷺ نے ان کی ہر بات کا جواب دیا مگر انھوں نے فضول قسم کی کٹ حجتی شروع کردی۔ اس پر آیہ کریمہ نازل ہوگئی۔

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ قف ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۝ (آل عمران ۶۱)

ترجمہ: پھر اے محبوب جو تم سے عیسیٰ کے بارے میں حجت کرتے ہیں بعد اس کے کہ تمھیں علم پہنچ چکا تو ان سے فرمادو آؤ ہم تم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں پھر مباہلہ کریں تو جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔ (کنزالایمان)

دعوت مباہلہ سن کر وفد نجران نے تین دن کی مہلت لی کہ ہم آپس میں مشورہ کر کے جواب دیں گے۔ تین دن کے بعد وہ نہایت باوقار اور شاندار پوشاکیں پہن کر اور اپنے عظیم پادریوں کو ساتھ لے کر آئے۔ ادھر نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم اس شان و شوکت اور جاہ و جلال سے تشریف لائے کہ بائیں طرف گود میں شہید کربلا امام حسین، دائیں طرف آپ کا دست مبارک پکڑے ہوئے امام حسن، خاتون جنت سیدہ فاطمہ زہرا اور فاتح خیبر شیر خدا حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) دونوں پیچھے پیچھے چلے آتے ہیں۔ حضور ﷺ ان سے فرمارہے ہیں کہ جب میں دعا کروں تو سب میری دعا پر آمین آمین کہنا۔ یہ نورانی اور پرعظمت صورتیں دیکھ کر ان کا لاٹ پادری پکارا۔ اے عیسائیو

اِنِّیْ لَاَرٰی وُجُوْھًا لَوْ سَاَلُوْا اللّٰہَ اَنْ یُّزِیْلَ جَبَلاً مِّنْ مَّکَانِہٖ لَاَزَالَہٗ بِھَا فَلَا تَبَاھَلُوْا فَتَھْلِکُوْا وَلَا یَبْقٰی عَلٰی وَجْہِ الْاَرْضِ نَصْرَانِیٌّ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ، لَا نُبَاھِلُکَ (تفسیر کبیر۔ خازن۔ مدارک)

محبوب و مظلوم: دیکھا آپ نے اللہ تعالیٰ کے محبوب اعظم و اکرم و اکمل ﷺ کی بارگاہ میں ان حضرات کی محبوبیت کا اور قرب کا کیا عالم ہے۔ بیشک یہ ہر جگہ ایک ہیں اور اپنی اپنی شان میں یگانہ یکتا ہیں۔ مگر یہاں ایک نکتہ ذہن نشین رہے، یہاں جو جتنا محبوب ہوتا ہے، اتنا ہی مظلوم ہوتا ہے۔ دنیا میں محبوبیت اور مظلومیت لازم و ملزوم ہیں۔ دونوں

شہزادوں کی یکتا محبوبیت اس بات کا اعلان کر رہی ہے کہ ان کی مظلومیت بھی یکتا ہے۔ کربلا میں جو کچھ اہل بیت پر بیتی، یہ ان کی عظیم ولا جواب محبوبیت کا تقاضا ہے۔ خود معلم اعظم وہادی عالم ﷺ نے اعلان فرمادیا۔

اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً نِ الْاَنْبِیَاءَ ثُمَّ الصَّالِحُوْنَ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَا لْاَمْثَلُ

(کنوز الحقائق، جامع صغیر)

ترجمہ: خدا کی طرف سے جو مصائب نازل ہوتے ہیں وہ سب سے زیادہ انبیاء پر پھر نیک لوگوں پر پھر درجہ بدرجہ۔

ہاں اللہ کے محبوب تو مظلوم ہوئے، ظالم کون ہوگا۔ ان کی عظمت کا تقاضا یہ ہے کہ بدترین ظلم کرنے کے لئے بظاہر بدترین شقی مسلط ہوں۔ اب ذرا خیال فرمایئے اور کربلا میں یزیدی فوج کے افسروں اور سپاہیوں کو دیکھ لیجئے کہ ان میں کون تھا جس میں انسانیت کی کوئی رمق موجود ہو۔ جس نبی محترم ومکرم ﷺ کا کلمہ پڑھتے ہیں، اسی کا نور، اسی کا لخت جگر، اسی کا ہم شکل آنکھوں کے سامنے موجود ہے اور پھر اسی پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں۔ پھر اس ظلم وستم پر ضمیر کے اندر کوئی خلش محسوس نہیں ہوتی کیونکہ ضمیر تو مر چکا تھا۔ بہر حال یہ شکل کے اعتبار سے انسان مگر فکر وکردار کے اعتبار سے بدتر از شیطان عظمت شبیر رضی اللہ عنہ کا تقاضا بھی یہی ہے کہ مقابلے میں یزید، ابن زیاد، عمرو بن سعد، شمر وخولی جیسے ملعون جن سے لعنت کو بھی عار آئے، حرص ہی حرص، غرور ہی غرور، ظلم ہی ظلم، فسق ہی فسق، اور نفاق ہی نفاق۔ کربلا کے میدان میں ان کی گفتار یا کردار غرض کوئی پہلو دیکھ لیں، کیا ایمان، انسانیت یا رحم کی ہلکی سی رمق بھی ان میں نظر آتی ہے، ہرگز نہیں، بالیقین شہید اعظم اور ان کے اعزہ ورفقا رضی اللہ عنہم جو سب کے سب شوق شہادت سے سرشار تھے، کے مقابلے باغی فوج کا ہر فرد، بہیمیت وحیوانیت کی اس عمیق ترین وادی جہنم میں گرا ہے کہ ان کے نام سے بھی انسانیت بیزار ہے۔ ان کے

اس شیطانی کردار سے بھی سیدنا امام پاک اور ان کے ساتھیوں کی عظمت مزید تاباں ہو جاتی ہے۔ واقعی کربلا کا شہید اعظم مظلوم اعظم بھی ہے اور یوں محبوب اعظم بھی ہے اس انتہائی مظلومیت کے موقع پر بھی اس کی محبوبیت کے جلوے دیدہ و دل کو فرحت و سرور بخشتے ہیں، صرف ایک واقعہ ملاحظہ ہو۔

'کوفیوں میں سے ایک گستاخ ابن جوزہ نے دو مرتبہ بآواز بلند کہا' حسین ہیں؟ کسی نے اس کا جواب نہ دیا۔ تیسری مرتبہ کہنے پر انصار امام نے کہا' تیرا کیا مقصد ہے؟ اس ظالم نے کہا' اے حسین تجھے دوزخ کی بشارت ہو (معاذ اللہ) امام عالیمقام نے جواباً فرمایا' تو جھوٹا ہے'۔ میں دوزخ میں نہیں بلکہ اپنے رب رحیم اور رسول شفیع و مطاع کے حضور جاؤں گا۔ پھر پوچھا' یہ کون ہے؟ انصار نے عرض کیا' یہ ابن جوزہ ہے'۔ آپ نے ہاتھ اٹھا کر کہا 'خداوند' اس کو آگ میں ڈال دے۔ اسی وقت اس کا گھوڑا بدک کر دوڑا اور امام کے خیموں کے پیچھے جو خندق میں آگ جل رہی تھی، اس طرف گیا۔ جوزہ نے چاہا کہ اس خندق کو پھاند جائے مگر گھوڑے کے اچھلنے کے وقت یہ اس پر سے گر پڑا اور پاؤں رکاب میں اٹک گیا۔ اب اس کا ایک پاؤں تو رکاب میں اٹکا ہوا تھا اور باقی وجود لٹکا ہوا تھا اور گھوڑا پریشانی کے عالم میں برابر بھاگ رہا تھا۔ چنانچہ اس کا سر، ران، پنڈلی اور ایک پاؤں تو گھوڑے کے نیچے آ آ کر اور برابر کی ٹھوکروں سے چور چور ہو گیا۔ آخر گھوڑے نے خندق کی آگ میں ڈال دیا اور ظالم فنافی النار ہو گیا۔ مسروق بن وائل خضرمی جو یزیدی لشکر میں بہت نمایاں تھا، اس واقع کے بعد لشکر

سے الگ ہو گیا مگر دوسرے بدبختوں پر کوئی اثر نہ ہوا' (شام کربلا)

ہاں ہاں یہ کربلا والے جو راہِ مولا میں سب کچھ لٹا رہے تھے، سب محبوب تھے، اور ان کی محبوبیت کا اظہار قدرت ان کی دعاؤں کی قبولیت سے بھی کر رہی تھی۔ مگر ایسا اظہار میدانِ کربلا میں بھی ہوا جیسا کہ اوپر کے واقع سے ظاہر ہوتا ہے اور بعد میں بھی۔ اس سلسلے میں بقیہ اہلِ بیت رضی اللہ عنہم جنھیں وقت کے شیطانوں نے اسیر بنا لیا تھا کی دعاؤں کی قبولیت سے بھی ہوا۔ چنانچہ اسیرانِ کرب و بلا کو نہایت ہی دردناک اور المناک حالت میں کوفے کے بازاروں میں پھرایا گیا اور اہلِ کوفہ نے اس صورت حال پر رونا دھونا شروع کیا۔ تو اس موقع پر سیدنا حضرت امام زین العابدین، سیدہ حضرت زینب اور سیدہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہم نے جو کوفیوں کے کردار پر تبصرہ کیا اور جو انھیں دعائیں دیں ان پر غور کیجئے۔ یہ تمام خطابات شیعہ مذہب کی مشہور کتاب جلاء العیون اور مقتل ابن نما سے لئے گئے ہیں اور یہاں ان کا ترجمہ و خلاصہ محقق دوراں حضرت مولانا محمد شفیع اوکاڑوی علیہ الرحمہ کی کتاب مستطاب شام کربلا سے نقل کیا جا رہا ہے۔

سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے حمد و صلوۃ کے بعد فرمایا جو جانتا ہے وہ جانتا ہے اور جو نہیں جانتا وہ جان لے کہ میں علی بن حسین بن علی بن ابی طالب ہوں میں ان کا لختِ جگر ہوں جو کنارہ فرات پر بھوکے پیاسے شہید کئے گئے ہیں، حالانکہ ان کے ذمے نہ کسی کا خون تھا، نہ انھوں نے کسی کا مال لیا تھا، میں ان کا لختِ جگر ہوں جن کی ہتک عزت کی گئی، مال و اسباب بھی لوٹ لیا گیا، ان کے عیال قیدی بنا لئے گئے۔ میں تمھیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، بتاؤ! کیا تم نے میرے والد ماجد کو خطوط لکھ کر نہیں بلایا تھا؟ اور کیا تم نے ان سے عہد و پیمان نہیں کئے تھے؟ ضرور کئے تھے، پھر تم نے ان کو چھوڑ دیا صرف یہی نہیں بلکہ ان سے جنگ کی اور دشمن کو ان پر مسلط کیا، پس تمھارے لئے ہلاکت و بربادی نے جہنم کی راہ اختیار کی اور اپنے لئے بہت برا راستہ پسند کیا۔ بولو!

تم رسول خدا ﷺ سے کس طرح آنکھ ملاؤ گئے اور کیا جواب دو گے، جب وہ تم سے فرمائیں گے کہ تم نے عترت کو قتل کیا اور میری حرمت کی ہتک کی پس تم میری امت میں نہیں ہو۔

اس وقت ہر طرف رونے کی آوازیں بلند ہوئیں اور کوفیوں نے کہا 'اب ہم ہر طرح آپ کا ساتھ دیں گے اور آپ کے ہر حکم کی تعمیل کریں گے۔آپ نے فرمایا اے گروہ غدار و مکار! تم یہ چاہتے ہو کہ تم مجھ سے بھی ویسا ہی سلوک کرو جیسا کہ تم نے میرے باپ سے کیا ہے؟ میں تمہارے قول واقرار اور دروغ بے فروغ پر کسی طرح بھی اعتماد نہیں کروں گا۔ حاشا وکلا خدا کی قسم! ابھی وہ زخم نہیں بھرے جو کل ہی ہمارے پدر بزرگوار، ان کے اہل بیت اور ان کے رفقا کے قتل ہونے سے لگے ہیں اور یہ سب کچھ تمہاری غداری و بیوفائی سے ہوا۔ واللہ میرا جگر کباب ہے، پھر آپ نے چند شعر پڑھے، جن کا ترجمہ یہ ہے۔

'تعجب نہیں ہے اگر حضرت حسین قتل کئے گئے، اس لئے کہ ان کے بزرگ بھی جوان سے افضل تھے قتل ہوئے تھے۔اے کوفہ والو خوش نہ ہو بباعث ان ظلموں کے جو حضرت حسین پر کئے گئے۔ یہ امر خدا تعالیٰ کے نزدیک بہت عظیم ہے۔ جو بزرگوار نہر فرات پر قتل ہوئے ہیں' ان پر مری روح قربان ہو۔جن لوگوں نے ان کو قتل کیا ہے، ان کی سزا جہنم ہے۔

حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے حمد وصلوٰۃ کے بعد فرمایا 'اے بیوفا اور دغا باز کوفیو! کیا اب تم روتے اور ماتم کرتے ہو خدا تمہیں ہمیشہ رلائے اور تمہارا رونا اور ماتم کرنا کبھی موقوف نہ ہو۔تم بہت زیادہ روؤ اور تھوڑا ہنسو۔تمھاری مثال اس عورت کی سی ہے جو کاتے ہوئے تاگے کو مضبوط ہو جانے کے بعد جھٹکے دے کر توڑ ڈالے۔تم نے اپنے ایمان کو دھوکے اور فریب کا ذریعہ بنایا ہوا ہے۔تمھاری مثال اس سبزے کی سی ہے۔ جو

نجاست کی ڈھیری پر لٹکا ہو۔ تم میں بجز خودستائی، شیخی، عیب جوئی، تہمت سرائی اور لونڈیوں کی طرح خوشامد اور چاپلوسی کے کچھ نہیں۔ بلاشبہ تم بہت برے کام کے مرتکب ہوئے ہو۔ تم نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ذلت حاصل کی اور عیب کمایا اور جہنم کے سزاوار ہوئے۔ تمہارے ماتھے پر بیوفائی اور غداری کا جو داغ لگ چکا ہے، وہ کسی پانی سے زائل ہونے والا نہیں۔ اے کوفیو! کیا تم جانتے ہو کہ تم نے کس جگر رسول کو پارہ پارہ کیا اور کس کا خون بہایا ہے۔ تم نے خلاصۂ خاندان نبوت اور سردار جوانان اہل جنت اور منارِ دین و شریعت کو قتل کیا ہے۔ تم نے مخدرات عصمت و طہارت دختران خاتون جنت کو بے پردہ کیا ہے۔ اہل کوفہ تم نے اپنے لئے آخرت میں بہت برا توشہ بھیجا ہے۔ خدا تعالیٰ تم پر اپنا غضب نازل کرے اور تمہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں داخل کرے۔

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے حمد و صلوٰۃ کے بعد فرمایا۔ اے کوفہ والو تمہارا برا حال ہو اور تمہارے منہ سیاہ ہوں تم نے میرے پیارے بھائی کو بلایا پھر ان کو چھوڑ دیا اور ان کی مدد نہ کی تمہاری بے وفائی اور غداری کی وجہ سے قتل ہوئے۔ ان کا مال واسباب لوٹا گیا اور ان کے اہل بیت قیدی بنے۔ اب تم ان پر روتے ہو خدا تم کو ہمیشہ رلائے کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم نے کیا ظلم کیا ہے اور کن گناہوں کا انبار اپنی پشت پر لگایا ہے۔ پھر آپ نے یہ اشعار پڑھے:

قتلتم اخی صبرا فویل لا مکم

ستجزون نارا حرها یتوقد وا

تم نے میرے بھائی کو عالم غربت میں چاروں طرف سے گھیر کر
بھوکا پیاسا قتل کیا۔ تمہاری مائیں روئیں۔ عنقریب تم اس کی سزا
میں آگ میں جلو گے جو شعلہ ور ہوگی۔

سفکتم دماء حرم الله سفکها

وحرمها القران ثم محمد

تم نے وہ خون بہایا ہے جس کا بہانا اللہ تعالیٰ نے اور قرآن نے پھر حضرت محمد (ﷺ) نے حرام کیا ہے آگاہ رہو تم کو بشارت ہے آتش جہنم کی کل قیامت کے دن یقیناً تم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں رہو گے۔

وانی لابکی فی حیاتی علیٰ اخی

علیٰ خیر من بعد النبی سیولدوا

اور بے شک میں تمام عمر اپنے بھائی پر غم سے رووٗں گی، وہ بھائی جو نبی کریم (ﷺ) کے بعد بہتر تھے ان سے جو پیدا ہوں گے

بدمع عزیز مستهل مکفکف

علی الخد منی ذائبا لیس بحمد

اور یہ آنسو کبھی بند نہ ہوں گے بلکہ برابر رخساروں پر بہتے رہیں گے اور کبھی خشک نہ ہوں گے (مقتل ابن نما ص ۸۳۔ جلاء العیون ص ۲/۲۲۳)

اگر محبوبیت کا اظہار دعاؤں کی قبولیت سے بھی ہوتا ہے تو ان خطبات پر غور فرمایئے۔ آپ اس بات کی تصدیق فرمائیں گے خانوادہ نبوت نے میدان کربلا میں یا کوفہ کے بھرے بازار میں اہل کوفہ کو جو دعائیں دی تھیں، اب تک ان کے اثرات و ثمرات۔ ایک زمانہ دیکھ رہا ہے۔ خصوصاً سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے یہ الفاظ کہ "خدا تمہیں ہمیشہ رلائے اور تمہارا رونا زور ماتم کرنا کبھی موقوف نہ ہو" اور یونہی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہما کے الفاظ کہ خدا تمہیں ہمیشہ رلائے، مظلوم کوئی بھی ہو، حضور انور ﷺ نے اس کی بددعا سے بچنے کی تلقین فرمائی چنانچہ ارشاد عالی ہے

ایاک ودعوۃ المظلوم فانها یسال الله حقه و ان الله لا یمنع

ذاحق حقه (مشکوٰۃ)

ترجمہ: مظلوم کی بددعا سے بچو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنا حق مانگتا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی حقدار کو اس کا حق لینے سے نہیں روکتا۔

پھر وہ جو اہل بیت کے محبوب ترین افراد ہوں اور مظلوم ترین بھی ہوں، ان کی دعاؤں کی قبولیت کا اندازہ کون کرسکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انھیں دعاؤں کو سامنے رکھ کر یہ فیصلہ آسانی سے ہوسکتا ہے کہ کن کے بارے میں یہ دعائیں قبول ہوئیں۔ اور کون تھے گھر بلا کر آل رسول کو ذبح کرنے والے، ان کی لاشوں پر گھوڑے دوڑانے والے' انھیں تین دن پیاسے رکھنے والے، ان کے خیموں کو جلانے والے اور خواتین اہل بیت تک کو اونٹوں کی ننگی پشتوں پر سوار کر کے شہر بہ شہر پھرانے والے۔ ان کا رونا دھونا اور ماتم کرنا محبت کے تحت نہیں، سزا کے طور پر ہے۔ انسانی فطرت کا کیسا تاریک پہلو ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنھوں نے اللہ اور رسول ﷺ کی رضا کے لئے حرم مکہ میں بدترین ظلم وستم برداشت کئے، حتیٰ گھر بار چھوڑ کر مدینہ منورہ میں آرہے اور حسب موقع اسلام کے لئے جان و مال کے نذرانے پیش کرتے رہے، پھر ان سے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اور رسول اللہ ﷺ نے احادیث میں بلکہ اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم نے بھی بارہا اپنی رضا کا اعلان فرمایا' یہ 'ماتمی' حضرات ان سے راضی نہیں کہ انھیں ان کے ایمان تک سے انکار ہے اور ان کے زعم باطل میں وہ اہل بیت کے معاذ اللہ دشمن تھے۔ مگر اپنا یہ حال ہے کہ چند ٹکوں کی خاطر انھوں نے ان کی عظمت شان کی پروا کی نہ ان کی نسبت رسولی کی، بدترین اور تاریخ کے ہولناک ترین مظالم سے دوچار کیا، پھر بھی حب اہل بیت کے مدعی ہیں تو کیوں؟ اس لئے نہیں کہ اپنے دعوے میں سچے ہیں بلکہ اس لئے اہل بیت کی دعائیں انھیں دنیا میں ماتمی اور عقبیٰ میں جہنمی فرما چکی ہیں۔

خیر بات ہو رہی تھی محبوبیت اور مظلومیت کے لازم وملزوم ہونے کی تو سچی

بات یہ ہے کہ جہاں محبوب انس و جاں سرورکون ومکان ﷺ خود جیسے ان کے محبوب ہونے کا اعلان فرما چکے تھے، ان کے مظلوم ہونے کا اعلان بھی فرما چکے تھے۔ جیسا کہ مشکوٰۃ شریف کی روایات سے ظاہر ہے۔ ہاں محبوبیت کا اظہار ایک یوں بھی ہوتا ہے کہ محبوب کی ایذا و گستاخی برداشت نہیں کی جاتی ہے، چنانچہ کربلا میں آل رسول ﷺ پر ظلم وستم ڈھانے والوں کو جو سزائیں اس دنیا میں ملیں، وہ بھی دنیا نے دیکھ لیں اور پھر آگے آخرت میں جو ان کا حشر ہوگا، وہ بھی زمانہ دیکھ لے گا۔ کربلا کا ایک مجرم بھی ایسا نہیں تھا جسے یہاں سزا نہ ملی اور پھر ان سب کے لئے یہ سزا کفارہ نہیں بلکہ آخرت کا عذاب اس سے بھی کئی گنا ہوگا۔ یہاں صرف ایک روایت عرض کی جاتی ہے۔ حضور پرنور ﷺ فرماتے ہیں۔

قَاتِلُ الْحُسَیْنِ فِیْ تَابُوْتٍ مِّنْ نَّارٍ عَلَیْهِ نِصْفُ عَذَابِ اَهْلَ الدُّنْیَا (شام کربلا۔ بحوالہ نور الابصار)

ترجمہ: حسین کا قاتل آگ کے تابوت میں ہوگا اس پر اہل دنیا کے عذاب کا نصف ہوگا۔

ایک عبرت آموز اور جامع روایت: کربلا کے واقعات کا خود حضور پرنور ﷺ کی ذات پاک پر کیا اثر ہوا، یہ بھی مشکوٰۃ شریف کی بعض مشہور روایات سے واضح ہے۔ ہاں ہاں یہاں ایک جامع روایت درج کی جاتی ہے جس میں بہت کچھ ہے۔

حضرت ابو محمد سلیمان الاعمش کوفی تابعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حج بیت اللہ کے لئے گیا دوران طواف میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ غلاف کعبہ کے ساتھ چمٹا ہوا یہ کہہ رہا تھا کہ ”اے اللہ مجھے بخش دے اور میں گمان کرتا ہوں کہ تو مجھے نہیں بخشے گا“ میں اس کی بات پر بہت متعجب ہوا کہ سبحان اللہ العظیم اس کا کیسا

گناہ ہے کہ جس کی بخشش کا اس کو گمان نہیں خیر میں خاموش رہا اور طواف میں مصروف رہا دوسرے پھیرے میں نے سنا پھر یہی کہہ رہا تھا۔ میری حیرانی میں اضافہ ہوا میں نے طواف سے فارغ ہو کر اس سے کہا تو ایسے عظیم مقام پر ہے جہاں بڑے سے بڑا گناہ بھی بخشا جاتا ہے اگر تو اللہ عزوجل سے مغفرت اور رحمت مانگتا ہے تو اس سے امید بھی رکھ کیوں کہ وہ بڑا رحیم و کریم ہے اس شخص نے کہا اے اللہ کے بندے تو کون ہے؟ میں نے کہا میں سلیمان الاعمش ہوں! اس نے کہا اے سلیمان تم مانگو اور امید بھی رکھو میں بھی کبھی تمہارے ہی جیسا خیال رکھتا تھا لیکن اب نہیں یہ کہا اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ایک طرف لے گیا اور کہا میرا گناہ بہت بڑا ہے میں نے کہا کیا تیرا گناہ پہاڑوں۔ آسمانوں۔ زمینوں اور عرش سے بھی بڑا ہے؟ کہنے لگا ہاں میرا گناہ بڑا ہی ہے! سنو میں تمہیں بتاتا ہوں وہ بڑی عجیب بات ہے جو میں نے دیکھی ہے میں نے کہا سناؤ اللہ تم پر رحم کرے۔ اس نے کہا اے سلیمان میں ان ستر آدمیوں میں سے ہوں جو حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ کے سر کو یزید کے پاس لائے تھے۔ پھر یزید نے اس سر کو شہر کے باہر لٹکانے کا حکم دیا۔ پھر اس کے حکم سے اتارا گیا اور سونے کے طشت میں رکھ کر اس کے سونے (نیند) کی جگہ رکھا گیا۔ آدھی رات کے وقت یزید کی بیوی اٹھی تو اچانک اس نے دیکھا کہ ایک نورانی شعاع امام کے سر سے لے کر آسمان تک چمک رہی ہے وہ یہ دیکھ کر سخت خوف زدہ ہوئی اور اس نے یزید کو جگایا اور کہا اٹھ کر دیکھو میں ایک عجیب منظر دیکھ

رہی ہوں، یزید نے بھی اس روشنی کو دیکھ کر کہا چپ رہو میں بھی دیکھ رہا ہوں جو تم دیکھ رہی ہو۔ جب صبح ہوئی تو اس نے سر مبارک نکالنے کا حکم دیا۔ چناں چہ وہ نکالا گیا اور خیمہ دیبائے سبز میں رکھا گیا اور اس کی نگرانی کے لئے ستر آدمی مقرر ہوئے میں بھی ان میں تھا۔ پھر ہمیں حکم ہوا جاؤ کھانا کھا آؤ۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا اور کافی رات گزر گئی تو ہم سو گئے۔ اچانک میں جاگ پڑا اور دیکھا کہ آسمان پر ایک بڑا بادل چھایا ہوا ہے اور اس میں سے پہاڑ کی سی گرج اور پروں کے ہلنے کی سی آواز آرہی ہے پھر وہ بادل قریب ہوتا گیا یہاں تک کہ زمین سے مل گیا اور اس میں سے ایک مرد نمودار ہوا جس پر جنت کے حلوں میں سے دو حلے تھے اور اس کے ہاتھ میں ایک فرش اور کرسیاں تھیں اس نے وہ فرش بچھایا اور اس پر کرسیاں رکھ دیں اور پکارنے لگا اے ابوالبشر اے آدم صلی علیک تشریف لایئے پس ایک بڑے بزرگ نہایت حسین وجمیل تشریف لائے اور سر مبارک کے پاس کھڑے ہو کر کہا:۔

السلام علیک یا ولی اللہ السلام علیک یا بقیة الصالحین عشت سعید او قتلت طرید اولم تزل عطشان حتی الحقک اللہ بنا رحمک اللہ و لا عفر لقا تلک الویل لقا تلک غدا من النار ثم زال وقعد علی الکرسی من تلک الکراسی .

ترجمہ: سلام ہو تجھ پر اے اللہ کے ولی سلام ہو تجھ پر اے بقیہ الصالحین زندہ رہے تم سعید ہو کر قتل ہوئے تم طریف یعنی خلف ہو کر پیاسے

رہے حتیٰ کہ اللہ نے تمہیں ہم سے ملا دیا۔ اللہ تم پر رحم فرمائے اور تمہارے قاتل کے لئے بخشش نہیں تمہارے قاتل کے لئے کل قیامت کے دن دوزخ کا بہت برا ٹھکانا ہے۔

یہ فرما کر وہ وہاں سے ہٹے اوران کرسیوں میں ایک کرسی پر بیٹھ گئے پھر تھوڑی دیر کے بعد ایک اور بادل آیا اور اسی طرح زمین سے مل گیا اور میں نے سنا کہ ایک منادی نے ندا کی اے نبی اللہ اے نوح تشریف لایئے ناگاہ ایک صاحب وجاہت زردی مائل چہرہ جنت کے حلوں میں سے دو حلے پہنے ہوئے تشریف لائے اورانہوں نے بھی وہی الفاظ کہے اورایک کرسی پر بیٹھ گئے پھر ایک اور بڑا بادل آیا اوراس میں سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ نمودار ہوئے انہوں نے بھی وہی کلمات فرمائے اورایک کرسی پر بیٹھ گئے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ تشریف لائے اوراسی طرح کے کلمات فرما کر کرسیوں پر جا بیٹھے پھر ایک بہت ہی بڑا بادل آیا اس میں سے حضرت محمد ﷺ اور حضرت فاطمہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما اور ملائکہ نمودار ہوئے۔ پہلے حضرت محمد ﷺ سر کے پاس تشریف لے گئے اور سر کو سینے سے لگایا اور بہت روئے۔ پھر حضرت فاطمہ کو دیا انہوں نے بھی سینے سے لگایا اور بہت روئیں پھر حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت محمد ﷺ کے پاس آکر یوں تعزیت کی۔

السلام علی الولد الطیب السلام علی الخلق الطیب اعظم

اللہ اجر ک و احسن عز اء ک فی ابنک الحسین.

سلام ہو پاکیزہ فطرت وخصلت والے پاک فرزند پر اللہ آپ کو بہت

زیادہ اجر وثواب عطا فرمائے اور آپ کے فرزند حسین کے (اس امتحان) میں احسن صبر دے۔

اسی طرح حضرت نوح۔ حضرت ابراہیم۔ حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ علیہم السلام نے بھی تعزیت فرمائی۔ پھر حضور ﷺ نے ان انبیاء کرام علیہم السلام سے فرمایا کہ آپ گواہ رہیں خود اللہ ہی کافی گواہ ہے۔ میری امت کے ان لوگوں پر جنھوں نے میرے بعد میری اولاد کو اس طرح قتل کر کے مجھے یہ بدلہ دیا ہے۔ پھر ایک فرشتے نے آپ کے قریب آ کر عرض کیا اے ابولقاسم (اس واقعہ سے) ہمارے دل پاش پاش ہو گئے ہیں۔ میں آسمان دونیا کا موکل ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ اگر آپ حکم دیں تو میں ان لوگوں پر آسمان ڈھا دوں اور ان کو تباہ کر دوں۔ پھر ایک اور فرشتہ نے آ کر عرض کیا اے ابوالقاسم! میں دریاؤں کا موکل ہوں اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی اطاعت کا حکم دیا ہے اگر آپ فرمائیں تو میں ان پر طوفان برپا کر کے ان کو تباہ برباد کر دوں۔ آپ نے فرمایا اے فرشتو ایسا کرنے سے باز رہو

ترجمہ: تو حضرت حسن نے کہا' نانا جان! یہ جو سوئے ہوئے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو میرے بھائی کے سر کو لائے ہیں اور یہی نگرانی پر مقرر ہیں تو نبی ﷺ نے فرمایا اے میرے رب کے فرشتو ان کو قتل کرو میرے بیٹے کے قتل کے بدلے میں۔ تو خدا کی قسم! ابھی کچھ دیر ہی گزری تھی کہ میں نے دیکھا وہ میرے سب ساتھی قتل کر دیے گئے پھر ایک فرشتہ مجھے بھی قتل کرنے کو آیا تو میں نے پکارا اے ابولقاسم

مجھے بچایئے اور مجھ پر رحم فرمایئے اللہ آپ پر رحم فرمائے تو آپ نے فرشتہ سے فرمایا اسے رہنے دو پھر آپ نے میرے قریب آ کر فرمایا تو ان ستر آدمیوں میں سے ہے جو سر لائے تھے؟ میں نے کہا ہاں! پس آپ نے اپنا ہاتھ میرے کندھے میں ڈال کر مجھے منہ کے بل گرا دیا اور فرمایا خدا تجھ پر رحم نہ کرے اور نہ تجھے بخشے اللہ تیری ہڈیوں کو نار دوزخ میں جلائے تو یہ وجہ ہے کہ میں اللہ کی رحمت سے ناامید ہوں حضرت اعمش نے یہ سن کر فرمایا او بدبخت مجھ سے دور ہو کہیں تیری وجہ سے مجھ پر بھی عذاب نہ نازل ہو جائے۔ (شام کربلا بحوالہ نورا لابصار ص ۱۴۹)

آ سی نگاہ مرشد کامل کے فیض سے
منزل مری حسین، مرا رہنما حسین

قسط 61

داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

قسط نمبر 61

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ شمارہ ماہ صفر میں شائع ہو رہا ہے اور اس مقدس مہینے کا ایک مقدس دن سیدنا مخزن ولایت، مرجع طریقت، اکمل الکملاء مقدام الصوفیہ حضرت سیدنا علی بن عثمان داتا گنج بخش ہجویری رضی اللہ عنہ کا یوم عرس ہے۔ تصوف کیا ہے اور اسلام کے ساتھ اس کا کیا تعلق ہے، اسے سمجھنے کے لئے آپ کی مشہور و معروف کتاب 'کشف المحجوب' کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ یہی نہیں، یہ کتاب فیض مستطاب دل کی دنیا سے شکوک و شبہات کے اندھیرے نکالنے میں بھی لاجواب ہے۔ اس میں کتاب و سنت کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا گیا ہے اور راہ حق کے مخلص مسافروں کے لئے منزل کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔

یہ تکلیف دہ بات ہے کہ اسلام دشمن قوموں اور قوتوں نے مسلمانوں کو ان کے دین و تمدن اور تہذیب و تعلیم سے دور کرنے کے لئے انہیں اللہ کے پاک بندوں اور دین حق کے بے لوث علمبرداروں سے دور کرنا ضروری سمجھا تو اس کے لئے انہوں نے مسلمان کہلانے والے والوں میں سے جبہ و دستار سے آراستہ ایک گروہ کو خریدا اور انہیں اللہ والوں کی مخالفت پر مامور کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے توحید کے بہانے اپنے ناپاک

مشن کو جاری کیا اور جاری رکھا۔ ورنہ حقیقت میں یہ صوفیہ عظام تھے جو اسلام کے بہترین سفیر اور توحید کے بہترین علمبردار تھے۔ یہ اپنے اپنے دور اور اپنے اپنے ماحول میں حضور 'الصادق' اور 'الامین' (ﷺ) کے صادق ترین وارث اور امین ترین نمائندے تھے۔

ان کے تمام کمالات و کرامات اطاعت خداوندی و اتباع سنت مصطفوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ثمرات و برکات تھے۔ جو لوگ ان کے کمالات باہرہ اور تصرفات ظاہرہ کا مشاہدہ کرتے تھے، اگر ضد و تعصب سے خالی ہوتے تو فوراً الله علی کل شیی قدیر اور نبی (خبیر و بصیر) ﷺ پر ایمان لے آتے تھے۔ حق یہ ہے کہ انہوں نے محبوب خدا ﷺ کی ہدایت کے مطابق دل و جان سے اللہ کو مالک' حاکم کل مانا اور اس کے مقابلے میں اپنی یا کسی اور کی خواہشات کی پروا نہیں کی تو اللہ نے محض اپنے فضل سے اپنے محبوب اعظم واکرم ﷺ کے ان سچے نائبوں کو ولایت و حکومت سے نوازا۔ ہاں ہاں بادشاہی دینا اور پھر سلب کرنا اسی رب یکتا کی شان ہے۔ دیکھئے قرآن پاک نے 'دعا' کا کیا انداز سکھایا

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○

(آل عمران: ۲۶)

ترجمہ: یوں عرض کر اے اللہ' ملک کے مالک تو جسے چاہے سلطنت دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے ساری بھلائی تیرے ہی ہاتھ ہے' بیشک تو سب کچھ کرسکتا ہے۔

یقیناً دنیا کے بادشاہوں کو بادشاہی وہی عطا فرماتا ہے اور جسے جو اقتدار ملتا ہے'

اسی کے عطا فرمانے سے ملتا ہے۔ پھر جب چاہے' وہی چھین بھی سکتا ہے کوئی اس کے آگے دم نہیں مار سکتا۔ یونہی دین کے بادشاہوں کو بھی حکومت و اقتدار سے وہی نوازتا ہے۔ مگر دین کے مقابلے میں دنیا کی جو حیثیت ہے' پوشیدہ نہیں' چنانچہ دین کے حوالے سے جو حکومت و عزت عطا فرماتا ہے اس کے مقابلے میں دنیا والوں کی حکومت و عزت کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ دین والوں کو وہ کیسی حکومت عطا فرماتا ہے۔ اس کی وضاحت اپنے داتا' اپنے گنج بخش حضور داتا گنج بخش علیہ الرضوان کی اسی کتاب کے حوالے سے کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں (مدعیٔ الوہیت سے ظہور معجزہ کی بحث میں)

زانچہ اولیائے خداوند تعالیٰ مدبران ملک اند و مشرفان عالم و خداوند تعالیٰ مر ایشاں را والیان عالم گردانیدہ است حل و عقد آں بدیشاں باز بستہ و احکام عالم را موصول ہمت ایشاں را گردانیدہ پس می باید کہ صحیح ترین رابھا رائے ایشاں باشد و شفیق ترین ہمہ دلہا دل ایشاں بر خلق خدائے زانچہ ایشاں رسیدگاں باشند۔

ترجمہ: اس لئے کہ اولیاءِ الٰہی مدبرانِ ملک اور احوالِ عالم اور تمام عالم کے والی ہوتے ہیں اور نظامِ عالم ان کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ ہر قسم کے حل و عقد ان سے وابستہ ہوتے ہیں اور احکامِ عالم میں ان کا تصرف ہوتا ہے۔ بنابریں یہ ضروری ہے کہ ان کی رائے تمام اہل الرائے پر فائق ہو، اور تمام قلوب کے مقابلے میں مخلوق کے ساتھ ان کا دل شفیق تر ہو، کیونکہ یہ لوگ خدارسیدہ ہوتے ہیں۔ (ترجمہ کشف المحجوب از علامہ ابوالحسنات علیہ الرحمۃ)

ان اولیاء اللہ اور مدبرانِ ملک میں خود حضرت داتا گنج بخش بڑے نمایاں ہیں۔

ان کے فیوض و برکات کا چرچا صدیوں سے جاری ہے اور روز افزوں بھی۔ دیار و امصار کے مردان باخدا ان کے آستانہ فیض عالم پر حاضری دیتے رہے اور روحانی ترقیات پر فائز ہوتے رہے۔ لاکھوں مشرکوں کو توحید اور لاکھوں کافروں کو ایمان سے بہرہ ور کرنے والے حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری قدس سرہ بھی تکمیل مدارج کے لئے انہیں کے آستان عالی پر معتکف ہوئے اور مراد کو پہنچے۔ کون ہے جو ان کے اس خراج عقیدت کو (جو انہوں نے سرکار داتا علیہ الرضوان کی بارگاہ میں پیش کیا) نہیں جانتا

گنج بخش فیض عالم ' مظہر نور خدا

ناقصاں را پیر کامل' کاملاں را رہنما!

خیال فرمایئے حضرت داتا کی گنج بخشی دنیوی حیات تک محدود نہیں' بلکہ تربت اقدس میں بھی یہ باران کرم جاری ہے اور حضرت غریب نواز قدس سرہ نے جس دور میں اعتکاف کیا' وہ وصال کے بعد ہی کا دور ہے۔ پھر ایک غریب نواز ہی نہیں' دوسرے اکابر اولیاء بھی، پھر یہ دین کے بادشاہ ہی نہیں' دنیا کے تاجدار بھی پھر بادشاہ اور وزراء ہی نہیں' بیکس و بینوا لوگ بھی' اور پھر اپنے یعنی مسلمان ہی نہیں ہندو سکھ عیسائی بھی مشکل گھڑی میں حضور رحمۃ للعلمین ﷺ کے اس سچے وارث کی بارگاہ میں حاضری دیتے رہے' فریاد کرتے رہے، مرادیں مانگتے رہے اور جھولیاں بھرتے رہے

ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانے میں

فقط یہ بات کہ پیر مغاں ہے مرد خلیق

حضرت داتا گنج بخش رضی اللہ عنہ کے دربار دُربار فقراء و مساکین کا ہجوم دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ آخر اتنی کثیر تعداد کو حضور پرنور ﷺ کا یہ ارشاد کس نے سنا دیا ہے۔

اُطْلُبُوا الْفَضْلَ عِنْدَ الرُّحَمَاءِ مِنْ اُمَّتِیْ تَعِیْشُوْا فِیْ

اَکْنَافِهِمْ فَاِنَّ فِیْهِمْ رَحْمَتِیْ (الامن والعلی بحوالہ ابن حبان، خرائطی وغیرہما)

ترجمہ: میرے رحم دل امتیوں سے فضل مانگو ان کے دامن میں آرام سے رہو گے کہ ان میں میری رحمت ہے۔

صَدَقْتَ یَا سَیِّدِیْ ، وَ یَا سَیِّدَنَا وَ یَا سَیِّدَ الْعٰلَمِیْنَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ وَسَلَّمَ

واقعی جس میں حضور رحمۃ للعلمین ﷺ کی رحمت واسعہ کی جلوہ گری ہے' اسے غوث اعظم، اسے داتا، اسے گنج بخش' اسے غریب نواز، اسے گنج شکر ہی ہونا چاہئے۔ پھر جیسے مرد قبر میں بھی مرد' عورت قبر میں بھی عورت، مومن قبر میں بھی مومن' عارف قبر میں بھی عارف' غوث اعظم قبر میں بھی غوث اعظم' داتا گنج بخش قبر میں بھی داتا گنج بخش' غریب نواز قبر میں بھی غریب نواز اور گنج شکر قبر میں بھی گنج شکر ہی رہتا ہے (رضی اللہ عنہم) جنہیں کہیں سکون نہیں ملتا' ان کی قبروں پر ملتا ہے اور جن کی فریاد دنیا میں کوئی نہیں سنتا' یہ حضرات سنتے ہیں۔ انہیں اللہ وہ 'ملک' عطا فرماتا ہے جو سلب ہونے والا نہیں ہوتا اور انہیں ایسے خزانے عطا ہوتے ہیں کہ قبر میں جا کر یہ اور افزوں ہو جاتے ہیں۔ دنیا کے جہنم زار میں ان کے دربار حقیقی راحت کدے ہوتے ہیں اور انہیں رحمت نگر بھی کہہ لیا جائے تو بجا ہے۔ قرآن پاک فرماتا ہے۔

اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ ○ (الاعراف۔٥٦)

ترجمہ: بیشک اللہ کی رحمت نیکوں سے قریب ہے۔

چونکہ یہ قبر میں 'محسن' ہی ہوتے ہیں بلکہ نفسانیت کا تھوڑا بہت نام ونشاں بھی برزخ میں ختم ہو جاتا ہے' لہذا ان کے 'احسان' میں اور اضافہ ہو جاتا ہے اور یہ محسن سے 'محسن تر' بن جاتے ہیں لہذا اللہ کی رحمت ان کے وصال کے بعد ان کے اور زیادہ قریب ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے ان 'مزارات' پر جو رحمت کی برسات ہوتی ہے، اس کی اور کہیں

مثال نہیں۔ اللہ کی رحمت سے بڑھ کر کون مشکلکشا اور حاجت روا ہوسکتا ہے، لہٰذا ان کے درباروں میں مشکلکشائی بھی ہوتی ہے' حاجت روائی بھی۔ پھر اللہ کی رحمت جس بندے سے قریب ہے، وہ اللہ کی رحمت کے سائے میں ہے بلکہ اس میں ڈوبا ہوا ہے۔ اب اگر وہ فریاد سنتا ہے' کسی کی بگڑی بناتا ہے' کسی کی مراد پوری کرتا ہے تو اسی رحمت خداوندی میں غریق ہونے کی وجہ سے یہ آستانے رحمت خداوندی کے نشان پاتے ہیں۔ ہونا تو یہ چاہئے کہ ہم اگر کسی کے کام نہیں آسکتے تو اسے ایسے کریموں کا پتا دیں جو رحمت خداوندی کے مظہر ہیں اور خدا کے فضل سے آن کی آن میں بگڑی بنا سکتے ہیں۔ آخر یہ روزمرہ کا معمول ہے کہ بیماری کے علاج کے لئے کسی قابل ڈاکٹر یا طبیب حاذق کا پتا پوچھتے ہیں۔ پھر کسی مقامی ڈاکٹر سے شفایابی نہیں ہوتی یا اس کے بس کا روگ نہیں ہوتا تو کسی بڑے شہر کے بڑے ڈاکٹر کا پتا دیتا ہے (یا خود اس کی طرف REFER کرتا ہے) مگر وہ کتنا سنگدل ہے جسے کسی کا کام بنانے کی توفیق بھی نہیں اور جو کسی کا پتا بھی نہیں بتا سکتا بلکہ کسی مریض کو کہیں سے ایسے دارالشفا کا پتا مل جائے تو وہاں جانے سے روکتا ہی نہیں جانے والے کو مشرک کہتا ہے۔ یہ دیکھئے قسمت کی ستم ظریفی کہ خود کسی مریض و محتاج کے کام آنے سے رہا' اسے طبیب یا سخی کے پاس جانے سے روک رہا ہے، پھر اس سے آگے نکل جاتا ہے یعنی مریض ومحتاج کو بھی گالیاں دیتا ہے بلکہ چارہ گر و چارہ ساز کو بھی برا بھلا کہتا ہے۔ غور کیجئے اس کی شقاوت وقساوت پر کسی نے اس کا برا نہیں چاہا کوئی اس کا دشمن نہیں' کوئی اسے نقصان نہیں پہنچانا چاہتا' یہ پھر بھی سب کو دشمن سمجھتا ہے' سب سے لڑائی مول لے رہا ہے، سب کو آنکھیں دکھا رہا ہے اور سب سے خواہ مخواہ الجھ رہا ہے۔ مگر کیا آپ نے سوچا اس کی لڑائی اللہ والوں سے نہیں' اللہ کی رحمت سے ہے' اللہ کی رحمت سے نہیں' خود اللہ سے ہے۔ جسے اپنی کم فہمی بلکہ کج فہمی سے توحید سمجھتا ہے، اس نے اسے مردود و مغضوب بنا کے رکھ دیا ہے۔ یہ خود کو اولیاء اللہ کا دشمن سمجھتا ہے اور اللہ اسے اپنا

دشمن فرماتا ہے۔

مَنْ عَادَ لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ (بخاری)

جو میرے کسی ولی کا دشمن ہو میری طرف سے اس کے خلاف اعلان جنگ ہے۔

ایک وہ ہے جو خود کو اللہ کا دشمن جانتا ہے، ایسے شخص کی بدبختی میں کیا شک ہے،

دوسرا وہ ہے جسے اللہ اپنا دشمن قرار دے رہا ہے، کیا یہ بدبختی میں اس سے کم ہے۔

اولیاء کرام کے فضائل و کمالات قرآن پاک میں مذکور ہوئے، ان کی عظمت و شان کا ذکر احادیث مقدسہ میں وارد ہوا بلکہ بندۂ مومن کی خداداد فضیلت کا عقیدہ خلافت آدم سے شروع ہوا اور انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے معجزات اور ان کے سچے وارثوں کی کرامات کا تسلسل انسان کی ابتدائی تاریخ سے شروع ہوا۔ محبوب اعظم و اکرم ﷺ کی عالمگیر بعثت سے جہاں 'توحید' پوری آب و تاب سے نکھری' اسلام کا مہر درخشاں پوری جلوہ سامانی سے طلوع ہوا' وہیں خداداد عظمت و خلافت انسانی کا عقیدہ بھی منظر عام پر پوری قوت و شوکت سے آیا۔ کتاب و سنت سے مرد مومن کا کیا تصور ابھرتا ہے' وہی جو حکیم الامت حضرت اقبال نے بیان فرمایا ہے

ہاتھ ہے اللہ کا ' بندۂ مومن کا ہاتھ

غالب و کار آفریں' کارکشا، کارساز!

مومن کی یہ شان قبر میں قائم بلکہ پہلے سے زیادہ ہوتی ہے کیونکہ دنیا میں وہ 'پابند' ہوتا ہے' موت کے ساتھ 'آزاد' ہو جاتا ہے' چنانچہ حدیث پاک میں ہے

اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَ جَنَّۃُ الْکَافِرِ (مسلم۔ مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

ترجمہ: دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت

بات لمبی ہو گئی، میں یہ بتانا چاہتا تھا کہ حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ اپنی قبر میں بھی اپنے روز افزوں روحانی کمالات و برکات اور کرامات و تصرفات کے ساتھ زندہ

وپائندہ ہیں۔ایک زمانہ آپ کے جود وسخا کا گواہ ہے اور آپ کی عنایات وعطیات کے گن گا رہا ہے۔ میں یہاں چاہتا ہوں کہ چند ایسے واقعات جو خود میرے ساتھ رونما ہوئے ہیں' یہاں بیان کروں تا کہ ایسے کریم عظیم کے کرم عظیم کا کچھ نہ کچھ شکر ادا کر سکوں بلکہ یہ شکر خدا کی تمہید ہے۔حدیث پاک میں ہے

مَنْ لَّمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ (ترمذی شریف)

ترجمہ: جس نے انسانوں کا شکر ادا نہ کیا' اس نے اللہ کا بھی شکر ادا نہ کیا۔

یہاں سے اس بات پر بھی غور فرما لیں کہ جو لوگ اولیاء کرام علیہم الرضوان کی خداداد رحمتوں اور برکتوں کا شکر ادا نہیں کرتے' وہ اپنے ہزاروں لاکھوں دعووں کے باوجود اللہ کے شکر گزار بھی نہیں ہوتے۔ہاں ہاں یہ اللہ کا کرم ہے کہ اگر اس نے مشکلیں پیدا کی ہیں تو مشکلکشا بھی پیدا فرمائے ہیں۔ایک شخص مشکلوں کا ذکر کرتا ہے مگر اللہ کے بنائے ہوئے مشکلکشاؤں کو خاطر میں نہیں لاتا' تو یقیناً اللہ کا شکر ادا کرنے کی سعادت سے بھی محروم ہے۔

ہاں میں یہاں اپنے سے پیش آنے والی داتا صاحب قدس سرہ کی عنایات کے واقعات سنانا چاہتا ہوں مگر اس سے پہلے ایک واقعہ حضرت اقبال علیہ الرحمۃ کا بھی سن لیجئے۔شاید یہ آپ کو کسی کتاب میں نہ ملے اسے مجھے میرے استاد گرامی حضرت علامہ مولانا محمد بخش صاحب مسلم بانی مسلم مسجد لاہور نے سنایا تھا اور حضرت مسلم حضرت اقبال اور حضرت قائد دونوں کے دست راست اور معتمد علیہ تھے۔

آہ ۱۹۶۰ء اور ۱۹۶۱ء کے وہ دن کتنے کیف انگیز تھے جب شام کے وقت حضرت مولنا محمد بخش مسلم علیہ الرحمہ اپنے دولتخانے سے اکثر تشریف لاتے اور یہ فقیر بارگاہ مرشد سنٹر ٹریننگ کالج لاہور کے ہاسٹل سے مغرب کے بعد دفتر سواد اعظم اندرون موچی دروازہ لاہور میں حضرت مولانا غلام معین الدین نعیمی علیہ الرحمہ حاضر ہو

جاتا تو گویا 'ارواح ثلاثہ' کا یہ روزانہ علمی وفکری اجتماع ہوتا۔ اس میں حضرت مسلم بہت زیادہ اپنے مشاہدات بیان کرتے اور علمی وفکری عقدوں کی گرہیں کھولتے اور حضرت نعیمی بھی کبھی لب کشائی فرماتے، مگر یہ فقیر محض ان بزرگوں کے ارشادات سنتا اور کبھی سوالات بھی کرتا۔ انہیں محفلوں میں ایک دن حضرت مسلم علیہ الرحمۃ فرمانے لگے کہ ایک بار علامہ اقبال علیہ الرحمہ کا گلا دکھنے لگا اور بات کرنا دشوار ہوگیا تو ہم نے کسی ڈاکٹر کو بلانے کا ارادہ کیا۔ علامہ فرمانے لگے 'نہیں، کسی ڈاکٹر یا حکیم کو بلانے کی ضرورت نہیں۔ میرا علاج اسی طرح کرو جیسے ایک درویش خدامست نے سرسید احمد خاں کا کیا تھا۔ ہوا یہ کہ سرسید کہیں تقریر کرنے کے لئے پہنچے مگر گلا بیٹھ گیا اور بات نہیں ہوتی تھی۔ اتنے میں ایک درویش کہیں سے آنکلا۔ اس نے کہا تیرے عقائد تو ٹھیک نہیں' مگر آج تو اچھی بات کہنے کے لئے آیا تھا لہذا تیرا گلا ٹھیک کئے دیتے ہیں' چنانچہ اس (درویش) نے زمین سے تھوڑی سے مٹی اٹھائی اور سید کے گلے پر لگادی، گلا فوراً ٹھیک ہوگیا' اس نے حضرت علامہ سے پوچھا' ہم یہ علاج کیونکر کریں' فرمایا حضرت داتا گنج بخش کے آستانے سے تھوڑی سی مٹی اٹھا کر لے آؤ اور گلے پر لگادو' گلا ٹھیک ہوجائے گا'

ڈاکٹری معائنہ: اب سنئے میری کہانی، میں ۱۹۶۰ء میں سنٹرل کالج لاہور کی کلاس بی ایڈ میں داخل ہوا تو وہ حسب معمول ایک ڈاکٹر کو بلا کر اپنی اصطلاح کے مطابق سب طلباء کی ڈاکٹری کرواتے۔ اور اس کا طریقہ یہ ہوتا کہ ایک چھوٹے سے کمرے میں ڈاکٹر ایک ایک طالبعلم کو بلا کر تنہائی میں اسے ننگا کر کے چیک اپ کرتا۔ مجھے یہ انداز نہایت ہی گھناؤنا محسوس ہوا۔ وہاں اس موقعے پر ایک پروفیسر صاحب جنہوں نے میرے داخلے میں دلچسپی لی تھی بھی تشریف لے آئے۔ میں نے ان سے فریاد کی مگر انہوں نے مسکرا کر فرمایا' مولانا، یہ تو ایک معمول کی بات ہے، سب کے ساتھ ہوتا ہے' آپ بھی کرالیں'۔ میں سخت گھبرایا کہ چھٹکارے کی جو ایک صورت بنی تھی' وہ بھی ختم ہوگئی۔ اب میں

نے حضرت داتا صاحب قدس سرہ سے استمداد کی مگر کچھ شوخ انداز میں۔ میں نے عرض کیا، حضور! ہم تو لاہور میں آپ کے مہمان بن کر آئے ہیں تو کیا مہمانوں کے ساتھ یوں سلوک کیا جاتا ہے۔ دل ہی دل میں یہ فریاد کر رہا تھا کہ میری باری بھی آ گئی۔ میں اندر گیا تو ڈاکٹر صاحب نے فرمایا' مولانا آپ تو بالکل ٹھیک ہیں' میں نے کہا' جی! بالکل ٹھیک ہوں' تو بغیر کسی قسم کے چیک اپ یا ٹیسٹ وغیرہ کے بولے' تو اچھا پھر جاؤ'۔

ایک لڑکی اور ایک لڑکا: اسی کالج کے ہاسٹل میں قیام کے دوران میں اکثر نمازیں اور بالخصوص رمضان المبارک کی عشاء داتا صاحب علیہ الرحمہ کی مسجد میں ادا کرنے کا اہتمام کرتا تھا۔ رمضان شریف میں نماز عشا کے لئے ایک رات اپنے کمرے سے نکل کر باہر سڑک پر آیا تو دیکھا خانہ بدوشوں کے ایک خیمے میں سے ایک لڑکی نکل کر اچھل کود رہی ہے۔ اس کی عمر بمشکل چھ سات سال ہوگی اور یہ بار بار کہہ رہی تھی' جب پیار کیا تو ڈرنا کیا'۔ اس کا یہ انداز دیکھ کر دل بہت زیادہ افسردہ ہوا۔ بار بار یہی خیال آتا تھا کہ جب اس عمر میں اس کی بیبا کی کا یہ عالم ہے تو جوان ہو کر یہ کیا کیا آفتیں ڈھائے گی۔ میں نہایت مغموم واداس، اسی قسم کے افکار وخیالات میں ڈوب کر دربار شریف میں حاضر ہوا تو سب سے پہلے حسب معمول حضرت داتا قدس سرہ کی چوکھٹ پر حاضر ہوا اور سلام کیا۔ پھر مسجد میں آیا تو چند لمحوں کے بعد جماعت کھڑی ہوگئی۔ اس وقت ایک چھوٹا سا بچہ جو بمشکل چار پانچ سال کا ہوگا میرے ساتھ کھڑا تھا۔ مسجد کے امام صاحب کوئی سرحدی پٹھان تھے بے نیاز قسم کے' وہ تراویح کی نماز عام قاریوں کی طرح جلدی نہیں پڑھاتے تھے بلکہ بہت آہستہ آہستہ۔ یہ بچہ نماز فرض' سنت و نفل پڑھ کر تراویح میں بھی کھڑا رہا۔ حتیٰ کہ امام صاحب کی رکعت سے جو نماز تراویح بڑے لوگوں کے لئے بھی صبر آزما ہو چکی تھی' اس بچے نے کمال ہمت وحوصلہ سے اسے ادا کیا۔ امام صاحب نے نماز وتر کی تیسری رکعت میں دعائے قنوت کے لئے تکبیر کہی تو بچہ رکوع میں چلا گیا اور امام صاحب کے رکوع میں

آنے تک رکوع ہی میں رہا گویا یوں سمجھئے داتا صاحب نے میرے مغموم دل کو تسلی دینے کے لئے وہاں کھڑا کیا جہاں ساتھ ایک ایسا سعادتمند بچہ نماز پڑھنے والا تھا جو اس لڑکی سے بھی کم عمر تھا۔ گویا اشارہ اس طرف تھا کہ اگر لڑکی کے انداز سے پریشانی ہوئی ہے تو یہ بھی دیکھو ابھی ملت میں اس سے بھی کم عمر بعض ایسے بچے بھی ہیں جو از حد سعید ہیں۔

بیس روپے: سرکاری ملازمت کے جلد بعد میں نے اپنے دل میں ٹھان لی تھی کہ مہینے میں ایک بار ضرور حضرت داتا گنج بخش کے ہاں حاضری دیا کروں گا۔ چنانچہ سالہا سال تک یہی معمول رہا۔ ایک بار جب گورنمنٹ ہائی سکول علی پور چٹھہ میں فرائض تدریس سرانجام دے رہا تھا۔ داتا صاحب علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ یہ ۱۹۶۸ء کے ابتدائی دنوں کا واقعہ ہے۔ اس زمانے میں داتا صاحب کے دربار میں (جمعرات کی) ہفتہ وار محفل آپ کے سر انور کی طرف ایک برآمدے میں ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ یہ تقریب جاری تھی اور میں مواجہہ شریف میں (یعنی حضور داتا صاحب قدس سرہ کے چہرۂ پرنور کی طرف) بیٹھا ہوا تھا۔ یہاں سے محفل محض چندفٹ کے فاصلے پر تھی اور آواز پوری طرح سنائی دے رہی تھی۔ ایک نعت خواں پارٹی نے جب یہ شعر پڑھا کہ

میری ساری عمر دی کمائی
داتا دی گلی دے پھیرے
کیہ جانن عقلاں والے
جو رشتے نے تیرے میرے

تو دل بہت محظوظ ہوا۔ میں نے جی ہی جی میں عرض کی 'حضور، میں مہینے میں ایک دفعہ حاضر ہوتا ہوں۔ اگر میرے لئے آپ بیس روپے کا انتظام کر دیں تو ہر جمعرات کو حاضر ہو جایا کروں گا۔ (اس وقت علی پور چٹھہ سے لاہور تک بس کا کرایہ سوا دو روپے،

آنا جانا ڈبل ہو گیا ساڑھے چار روپے، بس سٹینڈ سے داتا دربار کا چار آنے اور ڈبل (آنے جانے کا) آٹھ آنے۔ گویا ایک بار آنے جانے کا کل پانچ روپیہ اور چار بار کا بیس روپے)

حیرت کی بات یہ ہوئی کہ واپس علی پور چٹھہ پہنچا تو فخر العلماء حضرت علامہ حافظ ابوالشفقات علامہ محمد سعید احمد صاحب مدظلہ العالی فرمانے لگے "آسی! رسول نگر سے ایک چودھری صاحب آئے تھے اور فرماتے تھے کہ ایک خطیب چاہئے جسے تانگے والا لیجایا اور واپس چھوڑ جایا کرے گا، خطیب کو ہم بیس روپے ہی دے سکتے ہیں اس سے زیادہ نہیں۔ کیسا تصرف ہے آدھی رات کے وقت عرض کی اور واپس گھر پہنچنے سے پہلے پہلے انتظام کر دیا۔)

بابا گلاب شاہ علیہ الرحمہ: رسولنگر کی جس مسجد میں خطبہ جمعہ کے لئے تقرر ہوا، وہ حضرت بابا گلاب شاہ صاحب سے منسوب ہے اور اس کی مشرقی دیوار کے ساتھ بابا جی کا مزار پرانوار ہے۔ ایک دو مہینے کے بعد علی پور چٹھہ سے گورنمنٹ ہائی سکول شکر گڑھ میں میرا تبادلہ ہو گیا تو وہاں سے پہلی بار حسب معمول ہفتہ وار حاضری کیلیے حاضر ہوا تو واپسی پر بس اڈے پر پہنچا ہی تھا کہ دل رسول نگر کے لئے بیقرار ہو گیا۔ میں شکر گڑھ جانا چاہتا تھا اور کوئی غیر مرئی طاقت رسول نگر کا اشارہ ہی نہیں کر رہی تھی بلکہ یوں لگتا تھا جیسے گلے میں رسہ ڈال کر زبردستی کھینچ رہی ہے۔ بہر حال رسول نگر پہنچ گیا۔ یہ ایک عجیب تجربہ تھا اور خود مجھے بھی سخت حیرت تھی۔ کسی صاحب اسرار سے پوچھا تو بولا 'باب گلاب شاہ علیہ الرحمہ مجذوب ہیں اور تم نے ان سے اجازت لئے بغیر ہی جانے کا اعلان کر دیا۔ اب جاؤ' منت ساجت کرو اور باقاعدہ اجازت لے کر رخصت ہو جاؤ۔ امید ہے اب ایسا نہیں ہو گا۔ چنانچہ یونہی ہوا (یعنی پھر کچھ نہ ہوا)

انبیاء علیہم السلام کی دعا اور واپسی کی اجازت: (گورنمنٹ ہائی سکول

شکر گڑھ میں تبادلہ ہو گیا تو یہاں سے بھی جمعرات کی ہفتہ وار حاضری جاری رہی۔ ہاں کبھی کسی ناگزیر مجبوری کی بنا پر جمعرات کو حاضر نہ ہو سکتا تو ہفتے کے دن آستان بوسی کرتا۔ اس زمانے شکر گڑھ نارووال سے لاہور کا سفر ٹرین کے ذریعے ہوتا تھا (کیونکہ نارووال مرید کے روڈ بعد میں تعمیر ہوئی) ایک بار ہفتے کی حاضری تھی سوا توار کی صبح کو نماز وغیرہ سے فارغ ہو کر داتا صاحب کے آستان عالی پر حاضر ہو کر اجازت طلبی کی نیت سے سلام عرض کیا تو دل کو محسوس ہوا جیسے ابھی واپسی کی اجازت نہیں۔ (اس وقت دل کو یقین تھا کہ حضرت اجازت نہیں دے رہے) چنانچہ رک گیا۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بعد کتابوں کی دکانیں کھلیں تو میں مکتبہ نبویہ پر حاضر ہوا کہ کوئی نئی کتاب آئی ہو۔ انہوں نے رئیس التحریر مولانا ارشد القادری علیہ الرحمہ کی کتاب 'جماعت اسلامی' دکھائی۔ میں اسے خرید کر دربار شریف میں آ گیا۔ اگلی ٹرین کے وقت کا اندازہ کر کے اب میں دوبارہ دربار شریف پر حاضر ہوا تو یوں لگا جیسے اجازت ہو۔ داتا صاحب قدس سرہ نے پہلے اجازت اسی لئے نہیں دی تھی کہ اس دور میں سوشلزم کا بہت شور تھا۔ اس کے رد کے لئے، اور اس کے مقابلے میں اسلام کی برتری ثابت کرنے کی مساعی میں جماعت اسلامی ہمارے ساتھ تعاون کر رہی تھی اور شکر گڑھ کے دیوبندی لوگ اپنے غلام غوث اور مفتی محمود کی اقتدا میں اس دور کے سوشلسٹوں کا ساتھ دے رہے تھے۔ ظاہر ہے اکٹھے چلنے پھرنے سے دل کچھ نہ کچھ ایک دوسرے کی طرف مائل ہو ہی جاتا ہے۔ اور پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دل پہلے مائل ہوتا ہے تو پھر قائل اور آخر میں بری طرح گھائل ہو جاتا ہے۔ وہ لوگ جو مودودی صاحب کے ساتھ محبت کی اس آخری منزل پر پہنچ گئے ہیں وہ زبان سے مودودی صاحب کو معصوم نہ بھی کہیں مگر عملاً انہیں معصوم ہی سمجھتے ہیں۔ چنانچہ مودودی صاحب اگر تمام اکابر ملت پر بھی کیچڑ اچھالیں، تو ان کے تیر عقیدت سے گھائل ہونے والے معاذ اللہ سب اکابر کو باطل پر اور انہیں (یعنی مودودی صاحب) ہی کو حق پر سمجھتے

ہیں، اگر ان کا قلم کسی صحابی رضی اللہ عنہ بلکہ کسی خلیفہ راشد رضی اللہ عنہ سے بغاوت پر آمادہ ہو تو بھی ان کے 'پرستار' کے کان پر جوں نہیں رینگتی، بلکہ وہ مودودی کے بجائے انہیں بر سر غلط سمجھتا ہے، یہیں تک نہیں، اگر ان کا قلم کسی نبی معصوم علیہ السلام کے خلاف محاذ آرا ہو تو بھی گھائل ہونے والوں کو تکلیف نہیں ہوتی۔ انھیں تکلیف اسی وقت ہوتی ہے جب کوئی شخص انبیاء کرام علیہم السلام صحابہ عظام علیہم الرضوان کی حمایت میں مودودی صاحب کی لایعنی اور غیر ایمانی تنقید کا جواب دیتا ہے۔ گھائل ہونے والے مودودی صاحب کے تیر نظر سے اس حد تک گھائل ہو چکے ہیں کہ وہ اگر خود حضور سید الانبیاء علیہم السلام کے خلاف بھی اول فول بکے تو انھیں ذرہ بھر احساس نہیں ہوتا، انھیں اپنے کلمے کی شرم ہوتی ہے نہ اللہ کے عذاب کا ڈر ہوتا ہے۔ بہر حال آغاز مائل ہونے ہی سے ہوتا ہے۔ مجھے بھی مودودی صاحب سے کچھ نہ کچھ میلان ہو گیا تھا چنانچہ ان کے خلاف کوئی بات کرتا یا کارٹون وغیرہ بناتا تو تکلیف سی محسوس ہونے لگی تھی۔

یہی بیماری تھی جس کا سد باب حضور سیدنا داتا گنج بخش رضی اللہ عنہ نے اپنے تصرف سے کیا۔ میرے دل کو سمجھا دیا کہ ابھی جانا نہیں۔ کتاب لے کر حاضر ہوا تو گویا اجازت ہو گئی۔ مجھے بھی اس بات کا یقین ہو گیا کہ سب کچھ 'کتاب' کے حصول کے لئے کیا گیا ہے اور دراصل یہ میرا ایمان بچانے کی تدبیر ہے۔ مگر پھر میں سوچتا رہا واقعی داتا صاحب کی پاکستان بلکہ دنیا کے حالات پر کتنی گہری نظر ہے۔ انھیں یہ بھی معلوم ہے کہ آنے والا کس مرض میں مبتلا ہے۔ پھر یہ بھی معلوم ہے کہ اس کے لئے کونسا نسخہ مفید ہوگا پھر یہ بھی معلوم ہے کہ جس کتاب میں علاج ہے وہ کس نے اور کہاں لکھی ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ بیمار کو کب اور کہاں سے ملے گی۔ پھر میں سوچتا رہا کہ واقعی داتا کو ایسا ہی ہونا چاہئے کہ قبر میں ہو اور آنے والوں کو بلکہ ان کے ظاہر و باطن کو دیکھ رہا ہو۔ اور یہ بھی سوچتا رہا کہ داتا صاحب نے کتنی صدیوں میں میرے جیسے کتنے لوگوں کا ایمان بچایا ہو

گا۔ واقعی اے معلم کائنات علیہ الصلوات واکمل التحیات کے عظیم وارث ونائب، تجھے ایسا ہی مبلغ ہونا چاہیے۔ پھر میں حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کے شعر پر غور کرنے لگا تو ایک گتھی اور سلجھ گئی۔ آپ کا شعر مشہور جو اوپر بھی آپ کی نظر سے گزر چکا ہے

گنج بخش فیض عالم ،مظہر نور خدا

ناقصاں را پیر کامل، کاملاں را رہنما!

کاملاں سے مراد تو حضرت غریب نواز جیسے اکابر ہیں (رضی اللہ عنہم) اور 'ناقصاں' آسی جیسے ناقص وناکس وناکارہ وآوارہ لوگ ہیں۔

دیکھا آپ نے اگر مودودی صاحب اپنے حلقہ بگوشوں کو داتا صاحب کے دربار سے روکتا رہا تو حضور داتا صاحب اپنے نیاز مندوں کو کس طرح اس 'بیوفا' کے دام ہمرنگ زمیں سے بچاتے ہیں۔

غالباً اسی سفر میں ایک اور الجھن بھی تھی۔ میں شکر گڑھ سے چلا تھا تو کسی نے پوچھا تھا کہ کیا انبیاء کرام علیہم السلام کی ساری دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ میں نے جواب دیا بالیقین ان کی سب دعائیں مقبول ہوتی ہیں۔ اگر چہ میرے پاس اس کے کئی ثبوت تھے اور ہیں مثلاً بخاری شریف کی وہ حدیث پاک جس میں کثرت نوافل سے قربِ الٰہی کے اعلیٰ مقام پر پہنچنے والے کے فضائل بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا

وَاِنْ سَاَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّہٗ (بخاری)

ترجمہ: اور اگر وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں ضرور ضرور اس کو عطا کرتا ہوں۔

ظاہر ہے جب ایک مرد مقرب کا یہ عالم ہے تو غوث کا' پھر غوث الاغیاث کا، بہت آگے جا کر صحابی کا' پھر بیعت رضوان والے کا، پھر بدری کا، پھر عشرہ مبشرہ کا، پھر خلفا راشدین رضی اللہ عنہم اور پھر انبیاء کرام علیہم السلام کا کیا مقام ہوگا۔ مگر معاملہ اس وقت الجھتا ہے جب یہ حضرت نوح علیہ السلام کی اس دعا کا ذکر آتا ہے جو انھوں نے اپنے بیٹے کے

حق میں کی تھی۔ چنانچہ میں اس سلسلے میں لاہور کے بعض علماء سے بھی ملا مگر معاملہ جوں کا توں رہا۔ داتا صاحب علیہ الرضوان سے اجازت لے کر واپسی کے سفر پر روانہ ہوا تو نارنگ منڈی کے قریب شرح صدر کی سی کیفیت طاری ہوئی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے حضرت داتا قدس سرہ خود یہ مضمون سینے میں ڈال رہے ہیں۔ میں نے لکھنا شروع کیا، کچھ اپنی ڈائری پر اور کچھ اسی کتاب (جماعت اسلامی) پر۔ مجھے افسوس کچھ عرصہ بعد ڈائری پاس رہی نہ کتاب۔ بہرحال اس سارے مضمون کا خلاصہ یہ تھا کہ یہ تو مسلم ہے کہ اللہ جل شانہ ارحم الراحمین ہے اور اس کی رحمت میں کوئی نقص یا کمی نہیں۔ جب اس کی رحمت واقعی ہر قسم کی کمی سے پاک ہے تو ظاہر ہے پھر کسی کو عذاب نہیں ہونا چاہئے۔ مگر واقعتاً ایسا نہیں، دوزخ بھی اپنے طبقات سمیت موجود ہے اور اس میں کچھ لوگ ڈالے بھی جائیں گے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اس کی رحمت کامل وواسع ہے تو یہ صورت حال کیوں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ جل مجدہ کی رحمت تو کامل ہے مگر اس سے فائدہ اٹھانے کیلئے بھی ایک اہلیت کی ضرورت ہے۔ لہٰذا جن میں اہلیت نہیں، وہ یقیناً دوزخ ہی کے لائق ہیں اور لامحالہ یہی ان کا آخری ٹھکانا ہوگا۔ یونہی سمجھ لیں انبیاء کرام علیہم السلام قرب کامل پر فائز ہیں اور ان کی ہر دعا قبول کامل سے مشرف۔ مگر ایسے بدنصیب بھی ہیں جو ان کی دعا کے فیض سے فائدہ اٹھانے کے اہل نہیں، اب یہ اہل نہ ہونا دعا کی قبولیت میں کمی کا مظہر نہیں بلکہ بدنصیب لوگوں کی اپنی کوتاہیٔ بخت اور عدمِ اہلیت ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ مجھے تو حضور داتا صاحب قدس سرہ نے مطمئن کر دیا (کوئی اور ہو نہ ہو، اس کا ذمہ مجھ پر نہیں، ہاں اس کا ذکر میں نے جس جس سے بھی کیا، مطمئن ہو گیا)

جلوہ پیر کا: میں جدی پشتی غلام ہوں۔ غوث الاغیاث، قطب الاقطاب، قیوم زمانی حضور شہنشاہ لاثانی قدس سرہ النورانی کا' اور میری بیعت ہے ان کے لختِ جگر شیخ المشائخ شہنشاہ ولایت، ناشر زہد و طریقت، قیوم زمانی حضور نقش لاثانی قدس سرہ سے۔ میرے

والد ماجد تاجدار علی پور حضور شہنشاہ لاثانی قدس سرہ کے دست حق پرست پر بیعت تھے اور عاشق زار تھے ان کے اولین سجادہ نشین حضور نقش لاثانی کے (قدس سرہ)

میرے نانا جان چودھری علی محمد مرحوم اور میرے ماموں جان چودھری چراغ لطیف مرحوم، دونوں اپنے اپنے وقت میں دربارِ عالی میں خصوصی خدام میں داخل تھے۔ اس خاندانی وابستگی کے سبب مجھے بھی ہمیشہ اپنے پیر خانے سے خصوصی لگاؤ رہا مگر دورِ آخر میں یہ تعلق کئی گنا زیادہ ہوگیا۔ سفر و حضر میں حاضر خدمت رہا، کئی سال جناح اسلامیہ کالج سیالکوٹ میں تدریس کے دوران ہر روز دربار شریف حاضر ہوتا اور صبح یہیں سے کالج روانہ ہوتا۔ شاید اس وقت دنیا میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس نے حضور نقش لاثانی قدس سرہ کی خدمت میں اتنی حاضری دی ہو، اس کا سبب کیا ہے، حضور شہنشاہ لاثانی اور حضور نقش لاثانی قدس سرہما کی نظر رحمت کے علاوہ، حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ کی نگاہ کرم! ہوا یہ کہ میں نے ۱۹۷۰ء کے لگ بھگ ایک منقبت لکھی تھی

'میرے آقا، میرے مولا گنج بخش'

اس میں ایک شعر تھا

میں بھی دیکھوں جلوہ اپنے پیر کا　　　کردو میری آنکھ بینا گنج بخش

دل یہ کہتا ہے کہ گنج بخش نے یہ التجا بھی قبول فرمالی اور مرشد کامل کے ساتھ ربط پہلے سے کئی گنا زیادہ ہو گیا۔

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا

قسط نمبر 62

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(نوٹ: شدید علالت کی بنا پر زیادہ لکھنا بلکہ زیادہ بیٹھنا بھی دشوار ہے، اس لئے ''توحیداور محبوبان خدا کے کمالات'' کو منظوم کی شکل میں پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ ایک پرانی غیر مطبوعہ تضمین ہے جو مجدد ملت اعلیحضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی ایک نعت شریف اور چند مناقب غوثیہ پر لکھی گئی تھی۔ اس کے پیش کرنے کی وجہ تو ظاہر ہے کہ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا مہینہ ہے اور دوسری یہ کہ میرے مخدوم پیر سید صابر حسین شاہ مدظلہ (اٹک) کا اصرار ہے کہ اعلیحضرت کے سلام پر تضمین کروں۔ ناسازیٔ طبیعت کی بنا پر اس طرف تو توجہ نہیں ہوسکی البتہ جو تخمیس حاضر ہے شاہ صاحب قبلہ اور دیگر قارئین کی نذر ہے........................ آسی)

وصل اول در نعت حضور اکرم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

رب کی ہر دولت و نعمت پہ ہے قبضہ تیرا
نام یونہی تو نہیں قاسم نعما تیرا
تو غنی اور ہے محتاج زمانہ تیرا
واہ کیا جودو کرم ہے شہِ بطحا تیرا
'نہیں' سنتا ہی نہیں ، مانگنے والا تیرا!
جو ہے کونین کو کافی وہ ہے ٹکڑا تیرا
جس پر قربان ہو جنت وہ ہے غنچہ تیرا
جس سے گلزار مہکتے ہیں وہ پتا تیرا
دھارے چلتے ہیں عطا کے' وہ ہے قطرہ تیرا
تارے کھلتے ہیں سخا کے' وہ ہے ذرہ تیرا
کوئی مانگے سو کرم یہ بھی ہے تیرا آقا
تجھ سے فریاد کرے ، یہ بھی سہارا تیرا
میرا احساس طلب ' یہ بھی عطیہ تیرا
فیض ہے یا شہِ تسنیم نرالا تیرا
آپ پیاسوں کے تجسس میں ہے دریا تیرا
تاج دے تاجوروں کو ' شہا منگتا تیرا
ملک انعام کرے بندۂ ادنیٰ تیرا
اسخیا جس سے سخاوت کریں' وہ ہے صدقہ تیرا
اغنیا پلتے ہیں در سے' وہ ہے باڑا تیرا
اصفیا چلتے ہیں سر سے' وہ ہے رستا تیرا

برتر از فہم نبوت ہیں تری سب شانیں
ہے محال' اہل رسالت بھی تجھے پہچانیں
تیری رحمت ہے کہ ہم جیسے بھی تجھ کو مانیں
فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

تو شہا آئینہ ذات و صفات رحمٰن
تیرے سائل ہیں رسل' قدسی و جن و انسان
ہے تری رحمت بے مثل پہ شاہد قرآن
آسمان خوان' زمین خوان' زمانہ مہمان
صاحب خانہ لقب کس کا ہے تیرا، تیرا

کیا کروں عرض اے اللہ کے محبوب لبیب
دل میں بھی جلوہ نما' جان حزیں سے بھی قریب
تیری حکمت بھی عجب' تیری حکومت بھی عجیب
میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

تیرے در سے بھی اگر جائیں تو کیونکر جائیں
جو ترے ہو چکے' وہ اور کے ہو کر کیا لیں
اور کیا دیں گے؟ کسی اور سے پھر کیا مانگیں!
تیرے قدموں میں جو ہیں' غیر کا منہ کیا دیکھیں
کون نظروں میں جچے دیکھ کے تلوا تیرا

اے شہ ارض و سما خواجۂ لولاک لما
ایک نا چیز سا کتا ہوں تیری عترت کا
میں کسی شاہ کا منگتا ، نہ گدا کا ہوں گدا
بحر سائل کا ہوں نہ کنوئیں کا پیاسا
خود بجھاجائے کلیجہ مرا چھینٹا تیرا

کس کا منہ ہے کہ بیاں کر سکے تیرے اوصاف
کچھ عنایات ہی محدود نہ معدود الطاف
کون ہے جو کرے تیری طرح دشمن کو معاف
چور حاکم سے چھپا کرتے ہیں یاں اس کے خلاف
تیرے دامن میں چھپے چور انوکھا تیرا !

تربیت کا تری شہکار ہیں تیرے اصحاب
جن کے ذروں سے چمک پائیں نجوم و مہتاب
تیرے جلوے نے انہیں کر دیا جنس نایاب
آنکھیں ٹھنڈی ہوں، جگر تازے ہوں، جانیں سیراب
سچے سورج وہ دلآرا ہے اجالا تیرا !

نام محشر کا جو ہونٹوں پہ بھی آجاتا ہے
کثرت عصیاں کا ڈر جان کو کھا جاتا ہے
کوئی سمجھائے اسے کیوں یہ مرا جاتا ہے
دل عبث خوف سے پتا سا اڑا جاتا ہے
پلہ ہلکا سہی بھاری ہے بھروسا تیرا !

تجھے بخشی ترے اللہ نے رحمت کتنی
تیرے دامن میں بھری شفقت و برکت کتنی
کارگر کون یہ سمجھے ہے شفاعت کتنی
ایک میں کیا ' مرے عصیاں کی حقیقت کتنی
مجھ سے سولاکھ کو کافی ہے اشارہ تیرا

سخت مہلک تھی میری بے بصری ' بے ہنری
عمر بے مایہ سبھی لہو و لعب میں بیتی
پھر بھی کام آئی سدا بندہ نوازی تیری
مفت پالا تھا کبھی کام کی عادت نہ پڑی
اب عمل پوچھتے ہیں ' ہائے نکما تیرا !

عرض ہے اے میرے پیغامبر جود و نوال
یوں تو ہر خلق حسن میں ہے تو آپ اپنی مثال
دلنوازی ہے مگر وہ کہ فدا اس پہ کمال !
ترے ٹکڑوں پہ پلے' غیر کی ٹھوکر پہ نہ ڈال
جھڑکیاں کھائیں کہاں' چھوڑ کے صدقہ تیرا

جس سے ناداری کو ہو عار' وہ نادار ہوں میں
جس سے بیکاری بھی شرمائے وہ بیکار ہوں میں
پھر بھی اے جان کرم ، بندہ سرکار ہوں میں
خوار و بیمار و خطاوار و گنہگار ہوں میں
رافع و نافع و شافع لقب آقا تیرا

نفس و شیطان کے حملے ہیں شہا پے در پے
ایسے اعدا کے مقابل ہے یہ بندہ لاشے
اک تری ذات ہی یہ مسئلہ کر سکتی ہے طے
میری تقدیر بری ہو تو بھلی کر دے کہ ہے
محو و اثبات کے دفتر پہ کڑوڑا تیرا

ایسا بیمار کہ بیماری کے چشمے پھوٹیں
ایسا گرداب کہ طاعت کے سفینے ڈوبیں
کیا کروں عرض شہا میل ہیں کیا کیا دل میں
تو جو چاہے تو ابھی میل مرے دل کے دھلیں
کہ خدا دل نہیں کرتا کبھی میلا تیرا !

کیا پڑی غیر کو جو حال ہی آ کر پوچھے
اور پوچھے تو مری بات من و عن سمجھے
پھر جو سمجھے تو مرے دکھ کا مداوا بھی کرے
کس کا منہ تکیئے، کہاں جایئے، کس سے کہیئے
تیرے ہی قدموں پہ مٹ جائے یہ پالا تیرا

ساری دنیا کا نکما کہ بروں کا بھی برا
کسی صورت کسی انعام کے قابل ہی نہ تھا
پھر بھی اے جانِ کرم ! تو نے نہ خالی رکھا
تو نے اسلام دیا' تو نے جماعت میں لیا
تو کریم ' اب کوئی پھرتا ہے عطیہ تیرا

اے شہنشاہ مدینہ ' اے معلّٰی القاب
زندگی ہو جو ترے شوق سے خالی تو سراب
خار ہوں تیرے تبسم سے حقیقت کے گلاب
موت سنتا ہوں ستم تلخ ہے زہرابۂ ناب
کون لادے مجھے تلووں کا غسالہ تیرا

پھیلتے جاتے ہیں اب خواب ابد کے سائے
راہ تاریک تو پرہول شہا سناٹے
مجھ سا بد کیا کرے جب سہمے ہیں اچھے اچھے
دور کیا جانئے ، بدکار پہ کیسی گزرے
تیرے ہی در پر مرے بیکس و تنہا تیرا

آہ اے شافع محشر ' شہ مکی ، مدنی
تیرے جھنڈے کے تلے ہوں گے نبی اور ولی
دور ہو گی تیرے کوثر سے جہاں تشنہ لبی
تیرے صدقے مجھے اک بوند بہت ہے تیری۔
جس دن اچھوں کو ملے جام چھلکتا تیرا

تیرے جلوے سے غنی آقا ہے خورشید نہ ماہ
عقل و ایماں کی ہے تابندہ اسی نور سے راہ
مطلع نور و تجلی ہے تیری ہی درگاہ
حرم و طیبہ و بغداد جدھر کیجے نگاہ
جوت پڑتی ہے تری ، نور ہے چھنتا تیرا

علم و عرفاں سے ورا ہے جو تری شان رفیع
از پئے قرب وزیرین و نزیلان بقیع
کہتا ہے مثل رضا آسی سگِ شیخ وقیع
تیرے دربار میں لاتا ہے رضا اس کو شفیع
جو مرا غوث ہے اور لاڈلا بیٹا تیرا

وصل دوم درمنقبت

آقائے اکرم حضورغوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بالیقیں سایۂ رحمت ہے جو سایہ تیرا
واقعی شجرۂ برکات ہے شجرہ تیرا
کیوں نہ ہو نور سراپا ہے سراپا تیرا
واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا
اونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا

ذکر جس ذکر سے مقبول' وہ آقا ! تیرا
فکر جس فکر سے پر نور' وہ مولا! تیرا
جس سے ضوگیر ہیں دل' وہ دلِ یکتا تیرا
سر بھلا کیا کوئی جانے کہ ہے کیسا تیرا
اولیا ملتے ہیں آنکھیں وہ ہے تلوا تیرا

کیا گرے جس کو اٹھاتا ہے اٹھانا تیرا
کیا جھکے جس کو کھڑا رکھے سہارا تیرا
کیا لچے جس کی مدد کا ہو ارادہ تیرا

کیا دبے جس پہ حمایت کا ہو پنجہ تیرا
شیر کو خطرے میں لاتا نہیں کتا تیرا

مشعل راہ یقیں کیوں نہ وہ پھر بیقیں ہو
نور محبوب ہو جو مرجع آن و ایں ہو
لامع صدق و صفا ، قامع بغض و کیں ہو
تو حسینی حسنی کیوں نہ محی الدیں ہو
اے خضر مجمع بحرین ہے چشمہ تیرا

روز و شب سر قدیم اپنا پڑھاتا ہے تجھے
جلوۂ حسن ازل خوب دکھاتا ہے تجھے
خوان نعمت پہ بصد لطف بلاتا ہے تجھے
قسمیں دے دے کے کھلاتا ہے، پلاتا ہے تجھے
پیارا اللہ ترا چاہنے والا تیرا

دیکھنے والوں نے آقا تجھے یکتا دیکھا
آنکھ والوں نے شہا حسن سراپا دیکھا
عشق والوں نے تجھے نور کا دریا دیکھا
مصطفٰے کے تن بے سایہ کا سایہ دیکھا
جس نے دیکھا مری جاں جلوہ زیبا تیرا

ھذا من فضل الٰہی کہے شاہ امت
خوش ہیں فرزند سے کہئے جنھیں باب الحکمت
اور حسنین کریمین سراپا شفقت

ابن زہرا کو مبارک ہو عروس قدرت
قادری پائیں تصدق مرے دولھا تیرا

غوث الاغیاث ہے تو' تجھ سے جہاں قائم ہے
حکم نافذ ہے بہر حال کہ تو حاکم ہے
جلوہ رحمت محبوب ہے تو منعم ہے
کیوں نہ قاسم ہو کہ تو ابن ابی القاسم ہے
کیوں نہ قادر ہو کہ مختار ہے بابا تیرا

مہر بغداد سے روشن ہوا آنگن آنگن !!
جودِمحبوب سے بھر پور ہے دامن دامن !
دیکھ کے حسن پکار اٹھتا ہے دوست دشمن
نبوی مینہ ' علوی فصل ' بتولی گلشن
حسنی پھول ' حسینی ہے مہکنا تیرا

بزم افراد میں تو صدر نشین محفل
کشت عرفان و طریقت کا انوکھا حاصل
جان و دل تجھ پہ ہیں قربان بصد جان و دل
نبوی ظل ' علوی برج ، بتولی منزل
حسنی چاند ، حسینی ہے اجالا تیرا

تیری عظمت کا ہے خود صاحب قرآں ضامن
جس کو سب پیکر احساں کہیں تو وہ محسن
مصدر مہرو وفا ، صدق و صفا کا مخزن !

نبوی خور ، علوی کوہ ، بتولی معدن
حسنی لعل ، حسینی ہے تجلا تیرا !

حاکم عرب و عجم ، بادشہ روم و یمن
خواجہ مشرق و مغرب تو شہ شام و عدن !
مالک اسود و احمر' شہ شاہان زمن

بحر و بر ، شہر و قری ، سہل و حزن ، دشت و چمن
کون سے چک پہ پہنچتا نہیں دعویٰ تیرا

پہنچا منزل پہ ، پکارا جو بصد عزم و یقیں
کی جو فریاد کہیں ، مل گیا مقصود وہیں !
نام سے پائے سکوں قلب تپاں ، جان حزیں!

حسن نیت ہو خطا پھر کبھی کرتا ہی نہیں
آزمایا ہے یگانہ ہے دوگانہ تیرا

قریہ و دشت پہ دن رات ہے باران سقر
سبزے کا نام و نشاں کوسوں تک آئے نہ نظر
رحمت رحمت کونین کے یکتا مظہر !!

عرض احوال کی پیاسوں میں کہاں تاب ، مگر
آنکھیں اے ابر کرم تکتی ہیں رستا تیرا

کثرت عصیاں سے بھی ہو گیا دل ڈانواں ڈول
ایک ادھر قلب تپاں' اس پہ ادھر ہول ہی ہول
لا تخف بھی تو ہے اے جان کرم ، تیرا قول !

موت نزدیک گناہوں کی تہیں ، میل کے خول
آبرس جا کہ نہا دھولے یہ پیاسا تیرا !

بے شک ازماست ، کا انجام ہے آقا 'برماست'
اعتراف اپنے جرائم کا ہے مجھ کو بے کاست
پھر بھی اک نظر عنایت کی ہے شاہا درخواست !

آب آمد وہ کہے اور میں تیمم برخاست
مشت خاک اپنی ہو اور نور کا اہلا تیرا

کوئی محروم نہ جائے تری نیت یہ ہے !
مجھ سا وابستۂ دامن ہے ، عنایت یہ ہے
میں بھی دیدار کروں ، بس مری حسرت یہ ہے

جان تو جاتے ہی جائے گی ' قیامت یہ ہے
کہ یہاں مرنے پہ ٹھہرا ہے نظارہ تیرا

کیسے کہہ دوں کہ ہوں میں بندۂ فخر عترت !
میں اگر قعر مذلت ہوں ، تو اوج عزت
پھر بھی تیرا ہوں اگرچہ ہوں شہا بوساطت

تجھ سے در ' در سے سگ ' اور سگ سے ہے مجھ کو نسبت
میری گردن میں بھی ہے دور کا ڈورا تیرا

بالیقیں ان کے مقدر ہیں سنوارے جاتے !
تیری نسبت سے ہیں جو لوگ پکارے جاتے
وہ ہیں محفوظ جو ہیں تیرے سہارے جاتے

اس نشانی کے جو سگ ہیں نہیں مارے جاتے
حشر تک میرے گلے میں رہے پٹا تیرا

مرجع صدق و صفا ' جان جہان بغداد
جان سو جان سے قربان اے جان بغداد
آہ اے شان کرم ، شان شہان بغداد
میری قسمت کی قسم کھائیں سگان بغداد
ہند میں بھی ہوں تو دیتا رہوں پہرا تیرا

کر مرے دل کو بھی روشن مرے طلعت والے
کہ مری جاں کو بھی سیراب ! طراوت والے
کر حمایت اے فقیروں کی حمایت والے
تیری عزت کے نثار اے مرے غیرت والے
آہ صد آہ کہ یوں خوار ہو بردا تیرا

عقل سے خالی سہی ، بخت کا یہ مارا سہی
نفس کے ہاتھوں نرا بیکس و بیچارہ سہی
سر بسر جوروجفا ، ظالم و آوارہ سہی
بد سہی ، چور سہی ، مجرم ناکارہ سہی
اے وہ کیسا ہی سہی ' ہے تو کریما تیرا

تیری عظمت پہ جو شاہد ہیں شہا سارے ولی
دیتے ہیں از تہ دل سارے گواہی تیری
تجھ سے اچھے کا جو میں ہوں تو یہ نسبت ہے بڑی

مجھ کو رسوا بھی اگر کوئی کہے گا تو یہی
کہ وہی نا وہ رضا بندہ رسوا تیرا

اعلیحضرت کی تواضع پہ ذرا غور کرو
غوث الاغیاث کے دربار میں حاضر ہیں جو
کس ادب سے ہیں یہاں پیش وہ کرتے خود کو
ہیں رضا یوں نہ بلک' تو نہیں جید تو نہ ہو
سید جید ہر دہر ہے مولیٰ تیرا

آسی تجھ پر بھی ترے شیخ کا ہے لطف وسیع
لکھتا جا نظم رضا پر ارے تخمیس وقیع
کر عمل تو بھی تو سن کر اسے باقلب سمیع
'فخر آقا میں رضا اور بھی اک نظم رفیع
چل لکھا لائیں ثنا خوانوں میں چہرہ تیرا'

وصل سوم در حسن مفاخرت از سرکار قادریت رضی اللہ تعالیٰ عنہ

تو ہے وہ شاہ کہ ہر شاہ ہے بندہ تیرا
تو ہے وہ فرد کہ ہر فرد ہے بردا تیرا
تو ہے وہ قطب کہ ہر قطب ہے منگتا تیرا
تو ہے وہ غوث کہ ہر غوث ہے شیدا تیرا
تو ہے وہ غیث کہ ہر غیث ہے پیاسا تیرا

کتنے نظارے نظر آئے ، نظر آ کے چھپے
کتنے شاہوں کے لئے تخت بچھے پھر نہ رہے
کتنے ہنگامے اٹھے' دب گئے اور پھر نہ اٹھے

سورج اگلوں کے چمکتے تھے' چمک کر ڈوبے
افقِ نور پہ ہے مہر ہمیشہ تیرا

دھارے آخر میں تو رک جاتے ہیں' جب بہتے ہیں
منقطع ہونے کے صدمات تو سب سہتے ہیں
ہوتا آیا ہے یہی ، اہلِ نظر کہتے ہیں !

مرغ سب بولتے ہیں' بول کے چپ رہتے
ہاں اصیل ایک نواسنج رہے گا تیرا

اولیا ماضی کے ہوں حال کہ مستقبل کے
سب کو تسلیم ہیں بے مثل مراتب تیرے
اس حقیقت میں کوئی شک نہیں' اے شاہ مرے

جو ولی قبل تھے ، یا بعد ہوئے یا ہوں گے
سب ادب رکھتے ہیں دل میں' مرے آقا تیرا

رب کے محبوب مکرم کے اے محبوب کریم
منعکس تجھ میں ہے سرکار کا ہر خلقِ عظیم
تیری یکتائی ہے سب اہلِ نظر کو تسلیم !

بقسم کہتے ہیں شاہانِ صریفین و حریم
کہ ہوا ہے نہ ولی ہو کوئی ہمتا تیرا

تجھ کو اللہ نے بخشی ہے وجاہت کیسی
تو نے ورثے میں شہا پائی ہے عظمت کیسی
سارے اغیاث پہ ہے تیری حکومت کیسی

تجھ سے اور دہر کے اقطاب سے نسبت کیسی
قطب خود کون ہے؟ خادم ترا' چیلا تیرا

حق ہے یہ' اس میں نہیں شائبہ لاف و گزاف
جو بھی اللہ کے عارف ہیں' وہ تیرے وصاف
راہ عرفاں میں ہے تو مرکز اہلِ اطراف
سارے اقطاب جہاں کرتے ہیں کعبہ کا طواف
کعبہ کرتا ہے طواف درِ والا تیرا

ہو گیا سیر جسے ہو گیا تیرا دیدار
تو نے کی جس پر نظر' کھل گئے اس پر اسرار
چور کو قطب' کرے قطب کو تو قطب مدار
اور پروانے ہیں جو ہوتے ہیں کعبہ پہ نثار
شمع اک تو ہے کہ پروانہ ہے کعبہ تیرا

رہ پر سالک جو چلے' کس کے چلائے، تیرے
صوفی حق سے جو ملے' کس کے ملائے، تیرے
دل اگر جاگتے ہیں' کس کے جگائے' تیرے
شجر سرو سہی کس کے اگائے، تیرے
معرفت پھول سہی، کس، کا کھلایا تیرا

آہ اے لختِ دلِ شاہِ شہان ابرار
وارث خواجہ لولاک لما' فخر کبار
ہاں' ترے دم سے ہیں آباد دیار و امصار

تو ہے نوشاہ ' براتی ہے یہ سارا گلزار
لائی ہے فصل سمن گوندھ کے سہرا تیرا

ساقی و رند ہی کیا ، بزم سبھی جوش میں ہے
کھلکھلاتا ہے جو ہر پھول' ہنسی جوش میں ہے
باغ جو بن پہ ہیں ، ہر ایک کلی جوش میں ہے
ڈالیاں جھومتی ہیں ' رقص خوشی جوش پہ ہے
بلبلیں جھولتی ہیں ' گاتی ہیں سہرا تیرا

عطر پاشی میں حسینان چمن کی ہے مہک
نظر افروز جوانان گلستان کی لہک
تجھ سے نسبت ہے تو پھر ہوش بھی کیوں بہک
گیت کلیوں کی چٹک ،غزلیں ہزاروں کی چہک
باغ کے سازوں میں بجتا ہے ترانا تیرا

مدح کرتے ہیں شہا عارف و عامی تیری
کرتے ہیں آقا ثنا سعدی و جامی تیری
صحن ہر باغ میں ہے نہر دوامی تیری
صف ہر شجرہ میں ہوتی ہے سلامی تیری
شاخیں جھک جھک کے بجا لاتی ہیں مجرا تیرا

کون ہے تیری عنایات پہ ہو جس کو نہ ناز
شاہ بغداد کو سب مانتے ہیں چارہ ساز
ہر ولی تجھ کو سمجھتا ہے سدا بندہ نواز

کس گلستاں کو نہیں فصل بہاری سے نیاز
کونسے سلسلہ میں فیض نہ آیا تیرا

کونسا دل تری الفت سے نہیں ہے مسرور
کونسی جاں ترے نشے سے نہیں ہے مخمور!
تیری رحمت سے ہے خالی کوئی نزدیک نہ دور
نہیں کس چاند کی منزل میں ترا جلوۂ نور
نہیں کس آئنہ کے گھر میں اجالا تیرا

فیض جو عام ہے تیرا تو تصرف بھی عام!!
ہیں پہاڑوں پہ گڑھے تیرے کرم کے اعلام
واہ کس ملک میں نافذ نہیں تیرے احکام
راج کس شہر میں کرتے نہیں تیرے خدام
باج کس نہر سے لیتا نہیں دریا تیرا

دور فرمادے شہا میرے مقدر کے بھی پھیر
نفس و شیطاں نے زبردستی سے کر رکھا ہے زیر
تیرے ہوتے بھی میں پیاسا رہوں، ایسا اندھیر
مزرع چشت و بخارا و عراق و اجمیر
کونسی کشت پہ برسا نہیں جھالا تیرا

ہر طرف دھوم ہے، اے جانِ حساں، شاہ حسیں
شاہ بغداد ہے بے شک پسر سرور دیں
وہ ہو محبوب جو مانے تجھے آقا بیقیں

اور محبوب ہیں ، ہاں پر سبھی یکساں تو نہیں
یوں تو محبوب ہے ہر چاہنے والا تیرا

دنیا والے تری عظمت کو بھلا کیا جانیں
جب مقرب بھی شہا قرب تجھی سے مانگیں
تیری وسعت کو ولی مل کے بھی کیونکر پائیں !

اس کو سوفرد سراپا بفراغت اوڑھیں
تنگ ہو کر جو اترنے کو ہو نیا تیرا

تیرے قربان اے خورشید ابو صالح کے !!
ہیں ترے حسن کی ہیبت کے بھی کیا کیا جلوے
دیکھتے رہ گئے سب دیکھنے والے تیرے !

گردنیں جھک گئیں' سر بچھ گئے ، دل لوٹ گئے
کشف ساق آج کہاں' یہ تو قدم تھا تیرا

نطق ہے سربگریباں' مدح میں کیونکر بولے
اور ششدر ہے قلم ان کی ثنا کیا لکھے
عقل حیران ہے' کیا فکر کرے' کیا سمجھے

تاج فرق عرفا کس کے قدم کو کہئے
سر جسے باج دیں' وہ پاؤں ہے کس کا ؟ تیرا

ماورئ فکر و تدبر سے ہیں تیری شانیں
اصفیا کو یہی کافی ہے کہ دل سے مانیں
ہاں جو ہوں شیخ مجدد سے تو سو وہ پہچانیں

سکر کے جوش میں جو ہیں وہ تجھے کیا جانیں
خضر کے ہوش سے پوچھے کوئی رتبہ تیرا

کم نہیں ظلمتکدہ دہر میں شر وسواس
بعض کو فکر و تدبر بھی کہاں آتا ہے راس
اپنی کم عقلی و کم نظری کا کم ہے احساس
آدمی اپنے ہی احوال پہ کرتا ہے قیاس
نشے والوں نے بھلا سکر نکالا تیرا

واہ وہ تیرا توکل، وہ مقام تفویض
کیوں امارت میں ہو حائل مرے آقا تبعیض
ان کو معذور سمجھئے جو نہیں دل کے مریض
وہ تو چھوٹا ہی کہا چاہیں کہ ہیں زیر حضیض
اور ہر اوج سے اونچا ہے ستارہ تیرا

گل چٹکتا ہے اسے گویا چٹک کی دھن ہے
فطرتاً خار میں بے شبہ کھٹک کی دھن ہے
بلبل شیخ ہے، آسی چہک کی دھن ہے
دل اعدا کو رضا تیز نمک کی دھن ہے
اک ذرا اور چھڑکتا رہے خامہ تیرا !!

وصل چہارم

درمنافحت اعدا واستعانت از آقا رضی اللہ عنہ

بڑے خوش بخت ہیں جن کو ہے سہارا تیرا
ان کے کیا کہنے جنہیں مل گیا سایہ تیرا
پر غضب بھی شہ والا ہے نرالا تیرا
الاماں قہر ہے اے غوث وہ تیکھا تیرا
مر کے بھی چین سے سوتا نہیں مارا تیرا

مظہر رحمت مولا ہے جو رحمت تیری
قہر بھی تیرا ہے آئینہ قہر باری
کوئی روکے تو بھلا تیرے غضب کی آندھی
بادلوں سے کہیں رکتی ہے کڑکتی بجلی
ڈھالیں چھٹ جاتی ہیں اٹھتا ہے جو تیغا تیرا

قسمت اچھی ہو تو دل قہر سے ڈر جاتا ہے
ورنہ منکر ہو تو کھا کھا کے مکر جاتا ہے
ہر ادائے غضب غوث سے مر جاتا ہے
عکس کا دیکھ کے منھ اور بپھر جاتا ہے
چار آئینہ کے بل کا نہیں نیزا تیرا

ہو تقابل کی جسے تاب مقابل آلے
ٹال سکتا ہے تری مار جو آقا ٹالے
کون سنبھالے ترے وار کو گیلاں والے
کوہ سر مکھ ہو تو اک وار میں دو پر کالے
ہاتھ پڑتا ہی نہیں بھول کے اوچھا تیرا

تیری اس عظمت یکتا کے ہیں ہر سو چرچے
وہ ولی کیا جو دل سے بھی نہ تجھ کو مانے
کون ہے عقل کا دشمن جو نہ تسلیم کرے
اس پہ یہ قہر کہ اب چند مخالف تیرے
چاہتے ہیں کہ گھٹا دیں کہیں پایہ تیرا

اس میں کیا شک ہے کہ تقدیر کے ایسے ہیٹے
اپنے دشمن ہیں خدائی میں یہی سب سے بڑے
دین ہوتا تو ترے در کی گدائی کرتے
عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے
یہ گھٹائیں اسے منظور بڑھانا تیرا

ترے قربان اے محبوب شہ بحر و بر
فرش کیا عرش پہ ہے دھوم تری سر تا سر
عقل و دانش کی زباں ہے تری توصیف سے تر
ورفعنا لک ذکرک کا ہے سایہ تجھ پر
بول بالا ہے ترا ذکر ہے اونچا تیرا

تجھ پہ احسان ہیں آقا جو شہ بطحا کے
کون انکو گنے یا ان کی حقیقت سمجھے
صاف آتا ہے سمجھ حرف ھــــوالا بتــــر سے
مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعدا تیرے
نہ مٹا ہے ، نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

تو مٹائے سے کسی کے نہ مٹا ہے نہ مٹے
توگرائے سے کسی کے نہ گرا ہے نہ گرے
تو دبائے سے کسی کے نہ دبا ہے نہ دبے
تو گھٹائے سے کسی کے نہ گھٹا ہے نہ گھٹے
جب بڑھائے تجھے اللہ تعالیٰ تیرا

غوث اعظم ہیں حقیقت میں رئیس الاحرار
فخر دیں ' فخر زماں ' فخر امم ' فخر کبار
ان کا انکار نہ کر نجدیٔ بدکیش و غدار
سم قاتل ہے خدا کی قسم ان کا انکار
منکر فضل حضور آہ یہ لکھا تیرا

کیا سمجھ بیٹھا ہے کچھ سوچ ارے اپنے تئیں !
ایسے انکار سے دنیا ہی سلامت ہے نہ دیں
کیسا اندھا ہے تو اے منکر بد بخت و کمیں
میرے سیاف کے خنجر سے تجھے باک نہیں
چیر کر دیکھے کوئی آہ کلیجا تیرا

ہے کوئی ایسا تجھ ایسے کو جو سمجھائے
ہے کوئی شمع ترے دل کو جو روشن کر دے
توبہ توبہ تری باتوں سے بھی بدبو پھیلے
ابن زہرا سے ترے دل میں ہیں یہ زہر بھرے
بل بے او منکر بیباک یہ زہرا تیرا

کیا میسر نہیں از قسم خرد کوئی شے
یعنی بول کس نشے میں ہے کونسی پی لی ہے مے
آخر اپنی ہی تباہی کے تو کیوں ہے در پے
شاخ پہ بیٹھ کے جڑ کاٹنے کی فکر میں ہے
کہیں نیچا نہ دکھائے تجھے شجرا تیرا

ارے بد بخت یہ کیا پھوٹی ہے قسمت تیری
تیری بدبختی سے ہے عار تو بدبختی کو بھی
اپنی غداری کا انجام بھی سو چاہے کبھی
بازاشہب کی غلامی سے یہ آنکھیں پھرنی
دیکھ اڑ جائے گا ایمان کا طوطا تیرا

کیوں اکڑتا ہے، بپھرتا ہے' خدا بنتا ہے
حیف اپنے لئے پیغام فنا بنتا ہے
سوچ کیا تیری حقیقت ہے، تو کیا بنتا ہے
حق سے بد ہو کے زمانے کا بھلا بنتا ہے
ارے میں خوب سمجھتا ہوں معما تیرا!

سوچ اگر عقل بھی تجھ میں ہے ذرا سی نجدی
غوث ثقلین سے پھر کیوں ہے لڑائی تیری
ان کا خادم بھی ہمالہ ہے جو تو ہے رائی
سگ در قہر سے دیکھے تو بکھرتا ہے ابھی
بند بند بدن اے روبہ دنیا تیرا

اس کی کیا بات کروں جو ہے خود اپنا بدخواہ
کیوں کروں ذکر اسی کا جو ہے مغضوب الہٰ
کیوں' پکاروں نہ اسے جو ہے مرا شاہنشاہ
غرض آقا سے کروں عرض کہ تیری ہے پناہ
بندہ مجبور ہے خاطر پہ ہے قبضہ تیرا

تجھ کو کہتے ہیں شہنشاہ ' زمانے کے ولی
نبوی ' علوی زہراوی ' حسینی ، حسنی
تیرے اللہ نے کن کی تجھے دولت بخشی
حکم نافذ ہے ترا' خامہ ترا' سیف تری
دم میں جو چاہے کرے' دور ہے شاہا تیرا

ڈوبی کشتی پہ اگر رحم کرے ' تر جائے
تو جو چاہے تو کڑی دھوپ میں بادل گھر جائے
قہر سے دیکھے جبل کو بھی تو فوراً چر جائے
جس کو للکار دے' آتا ہو تو الٹا پھر جائے
جس کو چمکارے' ہر پھر کے وہ تیرا تیرا

رحمت رحمت کونین کے سچے مظہر ! !
چھوڑ کے تجھ کو پکاریں کسے ابن حیدر
کچھ نہ دنیا کی محبت کا رہے مجھ پہ اثر ! !
کنجیاں دل کی خدا نے تجھے دیں' ایسی کر
کہ یہ سینہ ہو محبت کا خزینہ تیرا !

اے رحیم ابن رحیم ابن رحیم ابن رحیم
اے کریم ابن کریم ابن کریم ابن کریم
اس طرف آنے نہ پائے کبھی شیطان لئیم
دل پہ کندہ ہو ترا نام کہ وہ دزدِ رجیم
الٹے ہی پاؤں پھرے دیکھ طغریٰ تیرا

اے مرے بندہ نواز' اے مرے مقصود و معیں
کیا کہوں تیرا ہر انداز ہے محبوب وحسیں
عرض یہ ہے کہ سدا دل میں ہو تو پردہ نشیں
نزع میں' گور میں' میزاں پہ' سرِ پل پہ کہیں
نہ چھٹے ہاتھ سے دامان معلّٰی تیرا !

مجھ کو تسلیم بہت سخت ہے عقبیٰ کا سفر
لے سکے گا نہ وہاں باپ بھی بیٹے کی خبر
پیاس بجھنے کی نہیں اور پسینہ تا سر
دھوپ محشر کی وہ جاں سوز قیامت ہے مگر
مطمئن ہوں کہ مرے سر پہ ہے پلا تیرا

واہ کیا بندہ نوازی ترے اطوار میں ہے
کیسی تسکین دل و جاں تری گفتار میں ہے
زندگی بخش اثر کیا تری رفتار میں ہے
بہجت اس سر کی ہے جو بہجۃ الاسرار میں ہے
کہ فلک وار مریدوں پہ ہے سایہ تیرا !

آسیؔ ، تسلیم کہ ہے سخت ہی ناکارہ وسست
نقش لاثانی ہیں پر اس کی حمایت میں چست
اعلیحضرت نے یہاں خوب ہی فرمایا درست
اے رضا چیست غم ار جملہ جہاں دشمن تست
کردہ ام مامن خود قبلۂ حاجاتے را !

قسط 63

فتح مکہ

قسط نمبر 63

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

......﴿ فتح مکہ کے آئینے میں ﴾......

(چند ماہ پہلے اسی مضمون کی ایک قسط میں ارادہ ظاہر کیا گیا تھا کہ آئندہ کوشش کی جائے گی میدان جہاد میں جن روحانی تصرفات اور غیبی کرامات وعنایات کا ظہور ہوا، ان کا ذکر کیا جائے مگر مختلف وجوہات کی بنا پر یہ وعدہ پوری طرح زیرِ عمل نہ آسکا، تاہم، آج کی قسط اسی سلسلۂ زریں کی ایک کڑی ہے۔ اس سے پہلے نہایت اختصار سے اس فتح عظیم کے حالات پر روشنی ڈالی جاتی ہے، پھر مقصودِ اصلی کا ذکر کیا جائے گا)

سیرت مقدسہ کا مطالعہ کرنے والے کسی بھی فرد سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ صلح حدیبیہ کی ایک شرط یہ طے پائی تھی

''جو قبیلہ جس فریق سے بھی دوستی کا معاہدہ کرنا چاہے کرسکتا ہے (اس پر کوئی پابندی نہیں ہوگی)''

اس شرط کی بنیاد پر بنوخزاعہ مسلمانوں کے حلیف ہوگئے اور بنو بکر قریش کے مگر اس صلح کے بائیس ماہ بعد ماہِ شعبان میں قریش نے ایک ایسی حرکت کی جس سے معاہدہ کالعدم ہوگیا۔ ہوا یہ کہ بنوبکر کی پرانی دشمنی، جو ظہورِ اسلام سے پہلے بنوخزاعہ سے ہوتی تھی،

اچانک جاگ پڑی۔ انھوں نے قریش سے مدد مانگی اور چند سرداران قریش نے بھیس بدل کران کے ساتھ بنوخزاعہ پر اس وقت شبخون مارا جب وہ رات کے وقت بے خوف و خطر اپنے گھروں میں محوخواب تھے۔ پھر انھوں نے حرم شریف میں پناہ لی تو بنو بکر کے بعض آدمیوں نے بھی اپنے سرغنہ نوفل بن معاویہ کوخدا سے ڈرنے کی تلقین کی تو بولا لَا اِلٰہَ الْیَوْمَ.........الخ (یعنی آج کوئی خدا نہیں) اور یہ قتل عام جاری رکھا۔

ان کی فریاد پر حضور پرنور ﷺ نے امداد کا وعدہ فرمایا۔ چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ نے ایک قاصد قریش کے پاس بھیجا۔

(۱) بنوخزاعہ کے مقتولوں کی دیت ادا کریں۔

یا (۲) بنونفاثہ (بنوبکر کی ایک اہم شاخ جو اس قتل عام کی اصل مرتکب تھی) سے اپنی دوستی کا معاہدہ ختم کریں۔

یا (۳) صلح حدیبیہ کو علانیہ کالعدم قرار دیں۔

قریش کے چند نا تجربہ کار سرداروں کی طرف سے صلح حدیبیہ کو کالعدم قرار دینے کا اعلان کیا گیا۔ نسبتاً ذمہ دار لوگوں کو معلوم ہوا تو انھوں نے اس کے ہولناک نتائج و عواقب کا تصور کر کے سخت خطرناک قرار دیا۔ چنانچہ ابوسفیان کو تجدید عہد کیلئے مدینہ منورہ بھیجا گیا مگر ظاہر ہے پہلے بنوخزاعہ کے نمائندے زبان نبوت سے مدد کا وعدہ لے چکے تھے اب حضور پرنور ﷺ حسب وعدہ مکہ معظمہ پر نہایت خاموشی سے حملے کی تیاریاں فرمانے لگے۔ چنانچہ ۱۰ رمضان المبارک ۸ھ (بروز چہارشنبہ) (بمطابق یکم جنوری ۶۳۰ء) نماز عصر ادا کرنے کے بعد مدینہ منورہ سے باہر تشریف لائے۔ (اس سے پہلے مختلف مسلم قبائل کو حاضر مدینہ ہونے کی تاکید ہو چکی تھی بہر حال اللہ کا حبیب مکرم، انبیاء و مرسلین کا امام اعظم علیہم الصلوٰۃ والسلام اور کائنات کا سپہ سالار اعظم ﷺ بیس رمضان المبارک کو اپنے دس ہزار سرفروش عشاق کے ساتھ کعبہ مقدسہ کے قریب پہنچ گیا۔ پھر یہاں رحمۃ للعلمین ﷺ نے جس وسعت قلبی اور دریا دلی کا مظاہرہ فرمایا، اس کی پوری تاریخ

میں کوئی مثال نہیں ۔ یہ واقعہ آپ نے بار ہا پڑھا اور سنا، ہم یہاں اپنے اصل مقصود کی طرف آتے ہیں یعنی حضور پرنور ﷺ کے تصرفات ظاہرہ اور کمالات باہرہ کی طرف، نیز ان کے عجز و بندگی کے کچھ حسین مظاہر اور ان سپہ سالاروں کیلئے ان کے اسوۂ حسنہ کی کچھ جھلکیاں بیان کرتے ہیں۔

بارگاہ رسالت میں اولین اطلاع: بنوخزاعہ کے قتل عام کی اولین اطلاع بارگاہ رسالت میں کیسے آئی۔ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں

''ایک رات حضور پرنور ﷺ میرے ہاں قیام فرما تھے۔ سحری کے وقت تہجد ادا کرنے کیلئے اٹھے اور طہارت خانے (وضو کرنے کی جگہ) میں تشریف لے گئے۔ میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا لبیک لبیک لبیک (میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں) پھر فرمایا نصرت نصرت نصرت تمہاری مدد کی گئی، تمہاری مدد کی گئی، تمہاری مدد کی گئی۔ حضور پر نور ﷺ وضوخانہ سے باہر تشریف لائے۔ تو میں نے عرض کی' یارسول اللہ! میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تین مرتبہ یہ کہتے سنا لبیک (۳ بار) اور نصرت (۳ بار) کیا اندر کسی آدمی سے ہمکلام تھے۔ فرمایا' یہ بنی کعب کا رجز خواں تھا جو مجھ سے فریاد کر رہا تھا کہ قریش نے بکر بن وائل کی مدد کی ہے اور ہم پر حملہ کر دیا ہے۔

حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم تین دن تک کسی واقعے کی اطلاع کا انتظار کرتے رہے۔ تین دن بعد حضور پرنور ﷺ صبح کی نماز سے فارغ ہو کر مسجد میں ہی تشریف فرما تھے تو میں نے راجز کو اشعار پڑھتے ہوئے سنا۔ ان سے بھی حضور ﷺ کا وعدہ دہرایا۔

'نوٹ: دور حاضر میں حضور ﷺ کی بارگاہ میں دور سے فریاد کرنا اور حضور پر نور ﷺ کا اسے سننا پھر مدد کو پہنچنا بعض لوگوں کیلئے کتنا پریشان کن یا اشتعال انگیز

عقیدہ ہے، مگر سیرت طیبہ کی روشنی میں ایمان وعلم وعشق سے اسے حل کرنا چاہیں تو قطعاً دشوار نہیں۔رہ گیا یہ کہ اس وقت حضور پرنور ﷺ زندہ تھے، افسوس منکر کج فہم بھول گیا ہے، سرکار ابدقرار اصل موجودات وجان حیات اب بھی زندہ بلکہ زندہ تر ہیں۔'یونہی ہر نبی بلکہ ہر شہید علیہ الرحمہ زندہ ہے۔

بستر رسول ﷺ کا ادب: ابوسفیان بھی قریش مکہ کی پرزور خواہش پر تجدید عہد کیلئے مدینہ منورہ پہنچ گیا تو سب سے پہلے اپنی لخت جگر حضرت سیدہ ام المومنین ام حبیبہ کے گھر گیا۔اس نے سرکار دو عالم ﷺ کے بچھے ہوئے بستر پر بیٹھنا چاہا تو ام المومنین نے فوراً وہ بستر لپیٹ کرالگ رکھ دیا۔ابوسفیان نے کہا'اے میری بیٹی کیا تم نے اس بستر کو میرے لائق نہیں سمجھا یا مجھے اس قابل نہیں سمجھا کہ اس پر بیٹھوں آخر تم نے اسے کیوں لپیٹا ہے۔ام المومنین رضی اللہ عنہا نے بے تامل فرمایا

'یہ بستر اللہ کے پیارے رسول ﷺ کا ہے اور تو مشرک وناپاک ہے اسلئے میں برداشت نہیں کرسکتی کہ تو رسول اللہ ﷺ کے بستر پر بیٹھے'

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کا خط: حضور پرنور ﷺ کی رضا یہ تھی مکہ والوں کو اسلامی لشکر کی نقل وحرکت کا بالکل علم نہ ہو۔اس سلسلے میں دعا بھی یہی فرماتے تھے

"الٰہی! اہل مکہ کو ہمارے بارے میں بہرہ اور اندھا کردے تاکہ وہ نہ ہماری تیاریوں کو دیکھ سکیں اور نہ ہمارے بارے میں کچھ سن سکیں۔

اسی غرض سے مدینہ منورہ کے تمام راستوں پر پہرہ بٹھا دیا گیا۔ان کے نگران اعلیٰ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تھے جو ان کی خبر گیری کیلئے تشریف لے جایا کرتے اور تاکید فرماتے کہ کسی انجان آدمی کو دیکھیں تو اس سے پوری طرح پوچھ گچھ کریں۔

حضور پرنور ﷺ کے ایک بدری صحابی جناب حاطب رضی اللہ عنہ بن ابی بلتعہ نے ایک عورت کو دس اشرفیاں دے کر اپنا خط دیا کہ اسے مکتوب الیہ (مکہ معظمہ) تک پہنچا دیں۔ پہرہ داروں سے بچنے کیلئے وہ عام راستے سے ہٹ کر وادی عقیق تک

جہاں سے عام شاہراہ آ کر ملتی ہے، پہنچ گئی۔ اس خط میں فوج سمیت حضور پرنور ﷺ کے عزم مکہ کا ذکر تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ کے خداداد علم و بصیرت سے کوئی چیز بھی پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی، چنانچہ سرکار دوعالم ﷺ نے حضرت علی، حضرت زبیر اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہم کو فوراً روانہ ہونے کا حکم دیا اور فرمایا جب تم روضہ خاخ پر پہنچو تو ایک اونٹ سوار عورت ملے گی، اس کے پاس ایک خط ہے، اسے لے آؤ۔ ان پروانہ ہائے شمع رسالت نے تیزی سے تعاقب کر کے بطن ایم کے مقام پر اسے جالیا۔ سامان وغیرہ کی تلاشی لی گئی مگر خط نہ ملا۔ حیدر کرار رضی اللہ عنہ نے فرمایا

'خدا کی قسم' اللہ کے رسول نے ہرگز غلط بیانی نہیں فرمائی۔ اگر تو خط خود بخود حوالے نہ کرو گی تو ننگا کر کے برآمد کر لیا جائے گا۔ اب وہ ڈر گئی مینڈھیوں سے خط نکال کر پیش کر دیا۔

حضور پرنور ﷺ نے حضرت حاطب سے جواب طلبی فرمائی تو عرض کیا یارسول اللہ! بخدا اللہ اور اس کے رسول پر میرا پکا ایمان ہے۔ میں ہرگز مرتد نہیں ہوا۔ میرا مکہ میں کوئی قریبی رشتہ دار نہیں جو ان حالات میں میرے اہل و عیال کی خبر گیری کرتا۔ میرا مقصد یہ تھا کہ وہ اس احسان کے بدلے میرے اہل وعیال کا خیال رکھیں۔ حضور پرنور ﷺ نے فرمایا 'حاطب نے تمہیں سچی بات بتا دی ہے'۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کی گردن اڑانے کی اجازت چاہی تو حضور ارحم واکرم ﷺ نے فرمایا 'اے عمر' حاطب بدری ہے اور اللہ کریم بدریوں سے فرما چکا ہے کہ

اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ قَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ (بخاری شریف)

ترجمہ: اب جو چاہو، میں نے تمہیں معاف فرما دیا ہے

یہ سن کر حضرت عمر کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے اور عرض کی اللہ و رسولہ اعلم

مرالظہران اور ابوسفیان کی گرفتاری: اسلامی لشکر چلتے چلتے مرالظہران کی بستی کے قریب پہنچا تو وہاں رات بسر کرنے اور اپنے اپنے پڑاؤ میں آگ جلانے کا حکم ہوا تو فوراً دس ہزار چولھے روشن ہو گئے۔ کفار مکہ کو حضور پرنور ﷺ کے حملے کا ڈر تو تھا

مگر پھر بھی اس سفر کی انھیں بھنک تک محسوس نہ ہوئی۔ اہل مکہ نے اب حالات معلوم کرنے اور ان کے لئے امان طلب کرنے کیلئے ابوسفیان کو خدمت اقدس میں بھیجا۔ حکیم بن حزام کو ساتھ لے کر روانہ ہوا تو راہ میں بدیل بن ورقاء بھی مل گیا۔ تینوں اس ایک مشن ہی پر آگے بڑھے۔ مرالظہر ان کے قریب ہی ایک بستی اراک نامی تھی۔ حضور پرنور ﷺ نے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فرمایا 'ابوسفیان اراک کی بستی میں ہے، جاؤ اور اسے گرفتار کرلو۔ چنانچہ ان سرفروشان اسلام نے تینوں کے اونٹوں کی نکیلیں پکڑ لیں اور چل پڑے۔ ابوسفیان سراپا حیرت ہو کر بولا 'کبھی ایسا بھی ہوا' اتنا لشکر جرار ہمارے گھر میں آدھمکا ہے اور ہمیں خبر تک نہیں ہوئی'۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا مقام محبت: حضرت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ ابوسفیان کو ساتھ لے کر بارگاہ رسالتمآب ﷺ میں حاضر ہوئے اور عرض کی 'یارسول اللہ! میں نے اسے امان دے دی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کی گردن اڑانے کی اجازت پر بڑا اصرار کیا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا 'اے عمر! صبر کرو! اگر یہ تمہارے خاندان بنی عدی کا فرد ہوتا تو اتنی سختی نہ کرتا، چونکہ یہ عبد مناف کے خاندان کا فرد ہے، اس لئے تو اس کے قتل پر اصرار کر رہا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا 'اے عباس! اتنی زیادتی نہ کرو۔ اے ابوالفضل! جب آپ نے اسلام قبول کیا تو مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ اگر میرا باپ بھی اسلام قبول کرتا تو بھی اتنی نہ ہوتی کیونکہ مجھے اس بات کا علم تھا کہ میرے باپ کے اسلام لانے سے آپ کا اسلام لانا حضور ﷺ کیلئے زیادہ خوش کن ہے۔ مختصر یہ کہ ابوسفیان اور ان کے دونوں ساتھیوں کو سیدنا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے پناہ دی اور حضور پرنور ﷺ نے قبول فرمائی اور انھیں خدمت اقدس میں حاضری کی اجازت دے کر کافی دیر تک حالات دریافت فرماتے رہے۔ بدیل اور حکیم نے تو رسالت کی گواہی دے دی مگر ابوسفیان نے مہلت طلب کی۔ حضور پرنور ﷺ نے فرمایا 'جب تک میری رسالت پر ایمان نہ لاؤ گے، مسلمان نہیں ہوں گے۔ [1]

[1]: افسوس یہی ہے وہ ایمان بالرسالت کی قید جس سے جدید شیخ الاسلام طاہر القادری وغیرہ ملت اسلامیہ کو آزاد کرنا چاہتے ہیں

خانہ کعبہ کے بت: اس وقت خانہ کعبہ کے اردگرد اوراوپر تین سوساٹھ بت نصب تھے۔انھیں قلعی کے ساتھ بڑی مضبوطی سے جکڑا ہوا تھا۔حضور پرنور ﷺ کے دست (ید اللہ) میں چھڑی تھی اورزبان پاک پر

جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ط اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا O

(بنی اسرائیل:۸۱)

ترجمہ: حق آیا اور باطل مٹ گیا بے شک باطل کو مٹنا ہی تھا

حضور پرنور ﷺ بتوں کی طرف اپنی مبارک چھڑی سے اشارہ فرماتے جاتے اور وہ منہ کے بل زمین بوس ہوتے جاتے۔دروازے کے قریب بہت بڑا بت 'ہبل' تھا۔طواف کے دوران حضور پرنور ﷺ نے اپنی قوس مبارک سے اسے آنکھوں کو کچوکا دیا اور وہی آیت تلاوت فرما کر اسے ریزہ ریزہ کرنے کا حکم دیا۔حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان سے فرمایا،ذرا دیکھو اپنے جھوٹے خدا کا انجام۔احد کے روز تم اسی پر نازاں تھے اور اسی کی بڑائی کے نعرے لگا رہے تھے۔ابوسفیان بولا' آج تم ان باتوں کو رہنے دو'میں نے دیکھ لیا،اگر محمد ﷺ کے خدا کے بغیر کوئی اور خدا بھی ہوتا تو حالات یوں نہ ہوتے دیکھا'ہمارا عنوان'توحیداورمحبوبانِ خدا کے کمالات'فتح مکہ کی روشنی میں کتنا واضح ہو رہا ہے۔اللہ کے حبیب اعظم وہادی دارین ﷺ نے گویا جھوٹے خداؤں کی خدائی کے جاہلانہ تصور کو عملاً باطل کردیا اور سچے خدا کی توحید کو ہر اعتبار سے گویا چشم دید گواہی کی حیثیت عطا فرمادی۔ازراہ کرم فرزندان ملت غور فرمائیں، کیا اگر محبوبانِ خدا کے کمالات کو درمیان سے نکال دیا جائے تو کیا توحید کا عقیدہ حتمی و یقینی انداز میں بیان ہوسکتا ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کا ادب: حضرت مولانا محمد انوار اللہ خاں علیہ الرحمہ نے مصنف ابن ابی شیبہ اور کنز العمال کے حوالے سے ایک نہایت ایمان افروز روایت نقل فرمائی ہے۔

ثُمَّ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم الْبَيْتَ فَصَلّٰى فِيْهِ

رَكْعَتَيْنِ فَرَاٰیٔ فِيْهِ تِمْثَالَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ قَدْ جَعَلُوْا فِيْ يَدِ اِبْرَاهِيْمَ الْاَزْلَامَ يَسْتَقْسِمُ بِهَا فَقَالَ، رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى اللّٰه عليه واله وسلم قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَسْتَقْسِمُ بِالْاَزْلَامِ ثُمَّ دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بِزَعْفِرَانَ فَلَطَخَهُ بِذٰلِكَ التَّمَاثِيْلَ (انوار احمدی)

ترجمہ: اس کے بعد (حضور ﷺ) خانہ کعبہ میں تشریف لے گئے اور دو رکعت نماز پڑھ کر دیکھا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحٰق علیہم السلام کی تصویریں رکھی ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کی تصویر کے ہاتھ تیر دے رکھے ہیں جس سے کفار فال دیکھا کرتے تھے اور فرمایا خدا ان کو قتل کرے، ابراہیم علیہ السلام تو تصویروں سے فال نہیں لیتے تھے۔ پھر حضرت ﷺ نے زعفران منگوا کر تصویروں کو لگا دیا جس سے وہ مشتبہ ہو گئیں۔

اب اس روایت پر حضرت مولانا موصوف ہی کا دل افروز تبصرہ ملاحظہ ہو۔

"ظاہر ہے یہ تصویریں بھی بتوں ہی کی قطار میں تھیں جن کی توہین کا حکم ہو چکا تھا اور فی الواقع ان تصویروں کو ان حضرات سے نسبت ہی کیا تھی، وہ تو چند احمقوں نے اپنی طبیعت سے جیسے چاہا بنالیا تھا۔ مگر اتنی بات تو ضرور تھی کہ نام ان حضرات علیہم السلام کا وہاں آگیا تھا۔ جس کے لحاظ سے حضرت ﷺ نے ان کو اگر مٹایا بھی تو معطر زعفران سے، ورنہ مٹانے والی چیزوں کی وہاں کچھ کمی نہ تھی۔ سبحان اللہ کس قدر پاس ادب تھا کہ جہاں بزرگوں کا نام آگیا پھر وہ چیز کسی درجہ کی باطل ہی کیوں نہ ہو مگر اس کے ساتھ بھی خاص ایک قسم کی رعایت ادب ہی کی گئی۔ جب خود آنحضرت ﷺ جن کا رتبہ حق تعالیٰ کے نزدیک ابراہیم علیہ السلام اور تمام انبیاء (علیہم السلام) سے بڑھا ہوا ہے

ایسی بے اصل چیز کے ساتھ بلحاظ نام رعایت ادب کریں تو ہم آخری زمانہ کے مسلمانوں کو کس درجہ کا ادب ان آثار کے ساتھ کرنا چاہیے جن کا بطور واقعی آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب ہونا لاکھوں مسلمانوں کے عقیدوں سے ثابت ہے۔ اگر ہم نے فرض کیا کہ واقع میں وہ چیزیں منسوب بھی نہیں، مگر آخر نام تو آ گیا' اس کا لحاظ بھی ضرور ہے جیسا کہ اس حدیث سے ابھی ثابت ہوا۔ طرفہ یہ ہے کہ اس عقیدہ والوں کو الٹا مشرک بناتے ہیں کہ اگر سلسلہ اس کلام کا بڑھایا جاوے تو ظاہر ہے کہ انتہا اس کی کہاں ہو گی ۔۔ الخ (انوار احمدی)

اللہ کی کبریائی کا اعلان: کعبہ شریف کے اندر سجدہ شکر ادا کر کے حضور ﷺ دروازہ شریف کے پاس تشریف لائے اور ان پیارے دلنواز لفظوں میں اپنے سچے رب کی عظمتِ شان کا اظہار فرمایا

لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ وَحْـدَهٗ لَا شَـرِيْكَ لَهٗ صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَ نَصَرَ عَبْدَهٗ وَ هَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ [1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خدا نہیں۔ وہ واحد و یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر دیا' اپنے بندے کی مدد فرمائی اور تنہا دشمن کے لشکروں کو شکست دی

عفو عام کا اعلان: پھر دین حق کے دیرینہ دشمنوں اور کبر و رعونت کے مجسموں سے پوچھا' اے قریش! تمہیں مجھ سے کس سلوک کی توقع ہے تو سب نے کہا ظَنًّا خَيْرًا (ہم خیر کی امید لگائے ہوئے ہیں)

---

[1] حضور پرنور ﷺ نے بدترین دشمنوں کو بھی امان دی اور خطبے کا آغاز ان الفاظ سے کیا۔ کتنی جرات تھی عبدالعزیز ابن سعود (موجودہ نجدی حکومت کے بانی) کی کہ طائف اور مکہ معظمہ میں قتل عام سے فارغ ہو کر اس نے بھی یہی الفاظ کہے۔ اور اس کے بعد مدینہ منورہ میں مسلمانوں کے قتل عام کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مزارات اور بعض مساجد کو شہید بھی کیا۔ سچ فرمایا تھا اللہ کے حبیب ﷺ نے یقتلون اھل الاسلام ویذرون اھل الاوثان، یعنی وہ مسلمانوں کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے۔

نَبِیٌّ کَرِیْمٌ وَّاَخٌ کَرِیْمٌ وَّ ابْنُ اَخٍ کَرِیْمٍ وَ قَدْ قَدَرْتَ

ترجمہ: آپ نبی کریم ہیں برادر کریم ہیں اور برادر کریم کے فرزند (کریم) ہیں اور آپ بااختیار ہیں۔

اس کا جواب لاجواب ساری کائنات کے لئے رحمت بن کر تشریف لانے والے نے یوں دیا۔

اَقُوْلُ کَمَا قَالَ اَخِیْ یُوْسُفُ لَاتَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ یَغْفِرُ اللّٰهُ لَکُمْ وَ هُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ اِذْ هَبُوْا وَ اَنْتُمُ الطُّلَقَاء

ترجمہ: میں وہی بات کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی کہ آج میری طرف سے تم پر کوئی گرفت نہیں' اللہ تعالیٰ تمھیں بخشے اور وہ سب سے بڑا رحیم ہے۔ جاؤ، تم آزاد ہو۔

اگر کوئی ٹھنڈے دل سے غور کرے تو کہاں حضرت یوسف علیہ السلام جن کی اذیت نہایت ہی مختصر سے عرصے کے لئے تھی اور کہاں حضور سرور کائنات حضور خاتم الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو دی جانے والی اذیت، نسبت ہی نہیں مگر قربان جائیں لاج رکھنے والے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کہ یوسف علیہ السلام کی فراخی ہمت کا ذکر بھی ضروری سمجھا۔

یوں تو اس مضمون میں 'ضیاء النبی' سے بہت مدد لی گئی ہے، تاہم یہاں اس کتاب مستطاب کا ایک ایمان افروز اقتباس من وعن درج کیا جاتا ہے۔ ضیاء الامت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

"اس سوال کے جواب میں وہ (یعنی شام کے ایک فاضل محترم شوقی خلیل) رقمطراز ہیں:
یہ مژدہ ان بدزبان لوگوں کو سنایا گیا جنھوں نے سرور عالم ﷺ کو شاعر اور کذاب کہا تھا جنہوں نے حضور ﷺ کو ساحر اور مجنوں کہا تھا۔
جن سنگدلوں نے شعب ابی طالب میں حضور ﷺ کو تین سال تک محصور رکھا تھا

جنہوں نے مہاجرین حبشہ کو وہاں سے واپس مکہ لانے کی کوشش کی تھی تا کہ وہ ان پر ظلم وستم کا سلسلہ جاری رکھ سکیں جنھوں نے حضور (ﷺ) کو جبراً مکہ سے جلا وطن کیا تھا اوران کے پیش نظر حضور (ﷺ) کو قتل کرنا تھا۔

جنہوں نے مسلمانوں کی متروکہ املاک اور جائیدادوں پر غاصبانہ قبضہ کرلیا تھا جن سفاکوں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔ان کے کان، ناک کاٹے،ان کے سینہ کو چاک کر کے آپ کے جسم مبارک کو بدنما بنانے کی ناپاک سعی کی تھی

جنھوں نے مدینہ کی ایک چھوٹی سی بستی پر دس ہزار کے لشکر جرار سے حملہ کیا تھا تا کہ وہ صفحہ ہستی سے مسلمانوں کا نام ونشان مٹادیں۔

یہ مژدہ ان لوگوں کو سنایا گیا تھا کہ حضور (ﷺ) جب عمرہ کرنے کے لئے تشریف لائے ،انھوں نے حضور (ﷺ) کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا اور پھر اپنی من مانی شرائط پر صلح کا معاہدہ طے کرایا

جنھوں نے بنی بکر قبیلہ کو حضور (ﷺ) کے حلیف قبیلہ بنو خزاعہ پر حملہ کرنے کے لئے بھڑ کایا اور حدود حرم میں بھی ان کا قتل جاری رکھا

حضور (ﷺ) نے ایسے نا ہنجار لوگوں کو اس وقت یہ مژدہ سنایا تھا جب حضور (ﷺ) کو مکمل فتح حاصل ہو چکی تھی اور مکہ کی فضاؤں میں اسلام کا علم لہرا رہا تھا۔

پھر غزوہ ہوازن میں بے انداز مال غنیمت حاصل ہوئے تھے،وہ سب مکہ کے ان نو مسلموں میں تقسیم فرمادیئے تا کہ ان کے دلوں میں بھی اسلام اور پیغمبر اسلام (ﷺ) کے بارے میں حسد وعناد کے جذبات کا خاتمہ کر دیا جائے اوران کی روحیں اوران کے دل اسلام اور پیغمبر اسلام کی محبت سے سرشار ہو جائیں

عفوو در گزر، جود و کرم کا جو بے مثال مظاہرہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا' انسانی تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔اس کی بلندی،اس کی پاکیزگی اور اس کی عظمت' عدیم المثال ہے۔کسی بادشاہ نے کسی سیاسی راہنما نے،کسی فوجی جرنیل نے اس قسم کے کریمانہ

اخلاق کا کبھی بھی مظاہرہ نہیں کیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ کے بھیجے ہوئے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے بغیر اور کسی کے بس میں ہی نہیں کہ ان حالات میں ایسی عالی ظرفی کا مظاہرہ کر سکے۔ وہ نبی مرسل؛ جس کی رحمت، اللہ کی رحمت، جس کی حکمت اللہ کی حکمت اور جس کا عفوو درگزر اللہ تعالیٰ کی شان عفوودرگزر کا آئینہ دار ہے" (ضیاء النبی۔ ج ۴)

ایک انگریز مستشرق سٹینلے لین پول یوں خراج عقیدت پیش کرتا ہے۔

The day of Mohammads greatest triamph over his enemies was also the day of his greatest victory over himself. He frealy for gave the Koraysh all amnesty to the whole population of Mekka four criminals whom justice condemned made up Mohammad's)prosiription list when he entered as a conqueror to the city of his bitterest enemies.The army followed his example and enterd quielty and peacefully ; no house was robbed, no women insulted........It was thus Mohammad(May peace be upon Him) entered again his native city. Through all the annals of the conquest there is no triuphant entry comparable to this one (Islam the religion of all prophets)

ترجمہ: محمد (ﷺ) کی اپنے دشمنوں پر عظیم ترین فتح کا وہی دن تھا جو ان کا

اپنے آپ پر عظیم ترین فتح کا دن تھا۔ انھوں نے قریش مکہ کو بلکہ مکہ کی ساری آبادی کو بہترین عفو سے نوازا۔ جب وہ اپنے بدترین دشمنوں کے شہر میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے تو صرف چار مجرموں پر فرد جرم لگی۔ فوج نے بھی آپ کی مثال پر عمل کیا اور خاموشی و امن سے یہاں داخل ہوئی۔ کوئی گھر لوٹا نہیں گیا۔ کسی عورت کی توہین نہیں کی گئی۔ پوری تاریخ میں ایسے فاتحانہ داخلے کی مثال نہیں ملتی۔

عفو عام کے اعلان سے قبل آپ نے پندرہ اشخاص کو مباح الدم قرار دے دیا تھا (یعنی انہیں جہاں بھی پایا جائے، قتل کر دیا جائے) مگر ان میں سے بھی اکثر امان و عفو سے سرفراز ہو گئے اور ان کی شقاوت پر رحمت العلمین ﷺ کی رحمت غالب آ گئی

اسی رحمت کا ایک جلوہ خاص اور بھی ملاحظہ کیجئے اور قلب و ایمان کو منور کیجئے۔ وہ واقعہ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کی طرف جاتے ہوئے پیش آیا۔ ہوا یہ کہ حضور پرنور ﷺ نے عرج اور طلوب کے درمیان ایک کتیا دیکھی جس نے ابھی چند بچے جنے تھے اور وہ اپنی ماں کا دودھ پی رہے تھے۔ اس خیال سے کہ فوج کا کوئی سپاہی انھیں اذیت نہ پہنچائے، حضور ﷺ نے اپنے ایک صحابی جمیل بن سراقہ رضی اللہ عنہ کی ڈیوٹی لگائی کہ وہ اس کتیا اور اس کے بچوں کی حفاظت کے لئے اس کے پاس کھڑا رہے تاکہ کوئی لشکری انھیں اذیت نہ پہنچائے

کونین بنائے گئے سرکار کی خاطر ﷺ
کونین کی خاطر تمہیں سرکار بنایا ﷺ

علم غیب کے چند شرک توڑ جلوے:

(ا) پہلے ہی دن ظہر کا وقت آیا تو حضور پرنور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو کعبے کی چھت پر چڑھ کر اذان دینے کا حکم دیا۔ اس وقت ابوسفیان، عتاب بن اسید اور حارث بن ہشام حرم شریف کے صحن میں بیٹھے تھے۔ اذان سن کر عتبہ نے سخت غصے کے

عالم میں کہا، شکر ہے اللہ تعالیٰ نے میرے باپ اسید کو موت دے دی ورنہ آج اذان سے اسے سخت تکلیف ہوتی۔ کیا محمد (ﷺ) کو اس کالے کوے کے بغیر اور کوئی موذن نہ ملا۔ حارث نے کہا اگر میں انھیں حق پر جانتا تو پیروی کرتا۔ ابوسفیان بولا، میں تو کچھ نہیں کہتا اگر کوئی بات کہوں گا تو کنکریاں حضور (ﷺ) سے عرض کر دیں گی۔ اتنے میں حضور ﷺ بھی تشریف لے آئے اور فرمایا تمہاری باتیں مرے علم میں ہیں، اے عتاب تو نے یہ کہا، اے حارث تو نے یہ کہا' ابوسفیان یارسول اللہ! میں نے کچھ نہیں کہا۔ حضور ﷺ ہنس دیے۔ حارث اور عتاب اسی علم غیب سے متاثر ہوکر سچے دل سے مسلمان ہو گئے۔

اس واقعے میں حسین ترین پہلو حضور پرنور ﷺ کا غلاموں سے حسن سلوک اور طبقاتی امتیازات کی نفی ہے۔ بالیقین انسانیت کے مظلوم ترین طبقوں پر جو رحمت حضور رحمت عالم ﷺ نے فرمائی۔ اس کی مثال نہیں ہو سکتی۔ ہاں ہاں جو آقا بے زباں جانوروں کی تکلیف سے بے چین ہو جاتا ہے' انسان کی مصیبت کو کیونکر برداشت کر سکتا ہے۔ (کاش حضور ﷺ کی امت بھی رحمت عالم ﷺ کی رحمت کی مظہر بھی ہوتی۔

۲۔ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے عثمان بن طلحہ کعبے کے کلید بردار نے حضور پرنور ﷺ کی دعوت اسلام کو بھی قبول نہ کیا بلکہ ایک دن اللہ کا محبوب ﷺ دوسرے لوگوں کے ساتھ کعبے میں داخل ہونے لگا تو اس نے بڑی بدتمیزی کا مظاہرہ بھی کیا۔ جان حلم و علم ﷺ نے حسب معمول بردباری سے کام لیا اور فرمایا

يَا عُثْمَانُ لَعَلَّكَ سَتَرٰى هٰذَا الْمِفْتَاحَ يَوْمًا بِيَدِيْ اَضَعُهٗ حَيْثُ شِئْتُ

ترجمہ: اے عثمان! یاد رکھو ایک دن تم اس چابی کو میرے ہاتھ میں دیکھو گے اور میں جسے چاہوں گا، عطا کروں گا۔

مکہ فتح ہوا تو حضور ﷺ نے انھیں کلید پیش کرنے کا حکم دیا۔ وہ حاضر کردی۔ حضور ﷺ نے عثمان کو اوپر کا واقعہ یاد دلایا عرض کی یارسول اللہ! بیشک آپ

نے ایسا ہی فرمایا تھا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ حضور ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ جل مجدہ کے مختارِ کل حبیب ﷺ نے وہ چابی مجھے عطا فرمائی اور ساتھ ہی ارشاد عالی ہوا۔

خُذُوْهَا خَالِدَةً تَالِدَةً لَا يَنْزَعُهَا مِنْكُمْ اِلَّا ظَالِمٌ

ترجمہ: لو اسے، میں تمہیں ہمیشہ کے لئے دے رہا ہوں، جو اسے چھینے گا ظالم ہوگا)

فرزندانِ ملت ازراہ کرم اس واقعے پر خوب غور کریں اور سوچ کر بتائیں کہ حضور ﷺ کیا چاہتے ہیں ان کا علم غیب مانا جائے یا اس کا معاذ اللہ انکار کیا جائے۔ جس علم کا اقرار حضور پرنور ﷺ اس اہتمام سے کرا رہے ہیں کہ خود ایک سابقہ واقعے کی یاد دلا رہے ہیں اور اس وقت یقیناً یہ علم غیب ہی تھا۔ ایک اور بھی ایسا عجیب واقعہ سن لیجئے۔

۳۔ عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابی جہل فتح مکہ کے دنوں میں مسلمان ہوئے۔ اس سے بہت پہلے کا واقعہ ہے انہوں نے ایک مجاہد کو دعوتِ مبارزت دی اور اسے قتل کر دیا۔ اس پر حضور ﷺ ہنس پڑے تو مقتول انصاری کے لواحقین قتل کے موقع پر اس مبارک ہنسی سے حیران ہو گئے۔ ان کے پوچھنے پر ارشاد ہوا

اَضْحَكَنِىْ اَنَّهُمَا فِىْ دَرَجَةٍ وَّاحِدَةٍ فِى الْجَنَّةِ

ترجمہ: میں اس لئے ہنس رہا ہوں کہ جنت میں قاتل و مقتول ایک ہی درجے میں ہوں گے۔

گویا اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی جانتے ہیں کہ عکرمہ مسلمان ہو گا۔ یہ بھی معلوم ہے دونوں جنت میں جائیں گے اور اس کے ایک ہی درجے میں ہوں گے۔ یہ ہیں وہ دانائے غیوب ﷺ جن کے علم کے خلاف طوفانِ انکار اٹھانے کی ناپاک مساعی کی جا رہی ہیں۔

۴۔ شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ فتح مکہ کے دن بھی ایمان نہ لایا اور ارادہ یہ تھا کہ ساری دنیا اسلام قبول کر لے تو بھی نہیں کروں گا۔ لشکرِ اسلام حنین کی طرف روانہ ہوا تو یہ حضور ﷺ پر حملہ کرنے کا موقع ڈھونڈنے کے لئے ساتھ ہو لیا۔ دونوں فریق گتھم گتھا

ہو گئے اور حضور انور ﷺ سواری سے نیچے اتر گئے۔ یہ معاذ اللہ حضور پرنور ﷺ پر حملہ کیا ہی چاہتا تھا کہ آگ کا شعلہ بجلی کی تیزی سے اس کی طرف لپکا۔ شیبہ خوف سے کانپنے لگا اور آنکھوں کو نقصان سے بچانے کے لئے ان پر ہاتھ رکھ لیا۔ سراپا رحمت آقا ﷺ نے فرمایا یا شیبہ ادن منی ۔ اے شیبہ میرے نزدیک آ۔ قریب آیا تو حضور پرنور ﷺ نے دستِ مبارک اس کے سینے پر رکھ کر دعا کی

اَللّٰھُمَّ اَعِذْہُ مِنَ الشَّیْطَانِ

(الٰہی شیبہ کو شیطان سے بچالے)

اس کا اثر شیبہ کی زبانی سنئے

فَوَ اللّٰہ لَھُوَ فِی السَّاعَۃِ صَارَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ سَمْعِیْ وَ بَصَرِیْ وَ اَذْھَبَ اللّٰہُ مَا کَانَ فِیَّ

ترجمہ: سو اللہ کی قسم! حضور ﷺ اسی وقت میرے کانوں اور آنکھوں سے بھی مجھے زیادہ پیارے ہو گئے اور جو کفر میرے اندر تھا، اللہ تعالیٰ نے اسے نکال دیا۔

۵۔ فضالہ بن عمیر کے اسلام لانے کا واقعہ بھی اس سے ملتا جلتا ہے۔ اس نے حرم شریف میں آکر دیکھا کہ حضور پرنور ﷺ طواف میں ہیں۔ سوچا اسی دوران خنجر سے حملہ کر دوں۔ قریب آیا تو ہادی اعظم ﷺ نے فرمایا افضالۃ (کیا تم فضالہ ہو)، عرض کی حضور فضالہ ہوں۔ فرمایا مَاذَا کُنْتَ تَحَدِّثُ بِہٖ نَفْسِکَ (تم اپنے جی میں کیا گفتگو کر رہے تھے) حضور ﷺ ہنس دیے اور فرمایا اِسْتَغْفِرِ اللّٰہَ (فضالہ اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگ) پھر دست مبارک اس کے سینے پر رکھا، فضالہ کی دنیا یکدم بدل گئی اور بقول اس کے حضور ﷺ سارے جہاں سے محبوب ہو گئے۔ اب وہ سچے دل سے دست حق پرست پر بیعت ہو کر مسلمان ہو گیا۔

۶۔ فتح مکہ کے ایام میں ابو سفیان نے دیکھا کہ حضور پرنور ﷺ تشریف لے جا رہے

ہیں اور غلاموں کا جم غفیر پیچھے پیچھے ہے۔ یہ منظر دیکھ کر ابوسفیان نے دل ہی دل میں کہا' کاش میں اپنے لوگوں کا لشکر اکٹھا کروں اور ان سے پھر لڑائی کا سلسلہ چھیڑ دوں۔ رحمت عالم ﷺ نے اس کے پاس پہنچ کر اس کے سینے پر دست مبارک سے ضرب لگائی اور فرمایا اِذًا یُخْزِیْکَ اللّٰہُ (اگر تم ایسا کرو گے تو اللہ تمہیں ذلیل ورسوا کرے گا) ابو سفیان بولا

"یارسول اللہ میں توبہ کرتا ہوں' اور جو بکواس دل ہی دل میں کی ہے' اس سے استغفار کرتا ہوں۔ یہ بات تو میں نے صرف اپنے دل میں کہی تھی۔ یعنی اگر ایسی باتوں پر بھی آپ آگاہ ہو جاتے ہیں تو اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ آپ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں"

۶۔ بیہقی ابن عساکر اور ابو نعیم نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت کی جس رات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور وہ رات فتح مکہ کی رات تھی تو صبح تک سب تکبیر و تہلیل اور طواف بیت اللہ میں مصروف رہے تو ابوسفیان ہندہ سے کہنے لگے کہ دیکھ رہی ہو۔ یہ چیز من جانب اللہ ہے، پھر صبح کو ابوسفیان رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تم نے ہندہ سے کہا تھا' کیا تم دیکھ رہی ہو۔ یہ امر منجانب اللہ ہے'۔ سو جی ہاں یہ امر منجانب اللہ ہے۔ ابوسفیان بولے کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ بخدا میری یہ بات اللہ تعالیٰ اور ہندہ کے سوا کسی نے نہیں سنی۔ (الخصائص الکبریٰ)

۷۔ عقیلی اور ابن عساکر نے وہب بن منبہ سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کی کہ رسول اکرم ﷺ ابوسفیان سے بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے ملے اور فرمایا تمہارے اور ہندہ کے درمیان ایسی ایسی باتیں ہوئی ہیں۔ ابوسفیان نے اپنے جی میں کہا' ہندہ نے میرا راز فاش کر دیا۔ میں اس کے ساتھ ایسا ایسا کروں گا۔

جب رسول اکرم ﷺ طواف سے فارغ ہوئے تو ابوسفیان سے فرمایا 'ابوسفیان ہندہ سے اس قسم کی گفتگو مت کرنا کیونکہ ہندہ نے تمہارا راز فاش نہیں کیا'۔ ابوسفیان بولے میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں (الخصائص الکبریٰ)

یہ صرف چند واقعات یہاں درج کئے گئے ہیں اور وہ بھی فتح مکہ کے ایام کے اگر عقیدت و ایمان سے مزید سیرت طیبہ کا مطالعہ کیا جائے تو بے شمار ایسے واقعات مل سکتے ہیں، جن سے علم غیب ثابت ہوتا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان لانے کا سبب بنے ہیں۔

شیطان کی مایوسی: ابویعلیٰ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں جب حضور نبی کریم ﷺ نے مکہ فتح کیا، ابلیس نے چیخ ماری تو ساری اولاد اکٹھی ہوگئی

فَقَالَ اِیَا سُوْ اَنْ تَرُدُّوْ اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ (ﷺ) اِلَی الشِّرْکَ بَعْدَ یَوْمِکُمْ ھٰذَا

ترجمہ: اب مایوس ہو جاؤ کہ محمد (ﷺ) کی امت کو آج کے بعد شرک کی طرف لوٹا سکو گے۔

ہاں شیطان تو محبوب اکرم ہادی اعظم ﷺ کی امت سے مایوس ہوگیا ،البتہ بعض شیطان زادوں کو پھر بھی امت کے مشرک ہونے کا وہم ہے۔ ان کو پتا ہی نہیں کہ یہ عام امتوں کی طرح نہیں بلکہ خیر الوریٰ (علیہ التحیۃ والثناء کی خیر امت ہے اور اس کا والی ﷺ رات دن اس کی بخشش کی دعا کرتا رہا اور کرتا ہے، اس کا محافظ بھی ہے۔ مشرک کی بخشش کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، لہذا اس امت کے افراد زود یا بدیر سب کے سب بخشے جائیں گے

اب آیئے حضور ہادیٔ اعظم ﷺ کا ارشاد سنئے۔ حضور الصادق الامین علیہ الصلوۃ والسلام بقسم فرماتے ہیں۔ (صرف آخری جملہ)

وَاِنِّیْ وَ اللّٰہِ مَا اَخَافُ عَلَیْکُمْ اَنْ تُشْرِکُوْ ابَعْدِیْ وَلٰکِنْ

اَخَافُ عَلَیۡکُمۡ اَنۡ تَنَا فَسُوۡ ا فِیۡهَا (بخاری شریف)

ترجمہ: اور واللہ مجھے یہ اندیشہ نہیں کہ تم لوگ میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے لیکن مجھے یہ اندیشہ ہے کہ ان خزانوں کو دوسروں سے زیادہ حاصل کرنے کی خواہش کرو گے۔

سیرت طیبہ کا از حد حسین پہلو: یہ ہے حضور پر نور ﷺ کی تواضع کا لاجواب انداز پہلے ذرا تصور فرمایئے دنیا کا کوئی بادشاہ کسی علاقے کو فتح کرنے کے بعد اس میں داخل ہوتا تو اس کے کروفر، تزک واحتشام ہیبت وسطوت اور غرور ونخوت کا کیا عالم ہوتا؟ مگر حضور ﷺ دین کے بادشاہ ہیں۔نہیں ارض وسماء کے کشور کشا ہیں،نہیں کائنات کے سلطان اعظم ہیں ﷺ اس وقت فتح وکامرانی کی بارات کے اس دولھا نے گردن جھکائی ہوئی تھی۔ پیکر وعجز ونیاز بنے اپنے رب کریم کی حمد وثنا میں مصروف تھے۔جبین سعادت کجاوے کی سامنے والی لکڑی کو چھو رہی تھی۔حضور کے دائیں طرف ابوبکر صدیق، بائیں طرف اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما۔حضور ﷺ نے اپنے پیچھے اپنے غلام زید بن حارثہ کے بیٹے اسامہ کو بٹھایا ہوا تھا" (رضی اللہ عنہما) ﴿ضیاء النبی چہارم﴾

حق یہ ہے کہ نبوت کی پہچان بھی اس قسم کے واقعات سے مزید یقینی ہو جاتی ہے اور سیرت مقدسہ اس قسم کے واقعات سے معمور ہے۔یاد رہے تواضع کے مقابلے میں کبر ونخوت ہے جو اللہ کو از حد ناپسند ہے اور بندے کی بے بصری اور کم بختی کا شاید کفر و شرک کے بعد کا سب سے بڑا ذریعہ ہے بلکہ بعض اوقات خود کفر وشرک کا سبب بھی یہی ہوتا ہے۔اسی طرح تواضع عرفان کے راستے کھولتی ہے۔جو جتنا متواضع ہوگا، اتنا ہی عارف ہوگا، یا یوں بھی کہہ سکتے ہیں جو جتنا عارف ہوگا، اتنا ہی متواضع ہوگا۔کائنات میں اللہ کے سب سے بڑے عارف وعابد حضور پر نور ﷺ ہی ہیں۔

اس لئے کائنات میں سب سے زیادہ متواضع اور غرور وتکبر سے پاک حضور پر نور ﷺ ہی ہیں۔ایسا کیوں نہ ہوتا، اللہ کے نور خود اس سید المعصر مین ﷺ کی

تربیت فرمائی ہے۔

ایک جگہ فرماتے ہیں۔

اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَادِیْبِیْ (الجامع الصغیر)

ترجمہ: مجھے میرے رب نے ادب سکھایا سو مجھے خوب ادب سکھایا۔

اسی حسن ادب کی تربیت کا ایک سبق تھا

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ

ترجمہ: تم فرماؤ ظاہری صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہی فرمایا ہے کہ اللہ ان الفاظ میں اپنے محبوب کریم وعلیم وعظیم وحلیم علیہ الصلوۃ والتسلیم کو تواضع سکھا رہا ہے۔

عَلَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَزَّ وَجَلَّ رَسُوْلَہُ التَّوَاضُعَ (ضیاء القرآن بحوالہ تفسیر مظہری)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے (یہاں) اپنے رسول (ﷺ) کو تواضع سکھائی ہے۔

فتح مکہ کا دن ایک عید کا دن ہی نہیں تھا بلکہ حضور پر نور سیدنا و مولانا رحمۃ للعلمین ﷺ کی سیرت منورہ کے بے شمار حیرت انگیز اور دل افروز جلووں کے اوج کمال کا دن بھی تھا۔ عفو و رحمت کا ظہور بھی پوری آب و تاب سے ہوا اور عرش معلیٰ کی رفعتوں سے آگے نکل جانے والی تواضع نے بھی انسانیت کو شاد کر دیا۔ اب یہاں صرف ایک اور واقعہ سن لیجئے۔

'ابو مسعود سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن رسول اکرم ﷺ سے ایک شخص گفتگو کرتے ہوئے کانپ رہا تھا۔ ارشاد ہوا 'اپنے اوپر آسانی آسانی کرو۔ میں بھی ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو بھونا ہوا گوشت کھایا کرتی تھی۔ بیہقی کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں "میں بادشاہ نہیں ہوں" (فَاِنِّیْ لَسْتُ بِمَلِکٍ) الخصائص الکبری (اول)

کعبہ مکرمہ کی تطہیر و تعظیم: کعبے کے تین سو ساٹھ بتوں کا اپنے انجام کو پہنچنے کا ذکر آپ مطالعہ کر چکے۔ ہاں اس سلسلے میں ایک قابل ذکر چیز یہ ہے کہ قریش کا مخصوص

کعبے کی چھت پر تھا۔ اس کو گرانے کا قصہ بھی ملاحظہ ہو۔

حاکم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور پرنور ﷺ مجھے لے کر روانہ ہوئے۔ یہاں تک کہ کعبہ آ گیا۔ سو مجھے فرمایا بیٹھ جاؤ! میں کعبے کی ایک جانب بیٹھ گیا تو حضور ﷺ میرے شانوں پر سوار ہو کر فرمانے لگے اٹھو۔ جب حضور پرنور ﷺ نے اپنے نیچے محسوس فرمائی تو فرمایا بیٹھ جاؤ۔ میں بیٹھ گیا۔ ارشاد ہوا علی تم میرے شانوں پر چڑھو۔ میں نے تعمیل کی۔ تو حضور ﷺ مجھے لے کر کھڑے ہو گئے۔ مجھے اس وقت یوں محسوس ہو رہا تھا کہ اگر چاہوں تو آسمان تک پکڑ لوں (لو شئت نلت افق السماء) میں کعبہ کے اوپر چڑھا اور رسول اکرم ﷺ وہاں سے ہٹ گئے۔ نیز فرمایا ان کا یعنی قریش کا سب سے بڑا بت گرا دو۔ وہ بت تانبے کا تھا' لوہے کی میخوں سے گڑھا ہوا تھا اور اس کی میخیں زمین تک گڑی ہوئی تھیں۔ حضور ﷺ مجھ سے فرما رہے تھے کہ اس کے گرانے کی تدبیر کرو گویا یہ کہو

(وَقُلْ) جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝

ترجمہ: (اور فرماؤ) حق آیا اور باطل مٹ گیا۔ بیشک باطل کو مٹنا ہی تھا

چنانچہ میں تدبیر کرتا رہا حتیٰ کہ اس پر قابو پا لیا، اس کو گرا دیا اور وہ ٹوٹ گیا۔ (الخصائص الکبریٰ بحوالہ حاکم)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا' یہ فتح کا دن ہے' اسی کا میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا پھر آپ سورۃ النصر یعنی اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ (جب اللہ کی فتح اور مدد آئے) (النصر۔ا) کی تلاوت فرمائی۔

حضور پرنور ﷺ نے کعبہ مقدسہ کو بتوں ہی سے پاک نہ کیا بلکہ پورے حرم کے احترام کو چار چاند لگا دیئے۔ بعض لوگ شاید یہ سمجھتے تھے کہ کفار و مشرکین کے قتل عام کے ساتھ ساتھ خانہ کعبہ کی توہین بھی عمل میں آئے گی مگر ایسا نہ ہونا تھا، نہ ہوا۔ مکہ معظمہ

کے اندر چلتے ہوئے جب حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا

ترجمہ: آج قتل وغارت کا دن ہے۔ آج حرم میں خونریزی کی جائے گی، آج اللہ قریش کو ذلیل کرے گا۔

ابوسفیان نے اس کی شکایت کی تو اللہ کے حبیب اکرم کائنات کے محسن اعظم ﷺ نے فرمایا

"اے ابوسفیان سعد نے غلط کہا

اَلْیَوْمُ یَوْمُ الْمَرْحَمَةِ اَلْیَوْمُ یَوْمٌ یُعَظِّمُ اللّٰہُ فِیْہِ الْکَعْبَةَ، اَلْیَوْمُ یَوْمٌ تُکْسٰی فِیْہِ الْکَعْبَةُ اَلْیَوْمُ یَوْمٌ اَعَزَّ اللّٰہُ فِیْہِ قُرَیْشًا (آج رحمت کا دن ہے۔ آج وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ کعبہ کی عظمت کو ظاہر کرے گا، آج وہ دن ہے کہ کعبہ کو غلاف پہنایا جائے گا، آج وہ دن ہے جس میں اللہ قریش کو مخصوص عزت عطا فرمائے گا۔

حضرت ابوشریح عدوی سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ فتح مکہ کے دن کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا' اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کو حرمت والا بنایا ہے، انسانوں نے اسے محترم نہیں بنایا۔ لہذا جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ مکہ معظمہ میں خونریزی کرے یا یہاں کا درخت کاٹے۔ اگر کوئی شخص اللہ کے رسول کی جنگ کی بنا پر یہاں قتال کو جائز سمجھتا ہو تو اس سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اجازت دی تھی اور تمہیں اجازت نہیں دی اور مجھے بھی یہاں دن کی ایک ساعت کے لئے اجازت دی تھی اور آج مکہ مکرمہ کی حرمت ویسی ہی ہوگئی جیسی کہ کل تھی (بخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ سے اصحاب فیل کو روک دیا اور اپنے

رسول اور مومنین کو اس پر مسلط فرمایا۔ خبردار! مکہ مکرمہ مجھ سے پہلے کسی کیلئے حلال نہیں تھا اور نہ اب میرے بعد کسی کے لئے حلال ہے۔ میرے لئے بھی دن میں صرف ایک ساعت کے لئے حلال ہوا ہے (بخاری و مسلم)

غور کیجئے: حضور پرنور ﷺ کا مکہ معظمہ میں کامیاب ہونا آپ کی نبوت اور اسلام کی سچائی کا بین ثبوت ہے کیونکہ لوگوں کو معلوم تھا کہ چند سال پہلے ابرہہ والئی یمن نے اس پر چڑھائی کی تھی اور وہ کس عذاب سے دوچار ہو کے پسپا ہوا تھا۔ اگر مدنی لشکر بھی معاذ اللہ حق پر نہ ہوتا تو وہ بھی معاذ اللہ قہر خداوندی کی زد میں آجاتا۔

یہاں یہ حرم تھا، یہاں رب ذوالجلال کا گھر تھا، اس کی حرمت کا تقاضا یہ تھا کہ اس شہر میں خصوصیت کے ساتھ ظلم وطغیان اور فسق وعدوان پر پابندی لگادی جائے۔ فتح مکہ کے بعد دس دن میں دس ہزار قریشیوں نے اسلام قبول کیا۔ اسلام قبول کرنے والا سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہم کے سامنے سے گزرتا اور کلمہ شہادت کے ساتھ بدکاری سے توبہ کا اعلان بھی کرتا تھا۔ میخواری اور جوئے بازی کا عام رواج تھا، انھیں بھی ہمیشہ کے لئے ختم کردیا گیا۔ حضور پرنور ﷺ یہاں پندرہ روز تک جلوہ فرمارہے۔ ان دنوں مکہ کے تقریباً باشندے حضور ﷺ کی امت میں شامل ہوگئے۔ اس سارے پس منظر کو سامنے رکھئے اور پھر سیدنا حضرت ابراہیم اور سیدنا حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی اس دعا پر غور کیجئے۔ جو انھوں نے تعمیر کعبہ کے وقت کی تھی یہ دعا ان کی تمام دعاؤں کا نچوڑ تھی

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ○ (البقرہ۔ ۱۲۹)

ترجمہ: اے رب ہمارے، اور بھیج ان میں ایک رسول انھیں میں سے کہ ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے اور انھیں کتاب اور پختہ علم سکھائے اور انھیں خوب ستھرا فرمائے، بیشک تو ہی ہے غالب حکمت والا۔

سراپا رحمت سپہ سالار ﷺ: دنیا میں ایسے سپہ سالار تو عام تھے اور تھے، جن کا منشا یہ رہا ہے کہ دشمن کا جانی و مالی نقصان زیادہ سے زیادہ ہو، مگر اپنا نہ ہو یا کم سے کم ہو۔ ایک یہ حبیب کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم ہیں جن کی خواہش ہمیشہ یہ رہی کہ اپنا ہی نہیں، دشمن کا نقصان بھی نہ ہو۔ کیوں نہ ہو یہ اپنوں بیگانوں سب کے لئے رحمت ہیں اور اللہ ان کو سراپا رحمت بنانے والا ان کے جذبہ کرم کو سب سے زیادہ جانتا ہے، اسی لئے اس نے فرمایا

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ (الانفال۔۳۳)

ترجمہ: اور اللہ کا کام نہیں کہ ان پر عذاب کرے جب تک اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو۔

یہاں بھی قدم قدم پر یہی رحمت جلوہ فرما ہے۔ مدینہ منورہ سے چلتے ہیں تو دعا فرماتے ہیں۔

جس کا خلاصہ مطلب یہ کہ مکہ والوں کو اسلامی لشکر کی نقل و حرکت کی بھنک تک نہ پہنچے۔ راستوں کی ناقہ بندی کی جاتی ہے کہ اس سلسلے میں جاسوسی تک نہ ہو سکے۔ مکہ معظمہ پر اس زمانے میں حملہ کرنے کے لئے تین چار ہزار افراد کافی تھے مگر اس صورت میں اہل مکہ ضرور مقابلہ کرتے اور فریقین کا بہت نقصان ہوتا۔ اردگرد کے مسلمان قبائل کو بھی رمضان المبارک میں مدینہ منورہ حاضر ہونے کی تاکید کردی چنانچہ دس ہزار کا لشکر لے کر مکہ معظمہ کا رخ فرمایا۔ پھر مکہ معظمہ کے قریب پہنچ کر ہر خیمے کے سامنے اپنی اپنی آگ جلانے کی تاکید کردی گئی تاکہ قریش ہراساں ہو کر مقابلے کی بجائے چپ سادھ لیں۔ علاوہ ازیں حضرت عباس رضی اللہ عنہٗ کو تاکید کردی گئی تھی کہ ابوسفیان کو وادی کے کنارے پر کھڑا کردیں تاکہ اسلامی لشکر کی شان و شکوہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور کسی قسم کے مقابلے سے باز رہیں۔ پھر منزل مقصود پر پہنچنے کے لئے اسلامی لشکر کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے مختلف راستوں پر ڈالا تاکہ قریش حملہ نہ کرسکیں۔ سارا لشکر اسلام اکٹھا ہوتا تو تنگ راستے میں گزرتے دیر بھی

لگتی اور قریش بھی مسلمانوں کو مجتمع دیکھ کر ان پر حملہ کر سکتے تھے۔

اس سے پہلے مرالظہر ان پر حضور اکرم ﷺ نے وضو فرمایا تو ابوسفیان نے یہ منظر بھی دیکھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پانی کے قطرے جو جسم اطہر کو چھو کر نیچے گر رہے ہیں، لپک لپک کر اپنی ہتھیلیوں پر لے کر چہروں پر مل رہے ہیں۔ چنانچہ اس کو کہنا پڑا 'میں نے آج تک کسی بادشاہ کے خادموں کو اس کے ساتھ اس محبت وادب کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا، نہ کسی قیصر کو اور نہ کسی کسریٰ صبح کو اس نے نماز باجماعت کا منظر دیکھا، ایک ایک ادا میں سب پیروی کر رہے ہیں ابوسفیان حضرت عباس سے کہنے لگا، اطاعت کا ایسا حسین منظر میں نے کبھی نہیں دیکھا، اے ابوالفضل بخدا تیرے بھتیجے کی بادشاہت بہت بلند ہوگئی ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا، یہ بادشاہت نہیں، نبوت ہے۔

مختصر یہ کہ ادب وعشق کا یہ انداز بھی دشمن کو ہراساں کرنے کے لئے کافی تھا۔ آج بھی اسی کی ضرورت ہے اسی لئے حکیم الامت جواب شکوہ میں فرماتے ہیں۔

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمد ﷺ سے اجالا کر دے!

☆......☆......☆

قسط 64

غزوۂ حُنَین

قسط نمبر 64

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(غزوۂ حنین کے حوالے سے)

گذشتہ قسط میں آپ نے فتح مکہ میں رونما ہونے والے معجزات سے اپنے ایمان کی آنکھیں ٹھنڈی کیں۔اب غزوۂ حنین کمالات رسالت کی ایک مختصر سی جھلک سے فکر ونظر کی جلا کا سامان پیدا کیجئے۔ایسے ہی موقع پر حضرت حکیم الامت نے فرمایا

بشنا قاں حدیث خواجہ ﷺ بدر وحنین آور تصرف ہائے پنہانش بچشمم آشکار آمد!

پہلے اس غزوۂ حنین کا نہایت ہی اجمال واختصار سے ذکر سن لیجئے۔وادیٔ حنین مکہ معظمہ سے چودہ پندرہ میل کے فاصلے پر بنو ہوازن کا مسکن تھا۔فتح مکہ کو بہت سے قبائل اسلام کی حقانیت کی دلیل جان کر اس کے حلقہ بگوش ہو گئے مگر بنو ہوازن جنھیں اپنی قوت پر ایسا ناز تھا کہ اس سے پہلے بھی قریش سے لڑتے رہتے تھے حتیٰ کہ حرم اور حرمت والے مہینوں میں بھی جنگ سے باز نہیں آتے تھے،کفر وشرک کے دفاع کی تیاریاں کرنے لگے۔ان کے ساتھ طائف کے بنو ثقیف کا بھی یہی حال تھا۔فتح مکہ کے بعد اطراف واکناف کے بتخانے تہس نہس کئے گئے تو بنو ہوازن اور بھی مشتعل ہو گئے۔ ہوازن کے سردار مالک بن عوف اور ثقیف کے امیر کنانہ بن عبد یالیل نے صلاح

مشورے کر کے تیس ہزار کا لشکر جمع کر لیا۔ سپہ سالار اعلیٰ مالک بن عوف کے حکم کے مطابق لشکری اپنی بیویوں بچوں اور مال مویشی بھی ساتھ لے آئے۔ حضور پرنور ﷺ نے عبداللہ ابن ابی حدرد رضی اللہ عنہ کو کفار کی سرگرمیوں کا جائزہ لینے کیلئے بھیجا۔ انھوں نے چشم دید حالات کی رپورٹ پیش خدمت کی

حضور پرنور ﷺ دس ہزار انصار و مہاجرین اور دو ہزار طلقائے مکہ کو لے کر حنین کی طرف روانہ ہوئے (اس سفر میں امہات المومنین میں سے حضرت ام سلمیٰ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہن بھی شریک سفر تھیں) طلقائے مکہ میں اگرچہ مخلص حضرات بھی تھے مگر ایسے بھی تھے جو ابھی تک پوری طرح اسلام کی فتح سے خوش نہیں تھے اور بعض شیبہ بن عثمان جیسے لوگ بھی تھے جو موقع پا کر حضور پرنور ﷺ کو شہید کرنے کے پروگرام سے شامل لشکر ہوئے تھے۔ بعض مسلمانوں کی زبان سے جنگ سے پہلے یہ جملہ نکل گیا۔ لَنْ نَغْلِبَ الْيَوْمَ مِنْ قِلَّةٍ (یعنی آج ہم تعداد کی کمی کے باعث ناکام نہیں ہوں گے) حضور ﷺ کو سخت ناگوار گزرا۔ بعض نے مکہ و مدینہ کے بہادروں کی کثرت دیکھ کر کہا اَلْاٰنَ نُقَاتِلُ حِيْنَ اجْتَمَعْنَا (یعنی آج ہم جب اکٹھے ہو کر دشمن کا مقابلہ کریں گے تو لڑنے کا مزا آجائے گا) حضور ﷺ نے اسے بھی ناپسند فرمایا۔

چنانچہ گھاتوں میں چھپے ہوئے جنگجوؤں نے تیروں کی بارش کی تو لشکر اسلام کی اکثریت کے پاؤں اکھڑ گئے ظاہر ہے یہ طرزِ فکر اور نخوت و غرور کی سزا تھی۔ حضور ﷺ کی بے مثال استقامت سے لشکر دوبارہ اکٹھا ہوا اور اب کفر کے جیالے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ نکلے۔

غیب کی خبر: اب آیئے چند کمالات و تصرفات کا ذکر کر لیں

حضرت سہل بن حنظلیہ رضی اللہ عنہ نے جنگ سے ایک روز پہلے عرض کیا' یارسول اللہ! میں لشکر اسلام کے آگے آگے جا رہا تھا، جب میں فلاں پہاڑ پر چڑھا تو دیکھا سارا قبیلہ ہوازن عورتوں بچوں، اونٹوں اور بکریوں سمیت سامنے والی وادی میں

اکٹھا ہوچکا ہے تو سرکار دوعالم ﷺ نے بڑے اطمینان سے فرمایا۔

تِلْکَ غَنِیْمَۃُ الْمُسْلِمِیْنَ غَدًا اِنْ شَاءَ اللّٰہُ

ترجمہ: کل یہ تمام چیزیں مسلمانوں کو بطور غنیمت مل جائیں گی، انشاءاللہ

سفید رنگ کے ' آدمی': ۱۰، شوال منگل کی شام کو حضور پرنور ﷺ وادی حنین میں تشریف فرما ہوئے مالک بن عوف نے لشکر اسلام کا جائزہ لینے کیلئے تین جاسوس بھیجے۔ وہ واپس گئے تو کانپ رہے تھے۔ مالک نے کہا 'تمہارا خانہ خراب' کیوں کانپتے ہو۔ بولے 'جب ہم مسلمانوں کی لشکر گاہ میں پہنچے تو ہم نے سفید رنگ کے آدمی ابلق گھوڑوں پر سوار دیکھے' ہم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ بخدا ہمیں تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ ہماری جنگ اہل زمین سے نہیں' اہل آسمان سے ہے۔ ہماری مانو تو اپنی قوم کو واپس لے جاؤ، اگر دوسروں نے بھی یہ منظر دیکھ لیا تو لرزہ براندام ہو جائیں گے، مالک نے کہا 'تم پر افسوس' تم سارے لشکر سے زیادہ بزدل ہو اور اس کے حکم پر انھیں الگ مکان میں بند کر دیا گیا۔ پھر متفقہ طور پر سب سے بہادر آدمی کو اسی مقصد کیلئے بھیجا گیا، اس کا رنگ بھی اڑا ہوا تھا، پسینہ بہہ رہا تھا اور تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اس نے بھی مالک کے پوچھنے پہ ویسی ہی رپورٹ دی مگر اس نے جنگ کا ارادہ ترک نہ کیا۔

سچے نبی ﷺ کی شجاعت و استقامت: اوپر آپ پڑھ چکے ہیں کہ بعض فرزندان اسلام نے اپنی کثرت قوت و شوکت پر ناز کیا تو اس کی نحوست کی بنا پر پہلے پہل لشکر اسلام کے پاؤں اکھڑ گئے۔ مگر اس موقع پر بھی اللہ کے حبیب لبیب ﷺ جو خچر کو اپنی سواری سے مشرف فرما رہے تھے، پوری طرح مطمئن تھے اور آہستہ آہستہ (لشکر کفار کی طرف) آگے ہی بڑھتے جا رہے تھے۔ تیروں کی اس برسات میں حضور پرنور ﷺ نے دائیں طرف رخ انور موڑا اور بلند آواز سے پکارا

یَا اَنْصَارَ اللّٰہِ وَ اَنْصَارَ رَسُوْلِہٖ اَنَا عَبْدُ اللّٰہِ وَ رَسُوْلُہٗ اِلَیَّ اَیُّھَا النَّاسُ

ترجمہ: اے اللہ اور اس کے رسول کے مددگارو! میں اللہ کا بندہ اور رسول

ہوں، میری طرف پلٹو۔ [1]

یہی وہ موقع تھا جس کا بیان قرآن پاک میں یوں آیا

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے خچر کی لگام پکڑی ہوئی تھی، حضرت ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے رکاب تھامی ہوئی تھی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی حضرت ابوسفیان کی مجاہدانہ تیغ آزمائی کو دیکھو حضور پرنور ﷺ سے راضی ہونے کی سفارش کی تو جان رحمت ﷺ نے دعا فرمائی **غفر الله له كل عداوة عادانيها** (یعنی اس نے جو عداوت بھی میرے ساتھ روا رکھی، اللہ اسے بخشے)

جملہ معترضہ: خیال فرمایئے حضور پرنور شافع یوم النشور ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ 'میں نے بخشا' بلکہ اللہ سے بخشش کی دعا مانگ رہے ہیں۔ گویا حضور ﷺ کی دشمنی و گستاخی ایسا بدترین جرم ہے جسے اللہ جل جلالہ نے جو حافظ و طالب محبوب ہے، اپنے حوالے رکھا۔ سورۂ مزمل میں ہے۔

وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيلًا ۝ (المزمل۔۱۱)

ترجمہ: اور مجھ پر چھوڑو، ان جھٹلانے والے مالداروں کو اور انھیں تھوڑی مہلت دو

بہر حال پھر آیئے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی سعادت کے ذکر کی طرف۔ خود فرماتے ہیں حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا **یا اخی** (اے میرے بھائی) تو (مارے خوشی کے) **فقبلت رجله في الركاب** (یعنی میں نے رکاب میں حضور ﷺ کے پائے اقدس کو بوسہ دیا) حضور جان نور ﷺ نے فرمایا

أَبُو سُفْيَانَ بْنُ الْحَارِثِ مِنْ شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ

ترجمہ: ابوسفیان بن حارث جوانان جنت میں سے ہیں

---

[1]: ازراہ کرم دور حاضر کے وہ موحد جنھیں اس قسم کی استعانت سے شرک کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے، ذرا دیکھیں محبوب خدا علیہ التحیۃ والثناء کے اس ارشاد و استمداد سے ان کی توحید کا نازک آبگینہ کہیں ٹوٹ تو نہیں گئی

اللہ! اللہ! تیروں کی اس بارش میں حضور وجہ کیف وسرور ﷺ اپنی سواری کو ایڑ لگا کر دشمن کی طرف بڑھاتے جارہے ہیں اور فرماتے جارہے ہیں

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ اَنَا بْنُ عبد المطلب

(ترجمہ: میں نبی ہوں اور اس میں قطعاً جھوٹ نہیں، میں عبد المطلب کا فرزند ہوں)

پھر حضور پرنور ﷺ کے حسب الارشاد حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے انصار کو پکارا پھر خود اللہ جل شانہ کے محبوب اعظم ﷺ نے بنفس نفیس دائیں طرف متوجہ ہو کر آواز دی یَامَعْشَرَ الْاَنْصَارِ (اے گروہ انصار)

سب نے بیک زبان جواب دیا لَبَّیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَبْشِرْ نَحْنُ مَعَکَ (یارسول اللہ، حضور ﷺ خوش ہوں، ہم حضور ﷺ کے ساتھ ہیں، پھر بائیں طرف توجہ فرما کے فرمایا یَامَعْشَرَ الْاَنْصَارِ (اے گروہ انصار) غلاموں نے جواباً عرض کیا لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ نَحْنُ مَعَکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ (ہم حاضر ہیں، ہم حاضر ہیں، یارسول اللہ! ہم حضور کے ساتھ ہیں ﷺ)

وہ کتنا مبارک اور دلآویز لمحہ ہو گا جب محبوب خدا و مقصود کائنات علیہ افضل الصلوٰت واکمل التحیات بلا رہے ہوں گے اور شمع رسالت کے پروانے اس لاہوتی وقدوسی آواز پر لبیک کہہ کر ذوق وشوق سے ارد گرد اکٹھے ہو رہے ہوں گے۔ اور پھر اس سے بھی دلوں کو مست و پر کیف کرنے والی یہ ادا ہے کہ جان نور واصل سرور ﷺ اَنَا عَبْدُ اللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ (میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں) کے بعد الی ایھا الناس (اے لوگو! میری طرف آؤ) کے الفاظ دعوت دے رہے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی کان بہرا نہ ہو گیا ہے اور لذت سمع سے آشنا ہو تو یقیناً آج بھی سبز گنبد سے یہی آواز آرہی ہے۔

اے مشرق ومغرب کے بتخانوں میں کھو جانے والو اور غفلت کی شراب سے ہوش وحواس کھو دینے والو! اگر مجھے اللہ کا بندہ اور رسول مانتے ہو، آؤ میری طرف، اور اے دور حاضر کے فرعونوں سے ڈر کر ایمان سے کنارہ کشی کرنے والو! اور اے ایمان

فروشوں کو شیخ الاسلام، مجدد دوراں، پیر طریقت، حامی سنت کہہ کر کتاب و سنت سے روگردانی کرنے والو! اگر تم مجھے رسول اللہ مانتے ہو تو میری طرف آؤ
ہاں اللہ کا رسول ﷺ ہی تو اللہ کا نمائندہ، اس کا مظہر، اس کا نائب اور اس کا محبوب و مقصود ہے، اس کے دروازے کو چھوڑ کر تمہیں کہیں پناہ نہیں ملے گی، اِدھر اُدھر ٹامک ٹوئیاں مارتے مارتے مر جاؤ گے۔ سچ عرض کیا، سچے مجدد، حضرت فاضل بریلوی نے

جو تیرے در سے یار پھرتے ہیں
دربدر یونہی خوار پھرتے ہیں

مٹھی بھر سنگریزے: بخاری (نے تاریخ میں) اور بیہقی نے عمرو بن سفیان ثقفی سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے حنین کے دن ایک مٹھی میں سنگریزے لئے اور انھیں ہمارے چہروں پر مارا ہمیں شکست ہوگئی۔ اس وقت یوں محسوس ہوتا تھا کہ ہر ایک پتھر، درخت اور سوار کو ہماری تلاش ہے۔ (الخصائص الکبریٰ)

بعض روایات کے مطابق حضور پرنور ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو مٹھی بھر کنکریاں دینے کا ارشاد فرمایا تو آپ کا خچر خود بخود جھک گیا یہاں تک کہ اس کا پیٹ زمین سے جا لگا۔ حضور پرنور ﷺ نے کنکریوں کی مٹھی بھر کر اسے کافروں کی طرف پھینکا اور زبان پاک سے فرمایا

شَاهَتِ الْوُجُوْهُ حٰمٓ لَا يُنْصَرُوْنَ

ترجمہ: دشمنوں کے چہرے بدنما ہو جائیں، حٰم، ان کی مدد نہیں کی جائے گی
چنانچہ دشمنوں کا ایک سپاہی بھی ایسا نہ رہا جس کی آنکھوں میں وہ کنکریاں نہ پڑی ہوں دشمن کے سپاہی ہر طرف تھے اور دور و نزدیک بھی۔ سب دیکھنے سے معذور ہو گئے۔
ایسا واقعہ غزوہ بدر میں بھی پیش آیا تھا۔ حضور پرنور ﷺ کی یہی ادائے دلبرانہ تھی جس کا ذکر قرآن پاک نے یوں فرمایا۔

وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی ۔ (الانفال۔۱۷)

ترجمہ: اور اے محبوب وہ خاک جو تم نے پھینکی، تم نے نہ پھینکی، بلکہ اللہ نے پھینکی۔

جنگ میں چار مسلمان شہید ہوئے جب کہ جنگ کے دوران ستر مشرکین فنافی النار ہوئے۔ پھر جب کنکریوں کی برکت سے وہ بھاگے تو تین سو مشرکین دوزخ کو سدھارے۔

میں ترے ہاتھوں کے صدقے، کیسی کنکریاں تھیں وہ
جن سے اتنے کافروں کا دفعتاً منہ پھر گیا

یہی پس منظر تھا جس میں علامہ اقبال نے مقام 'عبدہٗ' کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

عبد دیگر عبدہٗ چیزے دگر
ما سراپا انتظار او منتظر
عبدہٗ چند و چگون کائنات
عبدہ 'راز درون کائنات
مدعا پیدا نہ گردد زیں دوبیت
تانہ بینی از مقام مارمیت

فرشتوں کا نزول: ابن اسحٰق، ابونعیم اور بیہقی نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ غزوہ حنین میں حضور ﷺ کے ساتھ تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قتال کر رہے تھے۔ یکا یک میں نے ایک سیاہ چادر کی طرح کی چیز دیکھی جو آسمان سے اتری تا آنکہ ہمارے اور قوم کے درمیان گر پڑی۔ چنانچہ ہم نے ایسی پراگندہ چیونٹیوں کو دیکھا جنھوں نے وادی کو بھر دیا۔ سو اس کے بعد کفار کی شکست کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ ہم اس بات میں شک نہیں کرتے کہ وہ فرشتے تھے۔ (الخصائص الکبریٰ)

دست اقدس کی برکات: حاکم، ابونعیم اور ابن عساکر کے مطابق عائذ بن عمرو

رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوہ حنین میں میری پیشانی پر ایک تیر لگا۔ خون بہ کر میرے چہرے بلکہ سینے تک آ گیا۔ حضور ﷺ نے میرے چہرے سینے اور پستان تک خون کو اپنے دست اقدس سے صاف کیا اور میرے لئے دعا فرمائی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ محبوب خدا علیہ التحیۃ والثناء کے دست اقدس کا نشان ہم نے عائذ کے سینے کے اس حصے تک دیکھا ہے جہاں تک دست اقدس پھرا تھا۔ وہ نشان ایسا تھا جیسے گھوڑے کی پیشانی پر پھیلی ہوئی سفیدی۔ (الخصائص الکبریٰ)

لعاب مبارک کی تاثیر: ابن عساکر نے حضرت عبدالرحمٰن بن از ہر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ خالد بن ولید غزوہ حنین کے دن زخمی ہو گئے۔ رسول اکرم ﷺ نے ان کے زخم پر اپنا لعاب مبارک لگا دیا، وہ اچھے ہو گئے۔ (الخصائص الکبریٰ)

شیبہ بن عثمان کی کایا پلٹ: ابو القاسم بغوی، بیہقی، ابو نعیم اور ابن عساکر میں حضرت شیبہ بن عثمان (رضی اللہ عنہ) کی روایت یوں ہے آپ فرماتے ہیں جب نبی اکرم ﷺ نے حنین والوں سے جہاد کیا تو میں نے اپنے باپ اور چچا کو یاد کیا کہ ان کو حضرت علی اور حضرت حمزہ (رضی اللہ عنہما) نے قتل کیا تھا اور میں نے اپنے دل میں کہا کہ آج کے دن (حضرت) محمد (ﷺ) سے میں اپنا انتقام لوں گا۔ چنانچہ میں آپ ﷺ کے قریب آیا تو میں نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور ﷺ کی دائیں طرف دیکھا۔ سوچا چچا ہیں چھوڑ کر نہیں جائیں گے۔ بائیں طرف آیا تو ابو سفیان بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، جی میں کہا یہ چچا زاد ہیں، چھوڑنے والے نہیں۔ چنانچہ پھر میں پیچھے سے آیا اور اتنا قریب آیا کہ تلوار سے حملہ کرنے میں کوئی دقت نہیں تھی۔ مگر اس وقت میرے سامنے بجلی کی طرح آگ کا ایک شعلہ بلند ہوا سو میں ڈر کے مارے پیچھے ہٹ گیا۔ رسول مکرم ﷺ نے میری طرف مڑ کر دیکھا اور فرمایا شیبہ میرے قریب آؤ (یا شیبة ادن منی) میں قریب ہوا تو حضور پر نور ﷺ نے میرے سینے پر ہاتھ پھیر کر دعا فرمائی

اَللّٰھُمَّ اَعِذْہُ مِنَ الشَّیْطَانِ

ترجمہ: اے اللہ اس شیطان سے پناہ عطا فرما۔

میں نے حضور ﷺ کی طرف نظر اٹھائی تو مجھے کان، آنکھ اور جان سے بھی محبوب تر ہو چکے تھے اور جو کچھ (وہ اس ارادے سے کہیں بہتر تھا جو تو نے اپنے بارے میں کہا کفر طغیان) میرے اندر اللہ تعالیٰ نے اسے نکال دیا تھا۔ پھر ارشاد عالی ہوا قریب ہو اور (کفار سے) جہاد و قتال کرو۔ سو میں حضور ﷺ کے آگے اپنی تلوار سے قتال کرنے لگا۔ اللہ جانتا ہے کہ اس وقت میں حضور ﷺ پر جان تک قربان کرنے کیلئے تیار ہو گیا، بلکہ باپ بھی سامنے آتا تو میں اسے بھی تہ تیغ کر دیتا۔

اس کے بعد حضور پر نور ﷺ اپنے خیمہ مبارک میں جلوہ گر ہو گئے تو میں بھی محض دیدار کی نیت سے خیمہ مقدس میں داخل ہو گیا۔ حضور پر نور ﷺ نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا 'شیبہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ارادہ فرمایا، پھر حضور ﷺ نے میرے جی میں چھپی ہوئی باتیں جنھیں میں نے کبھی کسی سے بیان نہیں کیا تھا سب کی سب مجھ سے بیان فرما دیں (غیب کی یہ خبر سن کر) مجھے کہنا پڑا

اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ

ترجمہ: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضور اس کے رسول ہیں (ﷺ)

پھر میں نے فریاد کی اِسْتَغْفِرْ لِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ (یارسول اللہ! میرے لئے بخشش طلب کیجئے) تو فرمایا غفر اللہ لک (اللہ تجھے بخشے)

وضو کا اہتمام: ابو نعیم نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اکرم ﷺ کے ساتھ ہم نے ہوازن سے جہاد کیا۔ ہمیں بہت زیادہ مشقت پیش آئی۔ مشکیزے میں ایک قطرہ پانی تھا۔ حضور پر نور ﷺ نے اسے منگوایا۔ اسے آپ نے ایک پیالے میں ڈالا۔ چنانچہ ہم نے اس سے وضو کرنا شروع کیا حتیٰ کہ ہم

سب نے وضو کرلیا۔

رحمت تمام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جلوۂ رحمت: میدان جنگ میں حضور پرنور سرکار رحمۃ للعلمین ﷺ نے ایک عورت کی لاش پڑی ہوئی دیکھی تو برہمی کا اظہار فرمایا اور ایک آدمی کو دوڑایا کہ وہ خالد بن ولید (رضی اللہ عنہ) کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ پیغام پہنچائے کہ حالات کتنے ہی اشتعال انگیز ہوں لیکن بچوں اور عورتوں کو قتل کرنے کی ہرگز اجازت نہیں۔

غزوہ حنین کے بعد بھگوڑوں کا ایک حصہ اوطاس بھاگ گیا تو انھیں وہاں بھی شکست سے دوچار ہونا پڑا تو یہاں کے اموال غنیمت اور جنگی قیدی بھی جعرانہ پہنچا دیئے گئے۔ منتظمین کو تاکید فرمادی گئی کہ اسیرانِ جنگ کو لباس و غذا مہیا کرنے میں کوتاہی نہ برتی جائے۔

(نوٹ: یہ ہے محبوب خدا علیہ التحیۃ والثناء کا سلوک غیروں سے' آج بد بخت بش کا انسانیت کے ساتھ جور ویہ ہے، اس کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیجئے، کیا اسلام کے سوا بھی کہیں امن وامان، عدل وانصاف اور رحم وکرم کی کوئی گنجائش نظر آتی ہے)

طائف کا محاصرہ: ہوازن سے بھاگنے والے اکثر و بیشتر طائف میں پناہ گزین ہو گئے۔ مالک بن عوف جسے جنگ کا سب سے زیادہ شوق تھا، بھگوڑوں میں سب سے آگے تھا۔ چنانچہ قلعہ طائف کا محاصرہ کرلیا گیا۔ یہاں بہت سے غلام بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور حسب وعدہ اور آزادی سے بہرہ ور ہوئے۔ حضرت سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورے منجنیق اور دبابہ کا استعمال ہوا۔ محاصرہ لمبا ہو گیا تو بعض حکمتوں کی بنا پر اسے اٹھا لیا گیا۔ ایک حکمت تو بالکل ظاہر تھی کہ مسلمانوں کے اخلاق سے متاثر ہوکر سب بنو ہوازن اور اکثر (اہل طائف) بنو ثقیف نے اسلام بھی قبول کرلیا۔ پھر دوسری حکمت یہ کہ شوال کے اختتام میں چند دن باقی تھے اور آگے حرمت والے مہینے شروع ہونے والے تھے (جن میں جنگ وجدال جائز نہیں)۔ علاوہ ازیں

حضرت نوفل بن معاویہ دیلمی رضی اللہ عنہ نے محاصرہ جاری رکھنے کے سلسلے میں مشورہ پوچھنے پر عرض کیا، یارسول اللہ! (ﷺ) ایک لومڑی بھٹ میں گھسی ہوئی ہے۔ اگر آپ وہاں ٹھہرے رہیں گے تو ضرور اس کو پکڑ لیں گے اور اگر آپ اس کو نظر انداز کر دیں تو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔

ابوسفیان بن حرب کا ڈھیلا: ایک دن اہل طائف نے تیروں کی بارش ہی برسادی تو حضرت ابوسفیان (جو فتح مکہ تک کفار مکہ کے چیف کمانڈر تھے) کی ایک آنکھ ضائع ہوگئی۔ وہ ڈھیلا ہاتھ پر رکھے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو ارشاد ہوا۔ ابوسفیان! تم اس کے بدلے میں جنت میں آنکھ لینا چاہتے ہو یا دعا کروں یہی آنکھ درست ہو جائے۔ انھوں نے جنتی آنکھ کو ترجیح دی اور ڈھیلا زمین پر دے مارا۔ دوسری آنکھ جنگ یرموک میں حضور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ضائع ہوگئی

رحمت عالم ﷺ کی دعائے رحمت: طائف کا محاصرہ اٹھاتے وقت بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی یارسول اللہ (صلے اللہ علیک وسلم) ثقیف کے خلاف دعا کیجئے تو سرکار دوعالم ﷺ نے انھیں دعائے خیر سے نواز دیا اور عرض کیا اَللّٰھُمَّ اھْدِ ثَقِیْفًا وَّاْتِ بِھِمْ (اے اللہ! بنوثقیف کو ہدایت عطا فرما کر میرے پاس بھیج دے) چنانچہ یہ لوگ جلد ہی مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے اور ہادی برحق ﷺ کی بارگاہ بیکس پناہ سے دولت ایمان سے مالا مال ہو کر لوٹے۔

وفد ہوازن: حضور پرنور ﷺ طائف سے جعرانہ تشریف لے آئے تو ہوازن کی طرف سے چودہ آدمی وفد بنا کر زہیر بن صرد کی قیادت میں حاضر ہوئے۔ ان میں حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثناء کے چچا ابو برقان بھی تھے، ان سب نے اسلام قبول کرلیا۔ ابو برقان اور پھر زہیر بن صرد (رضی اللہ عنہما) نے قیدیوں کی رہائی کیلئے فریاد کی۔ آخر میں زہیر نے ایک قصیدہ بھی پڑھ کر سنایا جو درج ذیل شعر سے شروع ہوتا تھا۔

اُمْنُنْ عَلَيْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فِيْ كَرَمٍ
فَاِنَّكَ الْمَرْءُ نَرْجُوْهُ وَنَنْتَظِرُ

ترجمہ: اے اللہ کے رسول ہم پر از راہ کرم احسان فرمایئے کیونکہ آپ کی ذات پاک ہی ایسی ہے جس سے خیر کی امید کی جاتی ہے اور جس کے احسان کا انتظار کیا جاتا ہے

اب آگے اعلیحضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کے الفاظ میں واقعہ نہایت اختصار سے سنئے

"جب وفد ہوازن خدمت اقدس حضور سید عالم ﷺ میں حاضر ہوئے اور اپنے اموال واہل وعیال کہ مسلمان غنیمت میں لائے تھے، حضور سے مانگے اور طالب احسان والا ہوئے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا

اِذَا صَلَّيْتُمُ الظُّهْرَ فَقُوْلُوْا اِنَّا نَسْتَعِيْنُ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَوِ الْمُسْلِمِيْنَ فِيْ نِسَآئِنَا وَاَبْنَائِنَا

(جب تم ظہر کی نماز پڑھ چکو تو کھڑے ہونا اور یوں کہنا 'ہم رسول اللہ ﷺ سے استعانت کرتے ہیں مومنین پر اپنی عورتوں اور بچوں کے باب میں (النسائی ۔۔۔) حدیث فرماتی ہے سید عالم ﷺ نے بنفس نفیس تعلیم فرمائی کہ ہم سے مدد چاہنا۔ نماز کے بعد یوں کہنا کہ ہم رسول اللہ ﷺ سے استعانت کرتے ہیں۔ (الامن والعلی)

حضور پرنور ﷺ نے تو ان کے حاضر ہوتے ہی اپنے اور بنی عبد المطلب کے حصے کے غلام اور کنیزیں (یعنی ان کے بچے اور عورتیں) انھیں عطا فرمادی تھیں۔ اب نماز ظہر کے بعد جب انھوں نے ارشاد عالی کے مطابق رسول اللہ ﷺ سے مدد چاہی تو حضور پرنور ﷺ نے اپنے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہوئے تو پہلے مہاجرین اور پھر انصار نے بیک زبان عرض کیا

وَمَا كَانَ لَنَا فَهُوَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ

ترجمہ: اور جو کچھ ہمارا ہے سووہ (سب کا سب) رسول اللہ ﷺ کا ہے۔

عدل وانصاف کا نادر نمونہ:

حضرت عبداللہ بن ابی بکر سے مروی ہے کہ حنین کے ایک مجاہد نے بتایا کہ وہ حضور ﷺ کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا اور میں اپنی اونٹنی پر سوار تھا۔ میرے پاؤں میں اس وقت موٹی جوتی تھی۔ میری اونٹنی حضور ﷺ کی اونٹنی کے ساتھ آٹکرائی، اس طرح میری موٹی جوتی کا ایک کنارہ حضور ﷺ کی پنڈلی مبارک کے ساتھ جا ٹکرایا جس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تکلیف ہوئی۔ حضور ﷺ کے دست مبارک میں ایک چھڑی تھی۔ آپ نے اس کو میرے پاؤں پر مارا اور فرمایا 'تو نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے' مجھ سے پیچھے ہو کر چلو۔ میں ایک طرف ہو گیا۔ دوسرے روز حضور ﷺ نے مجھے تلاش کرنا شروع کر دیا۔ جب مجھے پتہ چلا، میں نے یہ خیال کیا کہ کل میں نے حضور ﷺ کو اذیت پہنچائی تھی، اس کے بارے میں شاید حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مجھے سرزنش فرمائیں گے۔ میں حاضر ہوا، مجھے تو یہ اندیشہ تھا کہ کل والی غفلت پر سرزنش کی جائے گی۔ لیکن حضور ﷺ نے میری توقعات کے بالکل برعکس فرمایا کل تیرا پاؤں میری پنڈلی سے ٹکرایا تھا، جس سے مجھے اذیت پہنچی تھی اور میں نے چھڑی سے تمہارے پاؤں کو مارا تھا۔ اب میں نے تمہیں بلایا ہے تا کہ اس چھڑی مارنے کا تمہیں معاوضہ ادا کروں۔ پس حضور ﷺ نے مجھے اسی بکریاں اس کے بدلے میں عطا فرمائیں

سر وجود و بحر جود ﷺ: جعرانہ میں غنیمت کے اموال تقسیم کرتے وقت حضور پرنور ﷺ نے اہل مکہ کے نو مسلموں کو خوب نوازا تا کہ ان کے دل اسلام سے مانوس ہو جائیں (کہ یہ مؤلفۃ القلوب تھے) عمر بھر مخالفت کرنے والوں کو پہلے تو فتح مکہ کے

دن عفوودرگزر سے مشرف فرمایا پھر حنین کے غنائم جعرانہ میں تقسیم کرتے ہوئے توقع سے بہت زیادہ عطا فرما کران کے دلوں کو بغض وحسد اور شک وشبہ کی رہتی سہتی آلائشوں سے پاک کیا۔ اس مقام پر انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ واقعہ اللہ کا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام دولت دنیا کی حرص وہوس سے بالاتر ہوتا ہے اور یہ کہ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کا نور نظر نبی الانبیاء (علیہم السلام) ہی نہیں سخی الاسخیاء بھی ہے۔ کیسی عظیم الشان سخاوت ہے، یہاں بھی مالا مال کررہے ہیں اور آخرت میں بھی نجات کا سامان کررہے ہیں۔ خود حضور نبی کریم ﷺ فرماتے اور خوب فرماتے ہیں

اِنِّیْ لَاُعْطِی الرَّجُلَ وَغَیْرُہٗ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْہُ خَشْیَۃَ اَنْ یُّکَبَّ فِی الْغَابِرِ عَلٰی وَجْھِہٖ

ترجمہ: میں بسا اوقات ایک شخص کو اموال کثیرہ دیتا ہوں حالانکہ دوسرا شخص مجھے اس شخص سے زیادہ عزیز ہوتا ہے۔ میں اس کو اس لئے زیادہ دیتا ہوں تاکہ وہ پھر پھسل نہ جائے اور اسے دوزخ میں اوندھا کر کے نہ پھینک دیا جائے۔

یہاں صرف ایک دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حرب کو چالیس اوقیہ چاندی اور سو اونٹ دیئے گئے۔ انھوں نے عرض کی 'میرا بیٹا یزید بھی لشکر اسلام میں شامل تھا'۔ تو اسے بھی یہی کچھ، پھر یونہی ان کے کہنے پر ان کے دوسرے بیٹے معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی اتنا ہی عطا ہوا تو اس جود وسخا سے متاثر ہو کر جناب ابوسفیان پکار اٹھے

بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ لَاَنْتَ کَرِیْمٌ فِی الْحَرْبِ وَفِی السِّلْمِ لَقَدْ حَارَبْتُکَ فَنِعْمَ الْمُحَارِبُ کُنْتَ وَقَدْ سَالَمْتُکَ فَنِعْمَ الْمُسَالِمُ اَنْتَ، ھٰذَا غَایَۃُ الْکَرَمِ، جَزَاکَ اللّٰہُ خَیْرًا

ترجمہ: اے اللہ کے پیارے رسول! میرے ماں باپ حضور ﷺ پر قربان!

بیشک آپ جنگ میں بھی کریم ہیں اور صلح میں بھی کریم ہیں۔ میں نے آپ سے جنگ بھی کی تو آپ بہترین محارب تھے (یعنی جس سے جنگ کی جائے) پھر میں نے آپ سے صلح کی تو آپ بہترین صلح کرنے والے ہیں۔ یہ تو جودوکرم کی انتہا ہے، جزاک اللہ خیراً (اللہ آپ کو بہترین جزا عطا فرمائے) یونہی صفوان بن امیہ ان لوگوں میں سے تھے جنھیں حضور پرنور ﷺ نے بہت کچھ عطا فرمایا حتیٰ کہ وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے

مَازَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ يُعْطِيْنِيْ مِنْ غَنَائِمِ حُنَيْنٍ وَهُوَ اَبْغَضُ الْخَلْقِ اِلَيَّ حَتّٰى مَاخَلَقَ اللّٰهُ شَيْئًا اَحَبَّ اِلَيَّ مِنْهُ

ترجمہ: یعنی حضور حنین کے اموال غنیمت سے عطا فرماتے گئے، عطا فرماتے گئے یہاں تک کہ ذات پاک مصطفیٰ (علیہ التحیۃ والثناء) جو میرے نزدیک اللہ کی ساری مخلوق سے زیادہ مبغوض تھی، سب سے زیادہ محبوب ہو گئی پھر یہ خصوصی نوازشات حضور اکرم نور مجسم ﷺ نے مال غنیمت میں جو اپنا خمس تھا اس سے کی تھیں۔

انصار کی سعادت: جب جعرانہ کے اموال غنیمت حضور پرنور ﷺ نے قریش و دیگر اقوام عرب کو عطا فرمائے اور انصار کرام نے اس میں سے کوئی شے نہ پائی۔ انھیں (اس خیال سے کہ شاید حضور اقدس ﷺ کو ہم پر اب وہ نظر توجہ وکرم نہ رہی، شاید اب اپنی قوم قریش کی طرف زیادہ التفات فرمائیں بمقتضائے سنت عشاق کہ دوسروں پر لطف محبوب زاید دیکھ کر رنجیدہ وکبیدہ ہوتے ہیں) ملال گزرا یہاں تک کہ بعض کی زبان پر بعض کلمات شکایت آمیز آئے۔ حضور اقدس ﷺ نے سنا، خاطر انور پہ ناگوار گزرا، انھیں جمع کر کے ارشاد فرمایا

اَلَمْ اَجِدْكُمْ ضُلَّالًا فَهَدَاكُمُ اللّٰهُ اَلَمْ اَجِدْكُمْ عَالَةً فَاَغْنَاكُمُ اللّٰهُ

ترجمہ: (کیا میں نے تمہیں نہ پایا گمراہ، پس اللہ عزوجل نے تمہیں راہ

دکھائی، کیا میں نے تمہیں نہ پایا محتاج، پس اللہ تعالیٰ نے تمہیں تونگری دی)

اور صحیح بخاری مسلم و مسند احمد میں یوں ہے

یَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ اَلَمْ اَجِدْ کُمْ ضُلَّالًا فَھَدَا کُمُ اللّٰہُ بِیْ وَ کُنْتُمْ مُتَفَرِّقِیْنَ فَاَلَّفَکُمْ بِیْ وَ کُنْتُمْ عَالَۃً فَاَغْنَا کُمُ اللّٰہُ بِیْ

(یعنی اے گروہ انصار، کیا میں نے نہ پایا تمہیں گمراہ، پس اللہ عزوجل نے تمہیں میرے ذریعے سے ہدایت کی اور تمہارے آپس میں پھوٹ تھیں، اللہ نے میرے وسیلہ سے تم میں موافقت کردی اور تم محتاج تھے اللہ عزوجل نے میرے واسطے سے تمہیں تونگری بخشی) رواہ عن عبداللہ بن زید بن عاصم ونحوہ لاحمد عن انس ولہ ولعبد ابن حمید والضیاء عن ابی سعید رضی اللہ عنہم۔ انصار کرام ہر کلمے پر عرض کرتے جاتے تھے نعوذ باللہ من غضب اللہ و من غضب رسولہ، ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اللہ کے غضب اور رسول کے غضب سے جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم حضور اقدس ﷺ نے فرمایا الا تجیبوا ب جواب کیوں نہیں دیتے اللہ ورسولہ امن وافضل اللہ اور اس کے رسول کا احسان زائد ہے اللہ اور اس کے رسول کا فضل بڑا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا تم جواب چاہو تو جواب دے سکتے ہو۔ انصار کرام روئے اور بار بار عرض کرنے لگے اللہ ورسولہ امن وافضل اللہ ورسول کا احسان زائد ہے اللہ و رسول کا فضل بڑا ہے ابوبکر بن ابی شیبۃ فی مصنفہ عن ابی سعید بن الخدری رضی اللہ عنہ مگر سب سے زیادہ موہ لینے والے وہ جملے تھے جن سے انصار کے سارے خدشات دور ہوگئے۔ ان کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

"تم دنیا کی ایک معمولی چیز کیلئے اپنے دلوں میں مجھ سے ناراض ہو گئے ہو۔ حالانکہ میں نے ان لوگوں کو اس انعام واکرام سے اس لئے نوازا کہ ان کے دلوں میں اسلام کی الفت پیدا ہو جائے اور وہ (سچے دل سے)

اسلام قبول کرلیں اور میں نے تمہیں تمہارے اسلام کے سپرد کردیا"۔

اے گروہ انصار! کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ لوگ تو بکریاں اور اونٹ لے کر اپنے گھروں کو جائیں اور تم اللہ کے رسول (مکرم) کو اپنے ساتھ اپنی اقامت گاہوں میں لے جاؤ۔ اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں مری جان ہے، جو نعمت عظمیٰ) تم لے کر لوٹ رہے ہو ان چیزوں سے بہتر ہے جو وہ لے کر لوٹ رہے ہیں(اَلَا تَرْضَوْنَ یَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ اَنْ یَّذْھَبَ النَّاسُ بِالشَّاءِ وَالْبَعِیْرِ وَ تَرْجِعُوْنَ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ اِلٰی رِحَالِکُمْ فَوَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَمَا تَنْقَلِبُوْنَ بِہٖ خَیْرٌ مِّمَّا یَنْقَلِبُوْنَ بِہٖ)

'اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار کا ایک فرد ہوتا'

'دوسرے لوگ اگر ایک گھاٹی اور وادی میں چلتے اور انصار دوسری گھاٹی اور وادی میں چلتے تو میں انصار کی گھاٹی اور وادی میں چلتا'

انصار میری چادر کا اندرونی حصہ ہیں اور دوسرے لوگ چادر کا بیرونی حصہ (الانصار شعار والناس دثار)

آخر میں حبیب خدا علیہ التحیۃ والثناء نے اپنے باوفا غلاموں کیلئے دعا فرمائی اَللّٰھُمَّ ارْحَمِ الْاَنْصَارَ وَاَبْنَاءَ الْاَنْصَارِ وَاَبْنَاءَ اَبْنَاءِ الْاَنْصَارِ

ترجمہ: اے اللہ انصار پر رحم فرما، انصار کے بیٹوں پر رحم فرما انصار کے پوتوں پر رحم فرما)

حضور پرنور ﷺ کے نورانی مشکبار جملے انصار کے دلوں کو وہم و گماں سے نکال کر عشق و مستی سے معطر کر رہے تھے۔ روتے روتے ان کی داڑھیاں تر ہوگئیں اور سب نے بیک زبان عرض کی

رَضِیْنَا بِاللّٰہِ رَبًّا رَضِیْنَا بِرَسُوْلِ اللّٰہِ قَسْمًا وَّ حَظًّا

ترجمہ: ہم اللہ کو اپنا رب ماننے پر راضی ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے جو تقسیم فرمائی ہے اور جو حصہ ہمیں عطا فرمایا اس سے راضی ہیں

مالک بن عوف نضری حاضر ہوتا ہے: بنو ہوازن کے وفد سے حضور پرنور ﷺ نے مالک بن عوف کے بارے میں پوچھا، عرض کیا گیا 'بنو ثقیف کے ساتھ رہتا ہے۔ ارشاد ہوا' اسے میری طرف سے پیغام پہنچا دو، اگر وہ میرے پاس اسلام قبول کر کے آ جائے تو اس کے اہل وعیال و مال مویشی بھی واپس کر دیئے جائیں اور مزید ایک سو اونٹ بھی عطا ہوں گے۔ اس نے تعمیل کی، وعدہ وفا ہوا اور محبوب خدا ﷺ سے متاثر ہو کر چند شعر کا نذرانہ پیش کیا۔ جن میں دو شعر حسب ذیل ہیں

مَا اِنْ رَءَیْتُ وَلَا سَمِعْتُ بِوَاحِدٍ
فِی النَّاسِ کُلِّھِمْ بِمِثْلِ مُحَمَّدٍ
اَوْفٰی وَاَعْطٰی لِلْجَزِیْلِ لِمُجْتَدٍ
وَمَتٰی تَشَأْ یُخْبِرْکَ عَمَّا فِیْ غَدٍ

ترجمہ: میں نے تمام جہاں کے لوگوں میں محمد ﷺ کے مثل نہ کوئی دیکھا نہ سنا، سب سے زیادہ وفا فرمانے والے اور سب سے فزوں قد سائل نفع کو کثیر عطا بخشنے والے، اور جب تو چاہے تجھے آئندہ کل کی خبر بتا دیں ﷺ

سید عالم ﷺ نے انھیں ان کی قوم ہوازن اور قبائل ثمالہ وسلمہ فہم پر سردار فرمایا

بدنصیبوں کا باپ ذوالخویصرہ:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار ہم حضور پرنور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے اور حضور ﷺ حنین کے اموال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے، اس دوران ذوالخویصرہ جو بنی تمیم کا ایک شخص تھا، حاضر ہو کر بولا 'یارسول اللہ عدل کرو'۔ حضور ﷺ نے فرمایا' ارے کمبخت اگر میں ہی انصاف نہ کروں تو کون کرے گا، اگر میں ہی انصاف نہ

کروں تو تیری تباہی و بربادی ہوگی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا 'یا رسول اللہ (ﷺ) اس کی گردن اڑا دینے کی مجھے اجازت دیجئے۔ ارشاد ہوا' رہنے دے، اس کے ساتھی ایسے ہوں گے کہ تم میں کوئی اپنی نماز کو ان کی نمازوں کے سامنے حقیر جانے گا اور اپنے روزے کو ان کے روزوں کے سامنے حقیر سمجھے گا۔ قرآن پڑھیں گے مگر حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ یہ لوگ دین سے ایسے نکل جائیں جیسے زوردار تیر جانور سے پار ہو جاتا ہے، اس کے بھال دیکھے تو کچھ نہیں، پٹھے میں دیکھے تو کچھ نہیں، بانس میں دیکھے تو کچھ نہیں (نہ گوشت نہ خون) (بخاری شریف، کتاب المناقب)

اپنے دور کے مفتی مکہ اور مورخ اعظم حضرت علامہ احمد بن زینی دحلان مکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں 'اور سب سے زیادہ واضح بات یہ ہے کہ ابن عبدالوہاب نجدی کا سلسلہ نسب بنی تمیم سے ہے، اس لئے کچھ بعید نہیں کہ وہ اسی ذوالخویصرہ تمیمی کی نسل سے ہو جس کے متعلق اسی حدیث بخاری میں ذکر آیا ہے۔ (الدرالسنیہ)

کعب بن زہیر: زہیر عرب کے مشہور ترین شعرا میں سے تھا۔ اس کا ایک بیٹا بجیر تو مسلمان ہو گیا مگر کعب روگردان رہا بلکہ اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی بھی کرتا تھا۔ اسے کیفر کردار تک پہنچانے کی دھمکی بھی اسی کے بھائی نے دی۔ بہر حال وہ سمجھ گیا اور ایک قصیدہ نعتیہ لکھ کر حضور رحمۃ للعلمین ﷺ کی بارگاہ اقدس میں کفر سے تائب ہو کر امان طلب ہوا۔ حبیب کریم و رؤف و رحیم علیہ التحیۃ والتسلیم نے معاف فرما دیا۔ اس نے اپنا قصیدہ سنایا جب یہ دو شعر آئے تو حضور پرنور ﷺ نے حاضرین کو اشارہ سے فرمایا کہ ان شعروں کو غور سے سنو

اِنَّ الرَّسُوْلَ لَنُوْرٌ یُّسْتَضَاءُ بِہٖ
مُھَنَّدٌ مِّنْ سُیُوْفِ اللّٰہِ مَسْلُوْلٗ

نُبِّئْتُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ اَوْعَدَنِیْ
وَالْعَفْوُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ مَامُوْلُ

بیشک رسول اکرم ﷺ نور ہیں جن سے روشنی حاصل کی جاتی ہے
حضور ﷺ اللہ کی تلواروں میں سے ایک بے نیام تلوار ہیں مجھے بتایا گیا
ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دھمکی دی ہے، لیکن اللہ کے رسول سے تو
عفو درگزر کی امید کی جاتی ہے،

حضور انور واقدس ﷺ نے اپنی چادر مبارک عنایت فرمائی،

☆......☆......☆

نہیں اُن کا کرم بھی ادھورا

نہیں ان کا کوئی کرم بھی ادھورا
فقیروں کا وہ ساتھ دیتے ہیں پورا
بجھے گی میری تشنگی روزِ محشر
پلائیں گے جب وہ شراباً طہوراً
ذرا سوچئے ان کی شانِ سیادت
جو یحیٰی ہوئے سیداً و حصوراً
وہی اپنا قائد، وہی اپنا آقا!
جو کالا ہے ان کی غلامی میں پورا
وفا کر، وفا کر شہِ دوسرا سے
نہ بن ان کے اعدا کا بچہ جمورا
ارے ہو نہ ان کی محبت سے باغی
نہ کر دین و ملت کو تو چورا چورا
اگر کوئی گورا ہوا ان کا منکر
وہ کتا ہے یا ریچھ ہے کوئی بھورا
خدا کی قسم! پھوڑ دو اس کی آنکھیں
تصور میں جو اُن کے بندوں کو گھورا
میں پڑھتا ہوا نعت دنیا سے جاؤں
ہو جب عمر کا مولا پیمانہ پورا
جو آسی رہی شیخ کی نظرِ رحمت
تو پالوں گا میں جنۃ و قصوراً

﴿۸ ربیع الاول شریف ۱۴۲۵ھ، ۲۹ اپریل ۲۰۰۴ء﴾

سورۃ النجم کی تفسیر

قسط نمبر 65

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اختر شام کی آتی ہے فلک سے آواز
سجدہ کرتی ہے سحر جس کو وہ ہے آج کی رات
رہِ یک گام ہے ہمت کیلئے عرش بریں
کہہ رہی ہے یہ مسلمان سے معراج کی رات

الحمدللہ اسلامی تقوم کا ساتواں مہینہ یعنی رجب المرجب اس بار اگست کے ساتھ ہمسفر ہے۔ اس کی ۲۷ تاریخ محبوب خدا بلکہ سرور محبوبان خدا حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے سفر معراج سے مشرف ہے۔ سلطان الانبیاء، شہ ہر دوسرا، حبیب کریم رؤف ورحیم علیہ التحیۃ والتسلیم کی یہ معراج معلیٰ تمام انبیاء ومرسلین علیہم السلام کی معراجوں کی سردار ہے اور پکار پکار کر اعلان کر رہی ہے کہ

ع ’سب سے اعلیٰ واولیٰ ہمارا نبی‘ (صلی اللہ علیہ وسلم)

قرآن پاک میں زیادہ وضاحت سے دو بار اس کا ذکر آیا ہے، ایک سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں اور وہ ہے

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى
الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ
السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ O (بنی اسرائیل:۱)

ترجمہ: پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا مسجد حرام سے
مسجد اقصیٰ تک، جس کے گردا گرد ہم نے برکت رکھی کہ ہم اسے اپنی عظیم
نشانیاں دکھائیں، بیشک وہ سنتا دیکھتا ہے۔

اور دوسری جگہ سورۃ النجم کی ابتدائی اٹھارہ ۱۸ آیات میں۔ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھیں کو لکھ کر ترجمہ بھی ان کے ساتھ ساتھ لکھا جائے اور انھیں پر گفتگو کی جائے (کیونکہ بنی اسرائیل کی آیتِ معراج گذشتہ سال عنوانِ تحریر بن چکی ہے)

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰیO

اس پیارے چمکتے تارے محمد (ﷺ) کی قسم جب یہ معراج سے اترے

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰی O

تمھارے صاحب نہ بہکے نہ بے راہ چلے

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰیO

اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے

اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰیO

وہ تو نہیں مگر وحی جو انھیں کی جاتی ہے

عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰیO

انھیں سکھایا سخت قوتوں والے

ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰیO

طاقتور نے، پھر اس جلوہ نے قصد فرمایا

وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ ○

اور وہ آسمان بریں کے سب سے بلند کنارہ پر تھا

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ ○

پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا پھر خوب اتر آیا

فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ○

تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم

فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ○

اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ○

دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا

أَفَتُمَارُونَهُ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ ○

تو کیا تم ان سے ان کے دیکھے ہوئے پر جھگڑتے ہو

وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ○

اور انھوں نے تو وہ جلوہ دوبارہ دیکھا

عِندَ سِدْرَةِ الْمُنتَهَىٰ ○

سدرۃ المنتہی کے پاس

عِندَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَىٰ ○

اس کے پاس جنت الماویٰ ہے

إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَىٰ ○

جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ ○

آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی

لَقَدۡ رَاٰی مِنۡ اٰیٰتِ رَبِّهِ الۡكُبۡرٰی O

بے شک اپنے رب کی بہت بڑی نشانیاں دیکھیں

چند تفسیری نکات: میں نے اعلیٰحضرت مجدد ملت فاضل بریلوی قدس سرہ کا اردو ترجمہ دیا ہے ذرا کھل کے بات کریں تو

آیت نمبر۱: کی نجم کے حوالے سے متعدد تفسیریں کی گئی ہیں۔ مگر اعلیٰحضرت نے جگر گوشہ رسول سیدنا حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا تتبع فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں

هُوَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم وَهُوِیِّهِ نُزُوۡلُهٗ مِنَ السَّمَاءِ لَیۡلَةَ الۡمِعۡرَاجِ (روح المعانی)

ترجمہ: النجم یہاں حضور نبی کریم ﷺ ہیں اور اذا ھویٰ سے مراد ہے حضور پرنور ﷺ کا معراج کی رات آسمان سے نزول فرمانا۔

حکیم الامت علامہ اقبال علیہ الرحمہ کا بھی یہی نقطۂ نظر ہے، چنانچہ فرماتے ہیں

تو معنیٔ والنجم نہ سمجھا تو عجب کیا

ہے تیرا مدوجزر ابھی چاند کا محتاج

آسمان پر جانے کی بجائے آسمان سے اترنے کا ذکر شاید اس لئے مطلوب ہو کہ بعض نکتہ سنج اکابر صوفیہ کے نزدیک بھی شب معراج اوپر جانے سے واپس تشریف لانا زیادہ حیرت انگیز اور عزم وہمت کی علامت ہے۔

آیت نمبر۲: حضور پرنور ﷺ کو صاحبکم (یعنی تمہارے صاحب، تمہارے مالک وسردار یا تمہارے ساتھی) فرمانا عجیب کیف پرور ہے، گویا یہ تمہارے صاحب ہیں۔ تم پر مہربان ہیں۔ تمہارے مشکلکشا اور حاجت روا ہیں، تمہارے لئے سراپا رحمت وبرکت ہیں اور تمہارے ساتھ ہی رہتے ہیں، اس لئے رحمۃ للعلمین ہونے کا بھی گویا تقاضا یہی ہے کہ

تمہاری ہدایت وتربیت کے لئے تمہارے یہ مونس وغمخوار واپس تمہارے پاس تشریف لے آتے۔ان کا دل،ان کا دماغ،ان کا فکر ونظر،ان کا طرز عمل گمراہی سے بلکہ اس کے امکان سے بھی پاک ہے۔اس ناخدائے آدمیت کا بنی نوع بشر کے سفینے کو گرداب ہلاکت سے بچانے کے لئے تمہارے روبرو اور قریب ہونا ضروری ہے۔سائنسدان کا کوئی فیصلہ حتمی نہیں،فلسفی بھی راہ سے بھٹک سکتا ہے،عقل خود منزل شناسی سے قاصر ہے، حکمت بھی کئی بار ظلمت کدہ حیات میں ٹامک ٹوئیاں مارچکی ہے مگر 'نبی' کا علم،تصور، مشاہدہ سب کچھ وہم وگماں اور ظن وتخمین سے بالاتر ہے اور جو'صاحبکم' ہے وہ تو انبیاء کا امام ہے' مرسلین کا سلطان ہے علیہم السلام،رب العلمین کا خلیفہ اعظم ہے اور کائنات کا مرشد اکرم ہے(ﷺ)

ہاں ہاں کون ہے تم میں جو روئے زمین کی دو دن میں سیر کر سکے اور پھر کہیں اسے ٹھوکر نہ لگے،راستہ نہ بھولے اور بغیر کسی بہکنے اور بھٹکنے کے نہایت تیزی سے یہ سیر جاری بھی رکھ سکے۔مگر اس محبوب رب العلمین ﷺ کی شان یہ ہے کہ ایک آن مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک،وہاں سے ساتوں آسمان سدرۃ المنتہیٰ،عرش معلّٰی،نوے ہزار پردے،سب کچھ طے کر کے خاص حریم ناز میں پہنچتے ہیں۔

کنڈی بھی رہی ہلتی تو بستر بھی رہا گرم
اک دم میں سر عرش گئے،آئے محمد

اعلیحضرت فرماتے ہیں۔

خدا کی قدرت کہ چاند کے کڑوروں منزل میں جلوہ کر کے
ابھی نہ تاروں کی چھاؤں بدلی کہ نور کے تڑکے آلئے تھے

آیت نمبر ۳: میں فرمایا جارہا ہے،اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے،استاذی المکرم حضرت مولانا محمد بخش مسلم علیہ الرحمۃ فرمایا کرتے تھے کہ آیت میں عن کا لفظ کا ہونا

تو مفہوم ہوتا کہ اپنی خواہش تو ہے مگر اس سے بولتے نہیں، عَنِ الْهَوٰى کہنے کا مقصد، یہ ہے کہ ان میں اپنی خواہش موجود ہی نہیں۔ یقیناً یہ اس عبد کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی عبدیت مقدسہ کا تقاضا ہے کہ ان کا سب کچھ اپنے اللہ جل مجدہ کے لئے ہے، ان کی رضا اللہ کی رضا میں گم ہے اور ان کی مشیت اللہ کی مشیت میں فنا ہے' پھر ان میں اپنی خواہش کہاں' اور اپنی خواہش نہیں تو خواہش سے بولنے کا کیا سوال؟ حقیقت یہ ہے کہ شان عبدیت کی معراج بھی یہی ہے۔

آیت نمبر۴: میں اس کی وضاحت فرمادی گئی کہ ان کی زبان حق ترجمان سے جو کچھ نکلتا ہے، وہ وحی الٰہی کے سوا نہیں۔

ہاں ہاں جس سلطان دارین شہنشاہ کونین ﷺ کا ایک وزیر اس شرف سے بہرہ یاب ہے کہ

اِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ وَ قَلْبِهٖ (ترمذی)

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ نے عمر کی زبان اور دل پر حق جاری فرمادیا ہے۔

بلکہ جس مزکی قلب و قالب ﷺ کا وہ امتی جو کثرت نوافل سے اللہ کا محبوب بن جاتا ہے، اللہ جل مجدہ کا نور جلال اس کے رگ و پے میں جلوہ گر ہو جاتا ہے۔ پھر جس کریم و اکرم ﷺ کی زبان وحی ترجمان کے نطق پر پتھر وجد میں آجائیں، درخت چلنے لگیں اور پہاڑوں کے دل محبت سے سرشار ہو جائیں، وہ اگر معراج کا واقعہ بیان فرماتے ہیں تو اسے تسلیم کرنے میں کیوں ہچکچاہٹ ہو۔ بالیقین ان کا فرمان، اللہ کا فرمان اور ان کا بیان اللہ کا بیان ہے،

وہ دہن جس کی ہر بات وحی خدا
چشمہ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام

آیت نمبر۵،۶: میں حضور پرنور ﷺ کے علم وسیع کا ذکر ہے، اور وجہ یہ کہ آپ کو شدید

القوی (سخت قوتوں والے) ذومرہ (دانا یا طاقتور رب کریم وقدیر جل شانہ نے سکھایا۔

ظاہر ہے حضور محبوب خدا علیہ التحیۃ والثنا کا معلم خود اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے معلم خود پیغمبر اعظم اکمل ﷺ۔

رہ گیا یہ سوال کہ کیا کچھ سکھایا، تو اس سلسلے میں ایک حدیث مقدس کو سامنے رکھئے۔

"میرے رب نے مجھ سے کچھ پوچھا تو میں جواب نہ دے سکا تو اس نے اپنا دست قدرت میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھا۔ میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اولین وآخرین کے علم کا وارث بنادیا۔ (فاورثنی علم الاولین والاخرین) اور مجھے مختلف علوم سکھائے (وعلمنی علوما شتی) ان میں ایک علم ایسا تھا چھپانے کا مجھ سے وعدہ لیا کیونکہ انسے علم تھا کہ اسے میرے سوا کوئی نہیں اٹھا سکتا اور ایک علم وہ ہے جس کا مجھے اختیار دیا گیا (مواہب لدینہ ج۳)

فَاسْتَوٰی (پھر اس جلوہ نے قصد فرمایا) کے فاعل بھی حضور پرنور جان کیف و سرور سرور عالم ﷺ ہی ہیں۔

آیت نمبر ۷: میں جو فرمایا گیا۔ 'اور وہ آسمان بریں کے بلند کنارے پر تھا'، اس سے بھی صاحب تاج ومعراج ﷺ کی ذات ستودہ صفات ہی ہے۔ بالیقین یہی مہمان کریم ہیں جو افق اعلیٰ پر تشریف فرما ہوئے (اور پھر آگے جا کر عروش بریں پر جلوہ گر ہوئے)

آیت نمبر ۸، ۹: میں انتہائی قرب' کا ذکر ہے۔ ترجمہ آپ نے دیکھا

'پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا، پھر خوب اتر آیا' تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم'۔

یعنی حضور محمد مصطفیٰ ﷺ نور الٰہی سے قریب ہونے یا نور الٰہی حضور ﷺ سے قریب ہوا۔ کون اس قرب تمام کا اندازہ کرسکتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے۔

وَدَنَا الْجَبَّارُ رَبُّ الْعِزَّةِ فَتَدَلّٰى حَتّٰى كَانَ مِنْهُ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنٰى ۔(بخاری)

ترجمہ: اور جبار رب العزہ قریب ہوا' پھر اس نے زیادتی قرب کو طلب فرمایا، یہاں تک کہ رسول ﷺ سے دو کمانوں کی مقدار ہو گیا یا اس سے بھی زیادہ قریب۔

اس قرب تمام کی حقیقت کون جان سکتا ہے اور کسے اس کے تصور کی تاب ہے۔حدیث پاک میں آتا ہے۔

حضور اکرم واعظم عرش سے آگے نکل گئے تو اس قسم کے ربانی جملوں نے استقبال کیا۔

اُدْنُ يَا خَيْرَ الْبَرِيَّةِ اُدْنُ يَا مُحَمَّدُ ، اُدْنُ يَا اَحْمَدُ لِيَدْنُوَ الْحَبِيْبُ

(مواہب لدنیہ)

ترجمہ: قریب آ اے بہترین کائنات، قریب آ اے محمد، قریب آ اے احمد، حبیب کو قریب آنا چاہیے

بڑھ اے محمد، قریب ہو احمد ، قریب آ سرور مجد
نثار جاؤں یہ کیا ندا تھی، یہ کیا سماں تھا، یہ کیا مزے تھے
قاب قوسین دو ہاتھ کا فاصلہ
اوادنی بلکہ اس سے بھی کم یا

قریب: گویا' اس محبوب اور نور رب العلمین میں انتہائی قرب بتانا مقصود ہے۔اہل عرب انتہائی نزدیکی بیان کرتے ہیں تو یہی کہا کرتے ہیں کہ دو کمانوں یا دو ہاتھوں تک پہنچ گیا۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ جب کسی کو آغوش محبت میں لینا ہوتا ہے تو دونوں ہاتھوں کی کمانیں ملا کر دائرہ بنا لیتے

ہیں اور بیچ میں محبوب کو لے کر گلے لگاتے ہیں یعنی رحمت الٰہی نے اپنے محبوب ﷺ کو اپنی آغوش میں لے کر ایسا گلے لگایا جیسے پیارا پیارے سے گلے ملتا ہے۔ یا جیسے دائرہ مرکز کو اپنے گھیرے میں لے لیتا ہے۔ خیال رہے کہ دو کمانوں سے دائرہ بن جاتا ہے۔ اس وقت نظارہ یہ تھا کہ چہار طرف رحمت خدا اور نور خدا بیچ میں حضور محمد مصطفٰے علیہ التحیۃ والثنا تھے (نورالعرفان)

غزالی زماں علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

'قاب مقدار کو کہتے ہیں۔ قوس کے معنی ہیں کمان۔ اس کی حقیقت کا علم تو اللہ تعالٰی اور اس کے حبیب ﷺ ہی کو ہے۔ لیکن قرب کو قاب قوسین سے تعبیر فرمانے کی حکمت یہ ہے کہ عرب میں دستور تھا کہ جب دو سردار آپس میں معاہدہ کرتے تھے تو دونوں اپنی کمانوں کو ملا کر ایک تیر پھینکا کرتے تھے جو اس بات کی دلیل ہوتا تھا کہ دونوں آپس میں ایسے متفق ہیں کہ جو تیر ایک کی کمان سے نکلا' وہی دوسرے کی کمان کا قرار پایا۔ ایک کی جنگ دوسرے کی جنگ اور ایک کی صلح دوسرے کی صلح متصور ہوتی۔ اللہ تعالٰی نے بھی اپنے حبیب مکرم ﷺ کو اپنا وہ قرب عطا فرمایا کہ اللہ تعالٰی کے ساتھ جنگ کرنا حضور علیہ السلام سے جنگ کرنا ہے اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے صلح کرنا اللہ سے صلح کرنا ہے۔ قاب قوسین میں جس قرب کا بیان ہے، صوفیائے کرام اسے فنائے تام سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کی تجلیات جب مقربین پر پڑتی ہیں تو وہ انوار صفات سے متصف ہو جاتے ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی کیا شان ہو گی؟ کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا نہ بتا سکتا ہے۔ (معراج النبی از غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمہ)

بہر حال انتہائے قرب کے اظہار کے لئے آخری لفظ تھے قاب قوسین۔ اوپر کی تصریح سے ظاہر ہے کہ عرب میں یہ محاورہ بلکہ دوسرداروں کے درمیان صلح کا یہ انداز موجود تھا جسے وہ قاب قوسین سے تعبیر کرتے تھے۔ غیرت حق نے یہ گوارا نہ کیا کہ اپنے محبوب کے قرب الٰہی کو یہیں تک محدود رکھا جائے (اگرچہ دوسروں کو یہ بھی نصیب نہ ہوا) بلکہ او ادنیٰ فرما کر یہ ثابت کر دیا کہ یہ قرب قاب قوسین سے بھی زیادہ ہے اور لغت و محاورہ میں سے کوئی نام نہیں دیا جا سکا۔

آیت نمبر ۱۰: میں فرمایا گیا اب یعنی اس قرب تمام کے مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ محبوب علیہ الصلوۃ والسلام کو وحی فرمائی جو فرمائی۔ یہ طالب و مطلوب کی گفتگو تھی، اور اس کا تقاضا ہی یہ ہے۔

میان طالب و مطلوب رمزیست
کراماً کاتبیں را ہم خبر نیست

اعلیحضرت فرماتے ہیں۔

غنچے ما اوحی کے جو چٹکے دنیٰ کے باغ میں
بلبل سدرہ تو ان کی بو سے بھی محرم نہیں

آیت نمبر ۱۱: میں آنکھ کے دیکھے پر دل کی تصدیق کا ذکر ہے۔ اصل دیکھنے کا معیار بھی یہی ہے کہ آنکھ کے مشاہدے کی تصدیق دل بھی کرے، مثلاً ہر صبح سویرے سورج نکلتا ہے تو ایک سونے کے طشت سے بڑا نظر نہیں آتا مگر اس چشم دید' منظر پر دل مہر تصدیق ثبت نہیں کرتا اس کا فتویٰ تو یہ ہے کہ سورج زمین سے کئی گنا بڑا ہے۔

ریلوے ٹرین میں بیٹھتے ہیں۔ وہ تیز دوڑتی ہے مگر آنکھ کو لائن کے قریب کے درخت دوڑتے ہوئے نظر آتے ہیں ہلکے بادل فضا میں تیر رہے ہوں اور چاند بھی روشن ہو تو یوں لگتا ہے جیسے چاند تیزی سے گزر رہا ہے۔ حالانکہ غور کریں تو وہ بادل ہوتے ہیں۔

بعض سکے پانی میں ابھرے اور پھیلے ہوئے دکھائی دیتے ہیں مگر دل جانتا ہے کہ یہ محض فریب نظر ہے۔

معراج شریف میں کیا ہوا، عبدہ ﷺ نے وحدہ جل مجدہ کو طالب مطلوب ﷺ نے مطلوب طالب جل مجدہ کو، سبب الاسباب ﷺ نے مسبب الاسباب جل شانہ کو، رحمۃ للعلمین علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے رب العلمین جل جلالہ کو، مقصود کائنات علیہ افضل الصلوات واکمل التحیات نے خالق کائنات عز اسمہ کو خوب دیکھا، غیر محدود محبت سے دیکھا، بے پناہ عشق سے دیکھا، اور کیسے دیکھا چشم حق بین وہمہ بین نے دیکھا اور قلب سلیم ومتین نے تصدیق فرمائی۔

وہ جس نے منتہائے حسن معنی اس طرح دیکھا
نگاہیں روبرو اور فاصلہ قوسین او ادنٰی

آیت نمبر ۱۲: میں ان لوگوں کو تنبیہ کی جارہی ہے جو حضور حق بین ﷺ کے مشاہدات پر لڑتے جھگڑتے اور شک وشبہ کا اظہار کرتے ہیں۔ انھیں خبر نہیں کہ اللہ کے یہ حبیب مکرم ﷺ تو طبیب جسم وجاں بن کر تشریف لائے ہیں، کیا ان کا ارشاد انھوں نے نہیں سنا، فرماتے ہیں۔

لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ اِلَیْکُمْ لَیْسَ بِوَھْنٍ وَلَا کَسَلٍ لِیُحْیِیَ قُلُوْبًا غُلْفًا وَیَفْتَحَ اَعْیُنًا عُمْیًا وَیُسْمِعَ اٰذَانًا صُمًّا وَیُقِیْمَ اَلْسِنَةً عُوْجًا حَتّٰی یُقَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (امن والعلٰی بحوالہ دارمی شریف)

ترجمہ: بیشک تمہارے پاس تشریف لایا وہ رسول جو ضعف وکاہلی سے پاک ہے تاکہ وہ (رسول) زندہ فرمادے غلاف چڑھے دل اور کھول دے اندھی آنکھیں اور شنوا کردے بہرے کان اور سیدھی کردے ٹیڑھی زبانیں حتیٰ کہ لوگ کہہ دیں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

یہ انھیں کا فیض محبت ہے کہ مومن بصیرت وفراست کا مخزن بن جاتے ہیں۔

خود فرماتے ہیں۔

اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہِ (ترمذی)

ترجمہ: مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے

بلکہ ان کے غلاموں کے ہاں تو آدمی وہی ہے جو سراپا دید ہو،

آدمی دید است باقی پوست است

دید آں باشد کہ دید دوست ہست

(مولانا روم علیہ الرحمہ)

ترجمہ: آدمی اصل میں دید کی حد تک ہی آدمی ہے، باقی آدمی نہیں بلکہ جلد یا کھال ہے اور یہاں دید سے مراد ہے دوست کی دید

جنھوں نے اپنے نام لیواؤں کو ایسا 'دیدہ ور' بنا دیا ان کی 'دید' پر جھگڑنا 'بے دید' ہونے کی دلیل نہیں تو کیا ہے۔

قرآن پاک نے ان کی رسالت کے منصبی تقاضوں کا ذکر کیا تو سب سے پہلے 'مشاہدے' ہی کا ذکر فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ۙ۝

وَّ دَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا ۝ (الاحزاب: ۴۵،۴۶)

ترجمہ: اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بیشک ہم نے تمہیں بھیجا شاہد (حاضر اور مشاہدہ کرنے والا) اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب

بہر حال صاحب معراج کو معراج پر بلانے کا مقصود ہی جب 'مشاہدہ' تھا تو جھگڑا کیوں، ان کا حال تو معراج سے پہلے بھی یہ تھا

عالم الغیب نے ہر غیب سے آگاہ کیا
صدقے اس شان کی بینائی وشنوائی کے
دیکھنے والے ہیں وہ رات کی تاریکی میں
کان میں سمع کے اور آنکھ میں بینائی کے

اب معراج ہوئی تو گویا وہ دیدار ہوا جس پر دیدار بھی نثار ہو۔ اللہ اللہ !! اس دیکھنے، پر جان دو عالم نثار، دیکھا تو اسے دیکھا جس نے دیکھنے کیلئے دو آنکھیں دیں اور جب اسے دیکھ لیا تو پھر کون ہے جو دیکھا نہ جاسکے

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پر کروڑوں درود

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

اَتَعْجَبُوْنَ اَنْ تَكُوْنَ الْخُلَّةُ لِاِبْرَاهِيْمَ وَالْكَلَامُ لِمُوْسٰى وَالرُّؤْيَةُ لِمُحَمَّدٍ (النسائی۔مواہب لدنیہ)

ترجمہ: کیا تم تعجب کرتے ہو اس بات سے کہ خلت ابراہیم علیہ السلام کے لئے ہو اور کلام موسیٰ علیہ السلام کے لئے اور رویت (دیدار) حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے لئے

اور جس کو رویت میسر ہے اسے سب کچھ مل گیا خلت بھی بلکہ محبوبیت بھی، کلام بے حجاب بھی اور چشم قلب وسر سے دیدار بھی۔

آیت نمبر ۱۳: میں مزید وضاحت کی گئی اور جھگڑنے والوں کی قلت عقل وشعور کو مزید آشکارا کیا گیا کہ وہ تو محض دیکھنے پر لڑتے ہیں، یہاں دیکھنے والے محبوب علیہ التحیۃ والثناء نے دوبارہ دیکھا۔ بعض مفسرین کے نزدیک دوبارہ دیکھنے سے مراد دوبار دیکھنے تک ہی محدود نہیں بلکہ بار بار دیکھنا ہے۔

قصرِ دنیٰ تک کس کی رسائی

آتے یہ ہیں، جاتے یہ ہیں

بات یوں ہوئی کہ دیدارِ باری کے دوران امت پر پچاس نمازیں فرض ہوئیں واپسی میں چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی ان کے عرض کرنے پر حضور ﷺ دوبارہ حاضر ہوئے اور تخفیف کی التجا کی تو پانچ کم ہو گئیں۔ واپس آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر وہی عرض کیا اور اب پھر محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم رب کریم جل مجدہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور پانچ مزید کم ہو گئیں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام ملتے رہے، حضور ﷺ حریم یار میں حاضر ہوتے رہے اور نمازیں پانچ پانچ کے حساب سے کم ہوتی رہیں آخر میں صرف پانچ رہ گئیں (یہ واقعہ اس قدر مشہور ہے کہ پوری طرح لفظ بلفظ بیان کرنے کی ضرورت نہیں) بہر حال آنا پھر جانا، پھر آنا پھر جانا یہ سلسلہ نو بار ہوا۔ لہٰذا نزلۃ اخریٰ سے مراد دوسری بار نہیں بلکہ ایک سے زیادہ بار یا بار بار ہے۔ عشاق کے نزدیک موسیٰ علیہ السلام کا بار بار نمازیں کم کرانے کے لئے حضور پرنور ﷺ سے عرض کرنا دراصل اس لئے تھا کہ بار بار چہرہ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء جو جلوہ گاہ نور خدا تھا، دیکھنے کا شرف حاصل ہو بعض روایات کے مطابق انھوں نے رب ارنی (اے مرے رب! مجھے اپنا آپ دکھا) بھی نو دفعہ کہا تھا

(غالباً یہ ۱۹۷۲ء کا واقعہ ہے۔ میرے آقا و مولا اعلیحضرت حضور نقش لاثانی قدس سرہ اپنے بعض افراد کنبہ کے ساتھ حج کیلئے مکہ معظمہ میں قیام پذیر تھے۔ قیوم زمانی غوث صمدانی حضور شہنشاہ لاثانی قدس سرہ النورانی کے ایک مرید صادق حضرت مولانا مہر دین علیہ الرحمہ (سابق شیخ الحدیث جامعہ حزب الاحناف لاہور) بھی ان دنوں اسی مقدس غرض کے تحت مکہ معظمہ میں تھے کہ علماء نجد کے ایک وفد نے آپ کو مناظرے کا چیلنج دے دیا۔ آپ نے بہت ٹالا مگر انھوں نے کسی قسم کی زیادتی و ناانصافی نہ کرنے کا

وعدہ لے کر آپ کو راضی کر لیا۔ یہی موضوع تھا کہ مردے کسی کی مدد نہیں کر سکتے۔ حضرت مولانا مرحوم نے فرمایا' تمہاری مراد مردوں سے معاذ اللہ انبیائے کرام علیہم السلام اور اولیاء عظام علیہم الرضوان ہیں، اگر واقعی آپ کا یہی موقف ہے تو پانچ کی بجائے پچاس نماز پڑھا کیجئے۔ ایک اسی دلیل کو علمائے نجدرات کے ایک دو بجے تک نہیں توڑ سکے اور عین حرم کعبہ میں دم دبا کر بھاگ گئے۔ گویا نجدیوں کی یہ شکست ایک لاکھ شکستوں کے برابر اور مولانا علیہ الرحمہ کی یہ فتح ایک لاکھ فتوح کے برابر تھی۔ (یاد رہے وہ تعداد میں بہت زیادہ تھے اور ادھر مولانا کے ساتھ محض دو چار خدام تھے)

آیت نمبر ۱۴، ۱۵: میں دوسرے دیدار خداوندی کا مقام بتا دیا گیا اور وہ ہے سدرۃ المنتہیٰ کے نزدیک۔ سدرۃ المنتہیٰ عرش الٰہی کی جڑ میں ایک بیری کا درخت ہے جس کی جڑ چھٹے آسمان میں ہے اور شاخیں ساتویں آسمان میں پھیلی ہوئی ہیں۔ تمام عالم اور جملہ مقرب فرشتے نبی اور رسولوں کا علم اس پر ختم ہو جاتا ہے، اس کے پیچھے ایسا علم غیب ہے جسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا یہی وہ مقام ہے جس کے اوپر جانے سے حضرت جبریل امین علیہ السلام نے معذرت کر دی تھی اور عرض کیا تھا لَوْ دَنَوْتُ اَنْمِلَۃً لَاَحْتَرَقْتُ (معراج النبی از علامہ کاظمی بحوالہ تفسیر نیشاپوری)

ترجمہ: اگر میں انگلی کے ایک پورے کے برابر بھی بڑھوں تو جل کر خاکستر ہو جاؤں۔

اسی سدرۃ المنتہیٰ کے پاس جنت الماویٰ ہے۔ حضور پرنور ﷺ ان سب کو اپنے مشاہدے سے مشرف فرمایا۔

آیات نمبر ۱۶، ۱۷ میں ایک اور منظر کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ ہوا یہ کہ حبیب کبریا! بلکہ سلطان المحبوبین ﷺ کے تشریف لانے کی خبر سے سب فرشتوں کو دیدار حبیب علیہ الصلوۃ والسلام کو ایک نادر موقع دکھائی دیا تو بارگاہ ارحم الرحمین میں دیدار کی اجازت کے لئے ملتجی ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے سب کو سدرۃ المنتہیٰ پر جمع ہونے کا حکم فرمایا۔ (تفسیر در

منثور) چنانچہ جان ہزار انتظار ﷺ بہزار آب وتاب جلوہ افروز ہو گئے تو سب نے جمال جہاں آرا سے آنکھیں ٹھنڈی کر لیں۔

عجب انداز سے محبوب حق نے جلوہ فرمایا
سرور آنکھوں میں آیا، جان دل میں، نور ایمان میں

تجلیات کے اس ہجوم میں، انوار الٰہیہ کی اس موسلا دھار بارش میں، حسن ازل کی کثیر التعداد جلوہ گاہوں میں اپنے رب اکبر کی آیات کبریٰ مثلا جبریل امین علیہ السلام کو دیکھ کر بھی حتیٰ کہ بارگاہ رب العزۃ میں خود رب العزۃ کا دیدار کر کے بھی اس محبوب دلنواز علیہ الصلوۃ والسلام کی خداداد استقامت میں کوئی فرق نہیں آیا بلکہ

مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰیO

ترجمہ: آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی

ہاں ہاں استقامت کا یہی تقاضا تھا، شوق کا یہی اقتضا تھا، ادب کا یہی فیصلہ تھا یقیناً آپ کی معراج تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی معراجوں کی سردار ہے اس لئے ان میں سے کوئی بھی چوتھے آسمان سے آگے نہیں بڑھ سکا (اور چوتھے آسمان پر بھی صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لے گئے اور جنت میں صرف ادریس علیہ السلام) یہ معراج شریف ہے کہ زمین سے آسمان تک، آسمان سے سدرۃ المنتہیٰ تک، سدرۃ المنتہیٰ سے عرش معلیٰ اور عرش معلیٰ سے مقام قاب قوسین او ادنیٰ تک

طور پر کوئی ، کوئی چرخ پہ، یہ عرش سے پار
سارے بالاؤں سے بالا رہی بالائی دوست

اور پھر

پوچھتے کیا ہو عرش پر یوں گئے مصطفیٰ کہ یوں
عقل کے پر جہاں جلیں، کوئی بتائے کیا کہ یوں

یہ ہے سورہ والنجم کی آیات معراجیہ کی مختصر سی تفسیر، چونکہ ان سب کا تعلق معراج شریف کے آسمانی حصے کے ساتھ ہے لہذا انھیں کا ذکر کیا گیا، مکہ معظمہ میں حضرت جبریل علیہ السلام اور حضرت میکائل علیہ السلام کا قاصدِ بارگاہِ الوہیت بن کر جانا، پھر شق صدر، پھر براق اور اس کی رفتار' مختلف مقدس مقامات پر براق سے اتر کر نفل پڑھنا' حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں کھڑے نماز پڑھتے دیکھنا، پھر مسجد اقصیٰ میں انبیاء علیہم السلام کی امامت اور مختلف تاجداران رسالت کے خطبات حمد کا ذکر یہاں نہیں کیا گیا۔ بلکہ واپسی پر بھی زمینی واقعات مثلا قافلوں پر سے گزرنا، کفار کا شور وغوغا، بیت المقدس کا چشم مبارک کے سامنے لایا جانا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تصدیق کا ذکر بھی اس تحریر میں نہیں ہے۔ (کیونکہ میرے دوسرے مضامین معراج میں ان کا ذکر آ ہی گیا ہے) یہاں ایک دو نکتے مزید درج کئے جاتے ہیں، ان کا تعلق بھی آسمانی سفر معراج ہی سے ہے۔ یہاں ذکر کرنے کا مقصد یہ بھی ہے کہ حضور رحمۃ للعلمین ﷺ کی امت میں شامل ہونا کتنی بڑی سعادت ہے کہ سب انبیاء و مرسلین علیہم السلام اور ملائکہ کرام علیہم السلام بھی اس محبوب اعظم ﷺ کی رضا کے لئے امت محبوب پر مہربان ہیں۔ ایمان وعقیدت کی آنکھ روشن ہو تو یقیناً یہ بہت بڑا شرف ہے،

سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے ساتویں آسمان پر ان کے نور نظر و لخت جگر حضور سرور انبیاء و مرسلین علیہم الصلوۃ والسلام سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے یوں اپنی محبت کا اظہار فرمایا

اَقْرِئْ اُمَّتَکَ مِنِّیَ السَّلَامَ وَ اَخْبِرْهُمْ اَنَّ الْجَنَّةَ طَيِّبَةُ التُّرْبَةِ عَذْبَةُ الْمَآءِ وَاَنَّ غِرَاسُهَا سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ (ضیاء النبی ج۲ بحوالہ سبل الہدیٰ والرشاد ج۳)

ترجمہ: (حضرت ابراہیم علیہ السلام بولے) اپنی امت کو میری

طرف سے سلام کہئے اور انھیں بتایئے کہ جنت کی مٹی بہت پاکیزہ ہے۔ وہاں کا پانی بہت میٹھا ہے اور وہاں پودے سبحان اللہ ، الحمد للہ ، لا الہ الااللہ ، اللہ اکبر

حضرت جبریل علیہ السلام کی حاجت:

آسمانوں سے گزر کر جب سدرۃ المنتہٰی پر پہنچے تو حضرت روح الامین علیہ السلام نے آگے جانے سے معذرت کر دی۔ اس موقع پر دریائے رحمت جوش میں آیا اور دارین کے مشکلکشا کونین کے حاجت روا علیہ التحیۃ والثنا نے استفسار فرمایا یَا جِبْرِیْلُ ھَلْ لَکَ مِنْ حَاجَۃٍ (مواہب لدینہ) ترجمہ: اے جبریل کیا کوئی حاجت ہے۔

عرض کیا: اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ اَعْلَمُ (اے اللہ تو زیادہ جانتا ہے)

حضور پر نور سرکار رحمۃ للعلمین ﷺ بارگاہ رب العلمین میں حاضر ہوئے تو اللہ عزوجل نے فرمایا اَیْنَ حَاجَۃُ جِبْرِیْلَ (مواہب لدینہ)

ترجمہ: جبریل کی حاجت کا کیا ہو۔

حضور اکرم واقدس ﷺ نے عرض کی اے رب تو خوب جانتا ہے۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا

یَا مُحَمَّدُ قَدْ اَجَبْتُہٗ فِیمَا سَئَلَ وَلٰکِنْ فِیْمَنْ اَحَبَّکَ وَصَحِبَکَ.

ترجمہ: جبریل علیہ السلام کی آرزو ان کے حق میں پورا کروں گا جنہیں (اے محبوب) تم سے محبت ہوگی اور تمہاری صحبت سے مشرف ہوں گے

اعلیحضرت اور ایک ہندو: حیات اعلیحضرت میں درج ذیل واقعہ درج ہے۔ اگرچہ اس میں ہمارے عنوان کے ساتھ ایک ہی سوال وجواب کی زیادہ مناسبت ہے مگر چونکہ دلچسپ ومفید ہے اس لئے پوری کی پوری عبارت نذر قارئین کی جاتی ہے

'جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ قبل ظہر حضرت استاذ العلماء مولانا

مولوی حکیم نعیم الدین صاحب مرادآبادی وحضرت مولانا مولوی رحیم الٰہی صاحب مدرس مدرسہ منظر اسلام بریلی خدمت اقدس میں حاضر ہیں کہ آریہ آتا ہے اور کہتا ہے میرے چند سوالات ہیں اگر ان کے جوابات دے دیئے گئے تو میں اور میری بیوی بچے سب مسلمان ہو جائیں گے چونکہ اذان ہو چکی تھی، نا معلوم کتنا وقت صرف ہوگا۔ بایں خیال حضور نے فرمایا ہماری نماز کا وقت ہے ٹھہر جاؤ اس کے بعد جو سوال کرو گے انشاء اللہ جواب دیا جائے گا، وہ کہنے لگا ایک سوال تو یہی ہے کہ آپ کے یہاں عبادت کے پانچ وقت کیوں مقرر ہیں۔ پرمیشر کی عبادت جتنی بھی کی جائے اچھا ہے۔ مولانا نعیم الدین صاحب نے فرمایا یہ اعتراض تو خود تمہارے اوپر آتا ہے مولانا رحیم الٰہی نے فرمایا میرے پاس ستیارتھ پرکاش مکان پر موجود ہے ابھی منگوا کر دکھا سکتا ہوں الغرض طے پایا کہ جب تک کتاب آئے نماز پڑھ لی جائے وہ اتنی دیر پھاٹک میں بیٹھا رہا بعدہ مندرجہ ذیل سوالات پیش کئے۔

۱۔ قرآن تھوڑا تھوڑا کیوں نازل ہوا ایک دم کیوں نہ آیا جبکہ وہ خدا کا کلام ہے خدا تو قادر تھا کہ ایک ساتھ اتار دیتا۔

۲۔ آپ کے نبی کو معراج کی رات خدا نے بلایا تو انہیں پھر دنیا میں واپس کیوں کیا وہ تو اسے محبوب تھے۔

۳۔ عبادت پانچ وقت کے متعلق ستیارتھ پرکاش کی عبارت دیکھنا مشروط ہوئی، مندرجہ بالا سوالات سن کر حضور نے فرمایا میں تمہارے سوالوں کے جوابات ابھی دیتا ہوں مگر تم نے جو وعدہ کیا ہے اس پر قائم رہو۔ اس نے کہا ہاں میں پھر کہتا ہوں کہ اگر میرے سوالات کے جوابات آپ نے معقول دے دیئے تو میں مسلمان ہو جاؤں گا، اور بیوی بچوں کو بھی لا کر مسلمان کرا دوں گا۔ جب قول و قرار اور پختہ وعدہ کر لیا تو حضور نے فرمایا پہلے سوال کا جواب تو یہ ہے کہ جو شے عین ضرورت کے وقت دستیاب ہوتی ہے اس کی

وقعت دل میں زیادہ ہوتی۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کو بتدریج نازل فرمایا۔پھر فرمایا انسان بچہ کی صورت میں آتا ہے، پھر جوان ہوتا ہے، پھر بوڑھا، اللہ تو قادر تھا بوڑھا ہی کیوں نہ پیدا فرمایا، پھر فرمایا انسان کھیتی کرتا ہے، پہلے پودا نکلتا ہے پھر کچھ عرصہ کے بعد اس میں بالی آتی ہے۔اس کے بعد دانہ برآمد ہوتا ہے وہ تو قادر تھا کہ ایک دم غلہ کیوں نہ پیدا فرمایا۔اس کے بعد ستیارتھ پرکاش آگئی جس میں حسب ذیل عبارتیں موجود تھیں۔

باب تیسرا (تعلیم) پندرھواں ہیڈنگ "اگنی ہوتو صبح وشام دوہی وقت کرلے"

باب چوتھا (خانہ داری) ۶۳ ہیڈنگ "سندھیادوہی وقت کرنا چاہئے"

ان عبارات کو سن کر بجز قائل ہونے کے چارہ ہی کیا تھا لہذا اعتراف کرتے ہوئے معراج شریف والے سوال کا جواب چاہا۔اس کی نسبت حضور نے ارشاد فرمایا اسے یوں سمجھو کہ ایک بادشاہ اپنی مملکت کے انتظام کیلئے ایک نائب مقرر کرتا ہے وہ صوبہ یا نائب بادشاہ کے حسب منشا خدمات انجام دیتا ہے بادشاہ اس کی کارگزاریوں سے خوش ہو کر اسے پاس بلاتا ہے اور انعام وخلعت فاخرہ عطا فرماتا ہے نہ یہ کہ اسے بلا کر معطل کر دیتا ہے اور اپنے پاس روک لیتا ہے۔یہ سن کر اس نے کہا کہ آپ نے میری پوری تشفی فرما دی اور میری سمجھ میں خوب آگیا میں ابھی جا کر بیوی اور بچوں کو لاتا ہوں اور خود بھی مسلمان ہوتا ہوں اور ان کو بھی مسلمان کراتا ہوں'۔

☆......☆......☆

لاکھوں درود اُن پر لاکھوں سلام اُن پر

(حضور مفکر اسلام کا............آخری درود و سلام)

مرآت ذات واحد نورِ خدا کے مظہر
مقصود ہر دوعالم مطلوب رب اکبر
کون و مکاں کے مولا ارض و سما کے محور
کوئی نہ ان کا ثانی کوئی نہ ان کا ہمسر
لاکھوں درود ان پر لاکھوں سلام ان پر

اللہ اکبر کیا ہے بے مثل ان کا پایا
سب کے خدا نے ان کو سب کیلئے بنایا
سارے جہاں پر ان کا ان پر خدا کا سایہ
دنیا ہے ان کے در پر وہ ہیں خدا کے در پر
لاکھوں درود ان پر لاکھوں سلام ان پر

ان سے بڑا محافظ انسان کا بتاؤ
ان سے بڑا مقنن تاریخ میں دکھاؤ
اس انقلاب کی ہی کچھ مثل ہو تو لاؤ
بہتر یہی ہے مانو اور کہہ دو سر جھکا کر
لاکھوں درود ان پر لاکھوں سلام ان پر

وہ جانتے ہیں سب کو وہ جانتے ہیں سب کچھ

اللہ کے کرم سے پہنچاتے ہیں سب کچھ
بعد از خدا انہیں کو ہم مانتے ہیں سب کچھ
کوئی کسی صفت میں رب کے نہیں برابر
لاکھوں درود ان پر لاکھوں سلام ان پر

بخشی گئی ہے اُن کو عالم کی حکمرانی
گرد اُن کے گھومتی ہے ہستی کی سب کہانی
موت و حیات دنیا فانی ہے اور مکانی
سرکار لامکاں پر پہنچے تو موت کیوں کر
لاکھوں درود ان پر لاکھوں سلام ان پر

بندوں میں اپنے رب نے سب سے زیادہ چاہا
کیا خوب ہی نوازا کیا خوب ہی سراہا
کرتے ہیں عرض مرسل تسلیم عالی جاہا
جان ان پہ کس ادب سے کرتے ہیں سب نچھاور
لاکھوں درود ان پر لاکھوں سلام ان پر

فتح مبین کیا ہے سرکار کی غلامی
کیا اور نیک بختی کیا اور نیک نامی
آؤ نبی کے در پر عارف ہو یا ہو عامی
آئے ہو خاک بر سر جاؤ گے تاج بر سر
لاکھوں درود ان پر لاکھوں سلام ان پر

آئے نہیں تھے جب تک سرکار خاکداں میں
ظلمت اٹی ہوئی تھی ہر گوشۂ مکاں میں
آئے تو جان آئی ذرّاتِ تیرہ جاں میں
کون اور ایسا محسن کون اور ایسا رہبر
لاکھوں درود ان پر لاکھوں سلام ان پر

سرکار ہیں جہاں میں انصاف لانے والے
صدیوں سے جو تھا سویا اس کو جگانے والے
اور پستی سریٰ سے تا عرش اٹھانے والے
دیکھا کہاں تھا ایسا چشم فلک نے منظر
لاکھوں درود ان پر لاکھوں سلام ان پر

سن لو جفا پرستوں آئی ہماری باری
کس شان سے ہے نکلی اسلام کی سواری
آگے نبی کا جھنڈا سر پر ہے فضل باری
مرشد کو آسی دیکھو ہے نعرۂ زن برابر
لاکھوں درود ان پر لاکھوں سلام ان پر

......☆☆......

صلی اللہ علیہ وبارك سلم

......☆☆......



حضور مفکر اسلام کی شہرۂ آفاق تصانیف
میلاد شریف اور بعض روایات
حضور ﷺ کے والدین
شاہِ ابرار زندہ و مختار
سورج الٹے پاؤں پلٹے
حضرت مجدد الف ثانی کی مجددیت و قیومیت
اتحادِ ملت کی ضرورت و صورت (زیرِ طبع)
حضرت امام حسین کی حقانیت
اسلام کا پہلا عقیدۂ توحید
اسلام کا دوسرا عقیدۂ رسالت
موجودہ فرقہ واریت اور حضور نقش لاثانی کا مذہبی تامل
انوارِ لاثانی
آؤ میلاد منائیں
نغمات میلاد (نعتیہ مجموعہ)
(نعتیہ مجموعہ) تبرکات حرمین
ہمارا نبی ﷺ (نعتیہ کلام)
بلبل چہک رہا ہے ریاض الرسول ﷺ میں (زیرِ طبع)
اسلام اور شیطان کے سپوت (زیرِ طبع)
مردانِ حق
سیرت حضور نقش لاثانی
سیرت نبوی کا پیغام عصر حاضر کے نام
پبلشرز مکتبہ نقش لاثانی
محلہ نقش لاثانی نگر ○ شکر گڑھ
Tel: 0542 - 451734
Mob: 0300-7766223